يريدون ليطفئوا نور الله بافواههم والله متم نوره ولو كره الكافرون

اعجاز التنزیل

قرآن مجید کے لفظاً و معناً کلام اللہ اور معجزہ

ہونیکے ثبوت میں

مصنفہ عالیجناب معلّی القاب وزیر الدولہ

مدبر الملک خلیفہ سید محمد حسن

خان بہادر سی آئی ای وزیر اعظم

ریاست پٹیالہ ادام اللہ اجلالہم

۱۸۸۹ء

مراد آباد

فہرست مضامین کتاب اعجاز التنزیل

نمبر شمار	مضمون	صفحہ

فقط

"هٰذا کتابنا ینطق علیکم بالحق"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ونصلی علیٰ سیدنا محمد وآلہ الکریم

وہ اَن دیکھا۔ اور اَن بوجھا۔ پاک اور ناتغیرپذیر وجود۔ جو سب سے پوشیدہ اور سب پر ظاہر ہے اور ہمارا ہونا جسکے ہونے کی دلیل ہے۔ اور جسکا نام اللہ ہے۔ جسطرح اپنی ذات میں بے نظیر و بے مانند ہے اسیطرح اپنے افعال و آثار میں بھی بے مثل و بے عدیل ہے۔ یعنی جسطرح کوئی اپنے تئیں اسکا سا نہیں بنا سکتا۔ اسی طرح اسکے سے افعال و آثار بھی صادر نہیں کرسکتا اور کیونکر کرسکے کہ بے مثالی اور بے نظیری اسکی ذات کی طرح اسکے افعال و آثار کا خاصہ ہے۔ اور خاصہ کی یہی تعریف ہے کہ اپنے موصوف کے سوا دوسری شے میں نہ پایا جاسے۔ اور جبکہ یہہ امر بداہتاً ثابت ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ کوئی کلام جو اُس ذاتِ پاک کا کلام ہو۔ ناممکن ہے کہ انسان ایسا کلام کرسکے

جو کسی ایک صفت میں بھی اُسکا ہمرتبہ یا ہمپایہ ہو۔ کیونکہ وہ اُسکا کلام یا فعل ہے جو اپنی ذات کی طرح اپنے افعال میں بھی بے نظیر و بے مانند ہے۔ اور جس کلام کو کلام خدا کہا جائے اُسکے جانچنے اور پرکھنے کا یہی طریقہ ہے کہ دیکھا جائے کہ انسان سے اُسکا معارضہ ممکن ہے یا نہیں۔ اور اگر ناممکن ہو تو جان لینا چاہیے کہ وہ کلام۔ کلام خدا ہے۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ جس کلام کو ہم مسلمان کلام خدا کہتے اور یقین کرتے ہیں۔ ایسا ہے یا نہیں؟ پس ہم کہتے ہیں کہ بیشک و شبہ ایسا ہی ہے اور ممکن نہیں کہ انسان اُسکا معارضہ کرسکے۔ اور ہم کون اور ہمارا کہنا کیا جبکہ خود اُسکے متکلم نے کمال شدّ و مد سے اُسکے اپنا کلام اور بے مثل و بے مانند ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور اُسکو ثابت کر دکھایا۔ چنانچہ سورہ بقرہ میں فرمایا۔ ”اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ“ یعنی اگر تمکو اُس چیز میں شک ہے جو ہمنے نازل کی ہے اپنے بندہ پر تو اُسکے ایک ٹکڑے ہی کی مانند لاؤ اور خدا کے سوا اپنے حمایتیوں کو بھی بلالو اگر تم سچے ہو۔ پھر سورہ یونس میں فرمایا ”اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ“ یعنی کیا کافر قرآن کو کہتے ہیں کہ یونہیں بنالیا ہے؟ تو (اے پیغمبر) تو اُنسے کہہ کہ اگر سچے ہو تو اُسکے ایک ٹکڑے ہی کی مانند تم بھی لاؤ اور خدا کے سوا جسکو مدد کے لیئے بلاسکتے ہو بلالو۔ پھر سورہ ھود میں فرمایا۔

"اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَأْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ" یعنی کیا کافر قرآن کو کہتے ہیں کہ یونہیں بنالیا ہے؟ تو (اے پیغمبر) تو اُنسے کہہ کہ اگر تم سچے ہو تو اُسکی دس سورتوں ہی کی مانند یونہیں بنالاؤ اور سوا ے خدا کے جسکو بُلا سکتے ہو مدد کے لیئے بُلالو۔ پھر سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا:

"قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا" یعنی کہدے (اے پیغمبر) کہ اگر جن وانس اس بات پر متفق ہوں کہ اس قرآن کی مثل بنالائیں تو اُسکی مانند نہ لاسکینگے اگرچہ ایک دوسرے کا مددگار بھی ہو۔

مگر یہہ امر غور طلب ہے کہ اِن آیتوں میں قرآن کی مثل ومانند سے کیا مُراد ہے؟ تقریباً تمام علما اور مفسرین کی یہہ راے ہے کہ چونکہ زمانہ نزول قرآن میں اہل عرب کو فصاحت وبلاغت کا بڑا ہی دعویٰ تھا اِسلیے خدانے قرآن کے من اللہ ثابت کرنیکو اُسمیں یہہ معجزہ رکھا کہ ویسا فصیح و بلیغ کلام کوئی بشر نہیں کہہ سکتا۔ چنانچہ آجتک کوئی نہیں کہہ سکا۔ اور اِس بنا پر اُنہوں نے لفظ "مانند" سے "فصاحت وبلاغت" میں مانند ہونا قرار دیا ہے مگر چونکہ اِن آیتوں میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس سے "فصاحت وبلاغت" میں معارضہ کا چاہا جانا پایا جاے۔ اِسلیئے میرے محترم دوست آنریبل سر سید احمد خان بہادر۔ سی۔ ایس۔ آئی اس راے کو نہیں مانتے اور فرماتے ہیں کہ اسمیں کچھ شک نہیں ہے کہ قرآن مجید نہایت اعلی سے اعلی

درجۂ فصاحت و بلاغت پر واقع ہے - اور جوکہ وہ ایسی وحی ہے جو پیغمبر کے
قلب نبوّت پر نہ بطور معانی و مضمون کے بلکہ بلفظہٖ ڈالی گئی تھی جسکے سبب
ہم اُسکو وحی مَتلُو یا قرآن یا کلام خدا کہتے اور یقین کرتے ہیں - اسیلئے ضرور
تھا کہ وہ ایسے اعلیٰ درجہ فصاحت پر ہو جو بے مثل و بے نظیر ہو - مگر یہہ
بات کہ اُسکی مثل کوئی نہیں کہہ سکا یا کہہ سکتا اُسکے من اللہ ہونیکی دلیل نہیں
ہوسکتی ۵؎ کسی کلام کی نظیر نہونا اس بات کی تو بے شبہ دلیل ہے کہ اُسکی
مانند کوئی دوسرا کلام موجود نہیں ہے - مگر اسکی دلیل نہیں ہے کہ وہ

۵؎ اگرچہ جمہور علماے اسلام کی یہہ راے ہے کہ قرآن مجید بوجہ اپنی فصاحت و بلاغت
اور نظم و ترتیب کے معجز ہے - مگر بعض علما اخبار عن الغیب کو بھی اسمیں شامل کرتے ہیں
اور بعض نے صرف صرفہ ہی کو وجہ اعجاز قرار دیا ہے - یعنی خدا کا فصحا و بلغاے عرب
کی ہمتوں کو قرآن کے معارضے سے پھرا دینا جسکا مدعا یہہ ہے کہ فصاحت و بلاغت
اور نظم و ترتیب کی وجہ سے نہیں - بلکہ صرف صرف ہمت کی وجہ سے مشرکین
معارضہ نہ کرسکے - چنانچہ اِبرَاہیم بن سَیّار معروف بہ نَظّام مُعتَزِلی
اور بعض اصحاب شیخ اَبُوالحَسَن اَشعَری اور شَریف مُرتضےٰ علَم
الہُدیٰ اسی طرف گئے ہیں - اور عیسےٰ ابن صبیح ملقب بہ مزدار نے
تو یہانتک کہدیا ہے کہ فصاحت و بلاغت اور نظم میں معارضہ ممکن ہے -
مگر محققین کی راے یہہ ہے کہ قرآن مجید باعتبار اپنے معانی و الفاظ دونوں کے
معجز ہے - خصوصاً جبکہ دونوں باتوں کو بالاشتمال ملحوظ رکھا جاوے جیسا کہ علامہ
عَبدُالرَّزّاق لاہیجانی نے اپنی کتاب گوہر مراد میں لکھا ہے - مولف

خدا کی طرف سے ہے۔ بہت سے کلام انسانوں کے دنیا میں ایسے موجود ہیں کہ اُنکی مثل فصاحت و بلاغت میں آجتک دوسرا کلام نہیں ہُوا مگر وہ من اللہ تسلیم نہیں ہوتے" اور مذکورہ بالا آیتوں کی طرف اشارہ کرکے فرماتے ہیں کہ " نہ ان آیتوں میں کوئی ایسا اشارہ ہے جس سے فصاحت و بلاغت میں معارضہ چاہا گیا ہو بلکہ صاف پایا جاتا ہے کہ جو ہدایت قرآن سے ہوتی ہے اُسمیں معارضہ چاہا گیا ہے۔ کہ اگر قرآن کے خُدا سے ہونیمیں شبہ ہے تو کوئی ایک سورہ یا دس سورتیں یا کوئی کتاب مثل قرآن کے بنالاؤ جو ایسی ہادی ہو" اور اپنی اس رائے کی تائید میں سُورۂ قصص کی اس آیت کو پیش کرتے ہیں۔ قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِندِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ یعنی (اے پیغمبر) تو کافروں سے کہدے کہ اگر تم سچّے ہو تو کوئی کتاب جو توریت اور قرآن سے زیادہ ہدایت کرنے والی ہو اُسے لاؤ" اور فرماتے ہیں کہ " توریت کی عبارت فصیح نہیں ہے۔ بلکہ عام طور کی عبارت ہے۔ اسلیئے کہ علاوہ قومی دستورات اور تاریخانہ مضامین کے جو اُسکے جامع نے اُسمیں شامل کیئے ہیں جسقدر مضامین وحی کے اُسمیں ہیں اُنکا القا بھی بلفظہ شاید بجز احکام عشرہ توریت کے جنکو حضرت موسٰیؑ نے پہاڑ میں بیٹھکر پتھر کی تختیوں پر لکھو دلیا تھا[1] پایا نہیں جاتا۔ پس ظاہر ہے کہ قرآن گو کیسا ہی فصیح ہو مگر جو معارضہ ہے وہ اُسکی فصاحت

[1] محقق سیّد نے اس امر کو کہ کتابت فی الالواح خدا کا فعل تھا بلکہ حضرت موسیٰ کا کام تھا معقول طور پر ثابت کیا ہے۔ دیکھو تفسیر القرآن۔ جلد سویم صفحہ ۲۴۴ لغایت ۲۴۷۔ (مؤلف)

بلاغت یا اُسکی عبارت کے بے نظیر ہونے پر نہیں ہے بلکہ اُسکے بیمثل
ہادی ہونے میں ہے جو بالتصریح سورہ قصص کی آیت میں بیان ہوا ہے
ہاں اُسکی فصاحت و بلاغت اُسکے بے نظیر ہادی ہونے کو زیادہ تر روشن
اور مستحکم کرتی ہے" (انتہے قولہ سلمہ) جسکا خلاصہ یہہ ہے کہ چونکہ سورہ بقرہ وغیرہ
سورتوں کی آیتوں میں تصریح نہیں ہے کہ کس چیز میں معارضہ چاہا گیا ہے -
اور سورہ قصص کی آیت نے اُسکی صراحت کر دی ہے تو درست بات
یہی ہے کہ معارضہ قرآن مجید کے بیمثل ہادی ہونے میں چاہا گیا ہے نہ
فصیح و بلیغ ہونے میں"۔

بزرگ سید کا یہہ اختلاف راے ایک تو اس خیال سے ہے
کہ کوئی یہہ شبہ نکرے کہ جس حالت میں کہ بہت سے کلام انسانوں کے
دنیا میں ایسے موجود ہیں کہ اُنکی مثل "فصاحت و بلاغت" میں دوسرا کلام
نہیں ہوا اور وہ من اللہ تسلیم نہیں ہو سکتے تو پھر قرآن میں کیا خصوصیت ہی
کہ من اللہ تسلیم کیا جاوے - دوسرے اسوجہ سے کہ جن لوگوں کی زبان
عربی نہیں ہے اور وہ اُسکی "فصاحت و بلاغت" سے ناآشنا ہیں تو قرآن کی
"فصاحت و بلاغت" اُنپر حجت نہیں ہو سکتی اور جب حجت نٹھہری تو قرآن مجید معجزہ
مستمرہ نرہا جسکے ہم مسلمان مدعی ہیں - کیونکہ اُنکی کتاب کا یہہ موضوع ہے کہ ہرقسم
کا شبہ یا اعتراض جو قرآن کے من اللہ ہونے کی نسبت کیا جاوے اُسکا حل
اُسمیں موجود ہو - جیسا کہ اُنہوں نے اسکا لکھنا شروع کرنیسے پہلے مشتہر بھی کیا تھا
اور چونکہ قرآن مجید میں دقایق علم مبداء و معاد (جسکے جاننے پر انسان کی

نجات موقوف ہے) ایسی شرح وبسط اور ایسے بے نظیر اُسلوب سے بیان
ہوے ہیں کہ ویسا یا اُس سے بہتر بیان کرنا ممکن نہیں - اور بڑے سے بڑا
عالم اور فلسفی اور جاہل سے جاہل گنوار بلاخصوصیّت قوم اور مُلک اور زبان کے
ترجمہ کے ذریعہ سے ہر وقت اور ہر زمانہ میں اُسکو سمجھ سکتا اور اُسکے مدّعا سے
واقفیّت حاصل کرسکتا ہے - اسلیئے اُنھوں نے اسی امر کو جو قرآن کا اصل
مطلب مُدّعا ہے محلّ معارضہ ٹھیرایا ہے - گو زیّن نے کسیقدر مختلف الرّاے
ہوں - اور سورہ قصص کی آیت کو دوسری آیتوں کا جنکا اوپر ذکر ہوا مُفسّر
نہیں سمجھتا - اور اس امر کو تسلیم نہیں کرتا کہ محل معارضہ قرآن کا صرف بمثل
ہادی ہونا ہے نہ فصیح و بلیغ ہونا - کیونکہ سورہ قصص کی اس آیت سے پہلے
جو آیت ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشرکین عرب نے یہودیوں کے سکھانے
سے یہہ کہا تھا " لَوْلَا اُوْتِیَ مِثْلَ مَا اُوْتِیَ مُوسٰے " یعنی ہم اُسوقت تک ایمان
نہیں لانیکے جبتک کہ موسیٰ کی سی کتاب نہ لاؤ " جسکے جواب میں خُدا نے الزاما
فرمایا " اَوَلَمْ یَکْفُرُوْا بِمَا اُوْتِیَ مُوسٰے مِنْ قَبْلُ قَالُوْا سِحْرَانِ تَظَاهَرَا وَقَالُوْا اِنَّا
بِکُلٍّ کَافِرُوْنَ " جسکا خلاصہ مطلب یہہ ہے کہ کیا کافروں نے موسیٰ کی کتاب
کا انکار نہیں کیا ؟ اور اُسکو اور قرآن کو جادو کی کتابیں نہیں بتایا ؟ اور نہیں کہا
کہ ہم دونوں میں سے ایک کو بھی نہیں مانتے " اور فرمایا " قُلْ فَاْتُوْا بِکِتَابٍ مِّنْ
عِنْدِ اللّٰہِ ھُوَ اَھْدٰی مِنْھُمَا اَتَّبِعْهُ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ " یعنی (اے
ہمارے پیغمبر) اِنسے کہدے کہ اگر تم اِس بات میں سچے ہو کہ توریت اور
قرآن جھوٹی اور جادو کی کتابیں ہیں تو اُن سے زیادہ ہدایت کرنے والی کوئی

کتاب لاؤ" اور فرمایا " فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللهِ ط

یعنی پھر اگر یہہ اس بات کو قبول نکریں یا ایمان نہ لائیں تو جان سے کہ صرف اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرتے ہیں اور اُس سے زیادہ کون گمراہ ہے جو خدا کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش نفسانی کی پیروی اختیار کرے"

پس ظاہر ہے کہ اس موقع پر کہ توریت (جسکی عبارت فصیح نہیں بلکہ عام طور کی ہے) اور قرآن کے سچے اور جھوٹے ہونے کی بحث تھی اُسکو چھوڑ کر اپنے اثبات دعوے کے لیئے صرف قرآن کی فصاحت و بلاغت میں معارضہ کا طالب ہونا بے محل اور اُس معجزانہ بلاغت کے مقتضا کے خلاف تھا جو اُس کلام پاک کا خاصہ ہے - اور کسی ایسی جاہل اور نامہذب اور ناتربیت یافتہ قوم کا جیسی کہ قوم عرب تھی قرآن مجید کے اعلی سے اعلی درجہ کے حکیمانہ اور پُر از دقایق معارف مضامین کے مقابلہ میں اُسکے ایک سورہ کی مانند بھی نہ لاسکنا اُس کلام معجز کے لیئے باعث فخر و مباہات نہیں ہوسکتا - کیونکہ بقول جناب سید " جبکہ ایسی قوم کے ایسے خیالات ہونے ممکن ہی نتھے جیسے کہ قرآن میں ہیں" تو اُسکا قرآن مجید کے مقابلہ میں اُسکے ایک سورہ کے مانند بھی نہ لاسکنا کوئی بڑی بات نتھی -

حقیقت یہہ ہے کہ مخاطبین اوّل قرآن مشرکین مکہ اور اَور اہل عرب تھے جو ایک لٹیری - چور - قزاق - خانہ بدوش اور ایسی قوم تھی کہ جسمیں ذرا ذراسی باتوں پر ہمیشہ خونریزیاں رہتی تھیں - مثلا وہ لڑائی جو اشعار عرب میں

حرب بسوس کے نام سے مشہور ہے - اور جو چالیس برس تک رہی تھی - اور ابتدا سے آخر تک ستر ہزار آدمی مارا گیا تھا اُسکی بنیاد صرف یہہ تھی کہ بسوس نامے ایک عورت کے ایک مہمان کی اونٹنی ایک شخص کی چراگاہ میں جو بنی بکر میں سے تھا چلی گئی تھی اسنے اُسکے تھن کاٹ ڈالے عورت نے اپنے بھانجے کے پاس جو بنی تغلب میں سے تھا اس بیعزتی اور ظلم کی جو اُسکے مہمان پر ہوا فریاد کی - اور اُسنے چراگاہ والے کو جاکر مارڈالا - مقتول کے بھائیوں نے خونخواہی کی ٹھانی - اور اوّل بنی بکر اور بنی تغلب میں لڑائی شروع ہوکر پھر رفتہ رفتہ تمام قبیلوں میں پھیل گئی [۱]

اسی طرح ایک دوسری لڑائی جو حرب داحس کے نام سے مشہور ہے اور جو ترسیٹھ برس تک رہی تھی اُسکا سبب بھی صرف اتنی بات تھی کہ داحس نامے ایک گھوڑا گھڑدوڑ میں آگے بڑھا چاہتا تھا - ایک شخص نے بڑھکر اُسے بدکا دیا اور اس بات پر وہ رن پڑے کہ قبیلے کے قبیلے پامال ہوگئے - کینہ و قساوت کا یہہ حال تھا کہ عورتیں اپنے زخمی اور مقتول دشمنوں کا کلیجہ نکالکر دانتوں سے چباتیں اور ناک - کان اور مذاکیر کاٹ کر اور تاگے میں پرو کر ہار اور پہنچیوں کی طرح گلے اور ہاتھوں میں پہنتی تھیں - چوری اور قزاقی میں یہانتک ناموری حاصل کی تھی کہ غیر قوموں نے سارسین (سارقین کا مُحرّف ہے) خطاب دے رکھا تھا - بیرحمی، سنگدلی نہیے

---

[۱] اس لڑائی کی وجہ جسطرح پر کتاب سنین الاسلام میں بیان کی گئی ہے صحیح نہیں ہے - صحیح یہہ ہے جو ہمنے تاریخ ابن اثیر اور تاریخ ابو الفدا سے نقل کیا ہے - ۱۲ - مؤلف

ننھے معصوم اور شیر خوار بچوں کا زندہ زمین میں گاڑکر مارڈالنا یا بتوں پہ قربانی چڑہا دینا یہہ تو گویا اُنکی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ حرامکاری اور بیحیائی و بے شرمی کی یہہ نوبت تھی کہ کنواری اور بیاہی عورتیں زنا کو فخر سمجھتی تھیں۔ اور جسطرح مرد کسی نامی عورت یا مشہور خاندان کی عورت سے زنا کرنا فخر کے طور پر بیان کرتا تھا اسیطرح عورتیں کسی نامی مرد یا مشہور خاندان کے مرد سے زنا کرنا فخریہ بیان کرتی تھیں۔ اکثر مفلس عورتیں اور مرد مادر زاد برہنہ کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ باپ کے مرنیکے بعد بیٹا ورثہ کے طور پر اپنی سوتیلی ماؤں پر جبراً متصرف ہوجاتا اور گھر میں ڈال لیتا تھا۔ بن ماں باپ کے بچوں کا مال کھالینے میں ذرا بھی تامل نکرتے تھے۔ اور حق ہمسائگی تو کوئی چیز ہی نتھا جسکا پاس و لحاظ کرتے۔ بجز شراب خواری و قمار بازی اور بت پرستی کے کچھ کام نتھا۔ گھر گھر بت پجتے تھے اور قبیلہ قبیلہ کا خدا جدا تھا۔ قوم کی قوم جاہل تھی اور دنیا کی قوموں سے ایسی بے تعلق اور کونے میں پڑی ہوی تھی کہ تعلیم و تربیت کی پرچھائیں تک اسپر نہ پڑی تھی۔ اور ایک غیر معلوم زمانہ سے ایسی سرشار جہالت و ضلالت میں ڈوبی ہوئی تھی کہ مبدأ و معاد کی خبر ہی نتھی۔ انسان کی ہستی کا مآل صرف یہہ سمجھے ہوئے تھی کہ جینا مرنا جو کچھ ہے اسی دنیا میں ہے۔ اسکے بعد کچھ نہیں۔ جب وقت پورا ہوجاتا ہے مرجاتے ہیں۔ مارنے جلانے والا کوئی نہیں۔ چنانچہ انہیں کے حال سے خدا نے قرآن مجید میں خبر دی ہے کہ "قَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ"* مگر یہہ

اِن لوگوں نے اپنی زبان کو ایسی ترقی دی تھی۔ اور "فصاحت و بلاغت" میں وہ کمال بہم پہنچایا تھا۔ کہ ایک ایک فصیح صاحب تقریر جو خطیب کہلاتا تھا۔ قبیلوں کے قبیلوں کو فقط اپنے کلام کے زور سے جس ارادہ سے چاہتا روک لیتا اور جدھر چاہتا جھونک دیتا تھا۔ اشراف خاندانوں کے بچے لطفِ زبان طوطی اور بلبل ہزار داستان کی طرح گویا اپنے ساتھ لیکر پیدا ہوتے تھے۔ مکہ معظمہ کے پاس بمقام عکاظ جو ہرسویں دن میلہ لگتا تھا اور تمام عرب کے لوگ آنکر جمع ہوتے تھے۔ اسمیں شعرا اپنے قصیدے اور اشعار پڑھتے تھے۔ اور جو قصیدہ پسند ہوتا تھا تمام میلہ میں اسکی دھوم پڑ جاتی تھی اور ہرن۔ بکری یا اونٹ کی جھلی یا ریشمی کپڑے پر سنہری حرفوں میں نقش و نگار ہو کر کعبہ کی دیوار پر آویزاں کیا جاتا اور مذہبہ یا معلقہ کہلاتا تھا۔ چنانچہ سبعہ معلقہ جو عربی کے نہایت مشہور و معروف سات قصیدے ہیں انہیں میں سے ہیں۔ اور کعبہ کی دیوار پر قصیدہ کا آویزاں ہونا بڑا ہی موجب فخر سمجھا جاتا تھا۔ یہانتک کہ مصنف کے پاس قبیلوں سے مبارکباد کے خط آتے تھے۔ الغرض انکا سرمایۂ ناز ہی انکی ایک زبان تھی جسپر وہ نہایت ہی اتراتے اور اپنے مقابلہ میں تمام دنیا کے لوگوں کو گونگا اور بے زبان یعنی (عجم) بتلاتے تھے۔ پس جب خدا نے اپنے نہایت فضل و کرم سے ان لوگوں کی ذلیل و زبون حالت پر رحم کھا کر خود انہیں میں سے ایک شخص کو (دل و جانم فدائے نامش باد) انکی تعلیم و ہدایت کے لیے کھڑا کیا۔ اور اپنے کلام پاک کی روشنی اسکے قلبِ منور پر ڈالی۔ تو مقتضائے وقت کے لحاظ

سے ضرور تھا کہ وہ کلام جو نہ صرف قوم عرب بلکہ تمام قوموں کی ہدایت اور
تعلیم کے لیئے نازل ہوا تھا اپنی معنوی خوبیوں اور روحانی برکتوں کے
علاوہ لفظی لطافتوں اور ظاہری کمالوں سے بھی ایسا مملو و معمور ہو کہ اُسکی
مثل کہہ لینا ناممکن ہو۔ تاکہ وہ قوم جاہل جو نکات و دقایق علم مبداء و معاد
سے بالکل ناواقف و بیخبر اور صرف کلام کی ظاہری خوبی یعنی "فصاحت و بلاغت"
ہی کو ایک بڑی چیز سمجھے ہوئے تھی اُسکے معارضہ سے عاجز ہو کر اُسکو کلامِ
الٰہی جانے اور ایمان لائے۔ چنانچہ یہی سبب تھا کہ جب کافروں نے
اُس کلام پاک کے من اللہ ہونے میں شک کیا۔ اور کبھی جادو۔ اور کبھی
کچھ۔ اور کبھی کچھ بتایا۔ تو خُدا نے بطور حُجّت اور دلیل صداقت اپنے رسولؐ
کے اُسی چیز میں اُنسے معارضہ چاہا جسکا اُنکو بڑا گھمنڈ تھا۔ اور نہ صرف
ایکدفعہ بلکہ کئی دفعہ اور کئی موقعوں پر فرمایا کہ "اگر قرآن کے من اللہ ہونے
میں شک ہے۔ اور اپنی بات میں سچّے ہو۔ تو اُسکے ایک ٹکڑے
ہی کی مانند لاؤ۔ اور اپنے حمایتیوں کو بھی بُلالو" اور فرمایا کہ "پھر اگر
تُم نکرسکے" اور پھر بطور یقین کے فرمایا کہ "کبھی نکرسکوگے تو بچو اُس
اگ سے جسکا ایندھن بت پرست آدمی اور وہ پتھر ہیں جنکو وہ اپنا خدا
بناکر پُوجتے ہیں اور وہ طیار ہے کافروں کے لیئے" پس حق یہہ ہے کہ
قرآن مجید جیسا بلحاظ اپنے بے نظیر ہادی ہونیکے بےمثل و بے مانند ہے
ویسا ہی باعتبار اپنی "فصاحت و بلاغت" کے بھی بے نظیر و بےعدیل اور
خارج از طاقت بشری ہے۔ علی الخصوص اُس حالت میں جبکہ ان

دونوں پہلوؤں پر بالاشتمال غور - اور اس شخص کے علوم ظاہری سے
بالکل ناواقف اور اُمّی ہونے پر لحاظ کیا جائے جسکی زبان پاک سے
وہ نکلا ہے - جیسا کہ انشاء اللہ تعالےٰ ہم اپنی اس کتاب میں ثابت کرینگے
ومن اللہ التوفیق -

اَب پہلے ہم قرآن مجید کی معنوی خوبیوں اور باطنی کمالوں کا
بیان کرتے ہیں - اور دکھاتے ہیں کہ اُس کلام پاک نے بنی آدم کی
روحانی اور اخلاقی تعلیم و تربیت اور اصلاح و ترقی تمدّن کے باب میں
کیا ربّانی کرشمے دکھائے اور کیسے دائم الاثر حقانی نتیجے پیدا کیے - جو اس امر
کے ثابت کرنے کو کافی ہیں کہ جس کلام کے وہ نتیجے ہیں وہ بیشک و
شبہ کلام آلہی ہے - اور ممکن نہیں ہے کہ بغیر تائید وحی و الہام کے
انسان ایسا کلام کر سکے کہ جسکے نتیجے ایسے عظیم الشان اور دائم الاثر ہوں -
پس واضح ہو کہ جس زمانہ میں جناب ختم الانبیا علیہ التحیّۃ والثنا پر قرآن مجید
نازل ہوا - دُنیا ایک عجیب روحانی سکتہ میں مبتلا تھی - توحید ذات و صفاتِ
باری اور خالص خدا پرستی کو تقریباً تمام لوگ بھوُلے ہوئے تھے - اور طرح
طرح کے فاسد عقیدے اور غلط رائیں - اور باطل پرستشیں - اختیار
کر رکھی تھیں - کوئی خدائے واحد کی جگہہ دو مقابل وجود نور و ظلمت یا
یزدان و اہرمن کو قائم کر کے نیکی و بدی کے اختیار کو اُن میں تقسیم کرتا
تھا ! کوئی چاند - سورج وغیرہ ستاروں کے نور و ضیا کا فریفتہ تھا ! اور
نورِ خدا - بلکہ خدا سمجھکر اُنکے آگے سر جھکاتا تھا ! کوئی آتش پرستی میں سرگرم

تھا اور آگ کو معبود حقیقی سمجھکر اُس سے لو لگائے ہوئے تھا - کوئی بڑے
اور سفید دریاؤں اور جھیلوں کی محبّت اور عقیدت میں ڈوبا ہوا تھا - اور سمجھتا
تھا کہ میری کشتی کا پار لگانا انہیں کے ہاتھ ہے - کسی کی عقل پر یہہ پتھر
پڑے تھے کہ گھڑے ہوئے اور اَن گھڑ پتھروں کو خدا سمجھتا - اور دُنیا
و آخرت کے فائدہ کی توقع سے اُنکے آگے اپنا ماتھا پھوڑتا تھا - کوئی نیچر
یعنی طبیعت ہی کو خالقِ اشیا سمجھتا - اور خالقِ نیچر سے بیخبر اور اُسکا منکر تھا -
کوئی مادّہ کو ازلی و ابدی اور کائنات کی علت موجبہ جانتا - اور خالقِ کائنات
کے بذاتہٖ منشاے ذوات ہونے کو کسی صورت سے نہیں مانتا تھا - بعض
قومیں جو خدا پرستی کا دم بھرتی اور اپنے کو خالص خدا کا بندہ بتاتی تھیں - اُنکی
حالت سب سے زیادہ خراب تھی - چنانچہ یہودی جنکا بار بار مرتد اور بت پرست
ہو جانا گویا خاصۂ طبعی تھا - اور اس وجہ سے اُن سے یہہ توقع نہیں کیجا سکتی تھی
کہ صحبت و اختلاط کی حالت میں ناخدا پرست قوموں کے خیالات و اعتقادات
کا اثر اُن پر نہو - متواتر انقلابات کی وجہ سے جو اپنا وطن چھوڑنے اور غیر ملکوں
میں جا کر پناہ لینے پر مجبور ہوئے - تو اگرچہ جہاں گئے اپنا طبعی حسد و فسادِ
قلبی اور کبر و غرورِ مذہبی جسکے وہ ایکطرح مستحق نتھے ساتھ لیتے گئے -
مگر غیر قوموں کے مذہبی خیالات و اعتقادات سے مُتاثر ہونیسے نبچ سکے
- چنانچہ جو لوگ اُن میں سے باوقات مختلفہ عرب میں آکر آباد ہوئے عربوں
کی ذلیل بُت پرستی اور سخیف اعتقادات نے (جو سیلاب کی طرح ہر سمت سے
موجیں مارتے کعبہ کی دیواروں سے آکر ٹکراتے تھے) اُنپر ایسا اثر کیا کہ

بہت کچھ مشرکین مکہ کی ہمخیالی کا دم بھرنے لگے۔ اور اس خیال کرنے کی معقول وجہ ہے کہ کعبہ کی دیواروں پر جو تصویریں بنی ہوئی تھیں اور جنکو مشرکین مکہ فرشتوں اور حضرت اِبراھیم و اِسماعیل وغیرہ پیغمبروں کی تصویریں* سمجھتے تھے۔ اور جو فتح مکہ کے روز حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے مٹا دی گئیں وہ انہیں کی بنائی ہوئی تھیں۔ چنانچہ فاضل محقق مسٹر گاڈفرے ھیگنس اپنی کتاب اپالوجی فار محمدؐ کے فقرہ (۴۳) میں لکھتے ہیں کہ "بعض مصنفوں نے کہا ہے کہ اس عبادت گاہ (کعبہ) کو اسمٰعیل نے بنایا تھا۔ جو مکہ میں رہتا تھا۔ اور ابراہیمؑ کی مورت سب سے زیادہ مشہور تھی۔ اور نوحؑ اور موسیٰؑ کی بھی مورتیں موجود تھیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنیاد ان تصاویر کی مذہب یہود تھا" اور بعید نہیں کہ خدا نے جو سورہ نسا میں بعض علمائے یہود کے حق میں فرمایا ہے "اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْکِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ" جبت وطاغوت سے یہی تصویریں مُراد ہوں۔ اور اگرچہ سلطنت اِس قوم کے ہاتھ سے جاتی رہی تھی۔ اور نہایت خوار و ذلیل ہو گئے تھے۔ مگر ابتک نہایت سختی کے ساتھ اپنے مغرورانہ مذہبی حقوق کی خیالی صورت پر قائم تھے۔ اور اُنکے علما گویا الوہیت کا دعویٰ کرتے تھے۔ عیسائیونکے بھی اصل اعتقاد (توحید) میں فرق آگیا تھا۔ اور خدا کو چھوڑکر خود حضرت عیسیٰؑ

---

* دیکھو تاریخ ابن ہشام مطبوعہ لندن ۱۸۶۷ء صفحہ (۸۲۱) و جلد اوّل تاریخ ابوالفدا صفحہ (۱۲۵) مطبوعہ قسطنطنیہ اور جلد اوّل کتاب دویم ناسخ التواریخ صفحہ (۳۰۶) مطبوعہ طہران۔ مؤلف عفی عنہ

کو خدا اور خدا کا بیٹا وغیرہ سمجھتے تھے اور بہت سے فرقے پیدا ہو گئے تھے۔ چنانچہ کوئی تو آپ کو پورا خدا سمجھتا تھا! کوئی خدا سے مشابہ تر اور ابن اللہ سمجھتا اور یہہ کہتا تھا کہ خدا نے خفیف سا شایبہ جسمانیت یکواہ غرض سے عطا کیا تھا کہ انسان خاکی بنیان کو نظر آسکیں! کوئی کہتا تھا بیٹے کے ساتھ باپ بھی مصلوب ہو گیا! کسی کا اعتقاد تھا کہ مسیح کی بشریت والوہیت باہم ملکر ایک حقیقت واحدہ ہو گئی! کسیکا قول تھا کہ اگرچہ مسیح کی ماہیتیں دو تھیں! مگر اُن سے ارادہ ایک ہی ظاہر ہوتا تھا' وغیرہ وغیرہ چنانچہ گبن اپنی مشہور تاریخ زوال سلطنت روم میں لکھتا ہے کہ "بت پرستی کے فنا ہو جانیکے بعد عیسائی لوگ زہد وتقوے کو اپنا شعار گردان کر رہبانیت پر قناعت کرتے۔ مگر اُن میں تخم نفاق بو چکا تھا۔ اور اُنکو یہی فکر رہتی تھی کہ اپنے پیغمبر کی ماہیت کو دریافت کریں۔ نہ یہہ کہ اُسکے احکام پر عمل کریں" ✱ عیسائیوں کے باہم جو جھگڑے اور جنگ وجدال اور خون ریزیاں ہوئیں اور جس قبیح و مکروہ زبان میں وہ اپنے پیغمبر اور اُنکی والدہ کی الوہیت پر مباحثے کرتے اور ایک دوسرے کو لعنت ملامت کرتے تھے۔ اُنکا مشروحاً بیان کرنا خالی از کراہت نہیں۔ اسلئے ہم صرف ایک مشہور عیسائی فاضل مسٹر جان ڈیون پورٹ صاحب کا قول بجنسہ نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ "اِس زمانہ یعنی زمانہ ظہور اسلام میں مذہب عیسائی سے زیادہ کوئی

✱ دیکھو جلد (۴) باب (۴۸) صفحہ (۳۳۸) تاریخ زوال سلطنت روم مصنفہ اڈورڈ گبن مطبوعہ ۱۸۵۵ء مؤلف عفی عنہ

چیز بالتصریح خراب تھی۔ وہ دونوں شاخیں مذہب عیسائی کی جو ملک ایشیا و افریقا میں پھیل گئی تھیں۔ اُنہوں نے طرح طرح کی بدعتیں اور بد اعتقادیاں اختیار کر لی تھیں۔ اور ہمیشہ باہمی مباحثوں اور مناقشوں میں مصروف رہتی تھیں۔ اور ایرین۔ نسطورین۔ سبیلین اور یوٹیوچاین[۵۱] مذہب والوں کی تکراروں سے نہایت دق تھیں۔ اُنکے پادریوں کی بے اعتدالی اور عہدوں کی فروخت اور جہالت نے مذہب عیسائی کو بڑا دھبّہ لگایا تھا۔ اور عیسائی لوگوں کو نہایت بدروبیہ کر دیا تھا۔ عرب کے جنگلوں میں جاہل اور شوریدہ مغز راہب بکثرت تھے جو بیہودہ تخیّلات میں دماغ سوزی کر کے اپنی اوقات خراب کیا کرتے تھے۔ اور اکثر اُن کے غول کے غول شہر میں آکر اہل شہر کو اپنے توہمات تلوار کے ذریعہ سے سکھایا اور منوایا کرتے تھے۔ نہایت ذلیل بت پرستی نے اُس سادی پرستش کی جگہہ چھین لی تھی جسمیں حضرت عیسیٰ نے خدائے حکیم علی الاطلاق اور قادر مطلق۔ اور بیمثال و نفع رساں کی بندگی کا حکم کیا ہے۔ اُنہوں نے اپنے خیال میں ایک نیا اولیمپس[۵۲]

---

۵۱ یہہ عیسائیوں کے چار علحدہ علحدہ فرقوں کے نام ہیں جو اپنے بانیوں کے نام سے مشہور تھے۔ ۱۲ مؤلف عفی عنہ

۵۲ ملک یونان میں یہہ ایک مشہور و معروف پہاڑ ہے۔ قدیم بت پرست یونانی اسکے عظیم شان کی وجہ سے اسکو اپنے دیوتاؤں کا مسکن خیال کرتے تھے اور اُن کا یہہ اعتقاد تھا کہ اُنکا دیوتا جوو (جو جوپیٹر کا دوسرا نام ہے اور جسکو اہل ہند کے معتقدات کے لحاظ سے تمثیلاً راجہ اندر کہنا چاہیئے) اسپر بیٹھکر آسمان

قائم کرلیا تھا - اور انمیں اپنے مذہب کے ولیوں، شہیدوں - اور فرشتوں

کو آباد خیال کرتے تھے - جیساکہ بُت پرست اپنے دیوتاؤں سرِ الیمپس

کو آباد سمجھتے تھے - اس زمانہ میں ایسے عیسائی بھی تھے جو یوسف کی زوجہ

(مریم علیہا السلام) میں اُلوہیّت کی صفات قائم کرتے تھے - تبرّکوں

تصویروں اور مُورتوں کو نہایت خلوص کے ساتھ وہی لوگ پوجتے تھے

جنکو حضرت مسیح نے فرمایا تھا کہ "تُم اپنی دُعا صِرف زندہ خُدا سے کیا کرو"

اسکندریہ - حلب اور دمشق میں بھی مذہب عیسوی کا یہی حال ہو

رہا تھا - محمدؐ کے ظہور کے زمانہ میں اِن تمام لوگوں نے اپنے مذہبی

اُصُول کو چھوڑ دیا تھا - اور مسایل فروعی میں غیر متناہی جھگڑوں میں مصروف

رہتے تھے - عرب کے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کو معلوم ہوگیا تھا

کہ ہم اپنے اپنے مذہبوں کی بڑی اصل یعنی خدا تعالےٰ کی خالص پرستش بھول گئے

ہیں - اور شہور اعتقادی اور بدعتوں کے لحاظ سے اپنے بُت پرست

ہمعصروں کے مساوی ہیں *

* دیکھو ڈیون پوٹ صاحب کی کتاب اپالوجی فار محمدؐ اینڈ دی قران مطبوعہ

سنہ ۱۸۶۹ء شہر لندن صفحہ ۳-۴ - مؤلف عفی عنہ

کو گرجنے والے بادلوں سے پُر کرتا اور اپنے بجلی کے آتشیں تیروں کو اِدھر اُدھر

پھینکتا ہے اور اپنے محل میں (جسکو ولکن نے جو یونانیوں کے اعتقاد میں پاتال یعنی زیرِ زمین

کی آگ اور دھاتوں کا دیوتا تھا اُسکے لیئے بنایا تھا) دیوتاؤں کو جمع کرکے سبھا اور جگ

رچاتا اور ایک رتھ سے جو آسمانی محل کے دھاتی گنبد میں بنایا گیا تھا اور جسکے دروازہ پر نہایت

گاڑھے بادل کواڑوں کا کام دیتے تھے جب چاہتا ہی اس جہان کے اُسطرف چلا جاتا ہے - ماخوذ از انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا

مؤلف عفی عنہ

یہہ فاسد عقیدے اور نادرست رائیں اور باطل پرستشیں جنکا اوپر ذکر ہوا - اور جنہوں نے روحانی و اخلاقی دنیا پر اپنا نہایت گہرا سکہ بٹھایا ہوا تھا - اور جنمیں سے بعض کی تائید کے لیئے روم و فارس جیسی زبردست اور عظیم الشان سلطنتیں موجود تھیں - تھوڑی یا بہت اس ریگستان میں بھی پھیلی ہوئی تھیں جہاں انکا مٹانے والا اور انکی جگہہ خدائے واحد لاشریک کی ذات و صفات کی توحید اور خالص پرستش کا دوبارہ قائم کرنے والا پیدا ہوا - اور اس اعتبار سے عرب گویا ان سب ملکوں کی بیدینی کا نمونہ اور مجموعہ تھا جنکا ابھی ذکر ہوا - اور اسپر طرّہ وہ نہایت ناشائستہ اور ذلیل فسق و فجور اور اخلاقی اور تمدّنی خرابی تھی جسکے لیے وہ مشہور تھا چنانچہ ہم مجملاً اوپر بیان کر آئے ہیں کہ کسقدر خون خرابے وہاں رہتے تھے - قتل اولاد کس بیرحمی اور زور شور سے جاری تھا چوری اور لوٹ مار کس دھڑلّے سے ہوتی تھی - کینہ و قساوت کا جو بدترین خصائل انسانی سے ہیں کیا حال تھا عورتوں کے ساتھ کس درجہ بدسلوکی برتی جاتی تھی - حرامکاری و بیشرمی کس حد کو پہنچگئی تھی - یتیم بچّوں اور ہمسایوں کے حقوق کس طرح تلف کیئے جاتے تھے - شراب خواری اور قماربازی کی کیسی گرم بازاری تھی - جہالت و ضلالت کس مرتبہ چھائی ہوئی تھی * اور یہہ ایسے اسباب

* انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے محقق مولفین لکھتے ہیں کہ " جب آنحضرت نے نبوّت کا دعویٰ کیا تو اسوقت دنیا میں تین طرح کے لوگ موجود تھے - عیسائی - یہودی اور مشرک - مگر مذہب عیسوی کا اقرار ان لوگوں میں بھی جو اپنے تئیں عیسائی

تھے کہ جنکا بالطبع یہہ اقتضا تھا کہ پردۂ غیب سے ایک ہاتھ ربانی قوت قدرت
کے ساتھ پیدا ہو اور ان بدخیالیوں اور گمراہیوں پر جنہوں نے ایمان و
اخلاق کی گردن پر چھری پھیر رکھی تھی جھاڑو پھیر دے - کیونکہ بنی آدم
کی تاریخ پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب کبھی اس سخت خطاکار
اور نادان پتلے کی ضلالت و جہالت حد کے درجہ کو پہنچ گئی ہے تو خدا کی
رحمت کو ضرور جوش آیا ہے - اور اُسنے اسکی دستگیری کی ہے - اور خود
اسی کے ہمجنسوں میں سے کسی اپنے برگزیدہ شخص کو اسکی ہدایت کے
لیئے بھیجا ہے - چنانچہ اسی قسم کے اسباب تھے جو قیصر اگسٹس کے زمانہ
میں اُس پاک انسان کی بعثت کے باعث ہوئے تھے جسکو اُسکے دُنیا
سے اُٹھ جانے کے بعد لوگوں نے اپنی نادانی سے نعوذ باللہ خدا اور
خدا کا بیٹا قرار دے لیا - پس ایسے اسباب کی موجودگی میں جو اُن اسباب و
سے بدرجہا قوی و شدید تھے یہہ کیونکر ممکن تھا کہ بمقتضا اُسکی فیاضانہ اور رحیمانہ
عادت کے (جو اُسکی عین ذات ہے) خدا کی رحمت کو جنبش اور حرکت
نہوتی - اور وہ اپنے درماندہ و ناچار بندوں کو جہالت و ضلالت کے
تیرہ و تار بیابان میں آوارہ و سرگردان رہنے دیتا اور ہلاکت سے نہ بچاتا -

---

کہتے تھے ناقص تھا اور تقریباً ہر قسم کا کفر و الحاد جو انسان کے خیال میں آسکتا
ہے جزیرہ نمائے عرب میں جاری تھا - مشرکین کے عقائد مذہبی ایکدوسرے
سے بالکلیہ مختلف تھے اور کسی طرح متفق نہو سکتے تھے - اور اسلیئے ایک ایسی چیز
کی ضرورت تھی جو اس سے زیادہ سادہ اور مُعیّن اور با اصول ہو - ۱۲ مولف عفی عنہ

پس جسطرح ظلمت بالطبع نور کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اسی طرح انسان کی اس درماندہ و قابل رحم حالت نے خدا کی رحمت کو اپنی جانب کھینچ لیا اور زمانہ کی طبعی رفتار کے موافق وہ عظیم القدر رات آن پہنچی جسکی صبح کو مخلوق پرستی کی تاریکی کا خاتمہ اور اُس آفتاب جہانتاب کا طلوع مقدر تھا جسکا نام توحید ہے - اور خدا کے فرشتہ نے اُسکے پاک رسول کو جو رات کے سناٹے اور صبح کی خوش آیند خاموشی میں یکہ و تنہا کوہ حرا کی چوٹی پر اُس بیچون و بیچگون ذات کے تصور میں آنکھیں بند کیے پڑا تھا - نہایت محبت آمیز خطاب کے ساتھ پکارا "یَاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ - وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ - وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ - وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ - وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ - فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ - فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ - عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ" -
یعنی اے کپڑے میں لپٹ کر پڑنے والے اُٹھ - اور اپنی گمراہ قوم کو مخلوق پرستی و بد اعمالی کے نتیجوں سے جو اس دنیا سے گزرنیکے بعد پیش آنے والے ہیں ڈرا - اور بت پرستوں کے مقابلہ میں جو اپنے ناچیز بتوں کی بڑائی اور تعریفیں کرتے ہیں اپنے خدائے قادر مطلق کی عظمت و بزرگی ظاہر کر - اور پاکی اور پاکدامنی اختیار کر - اور شرک و بت پرستی کی نجاست و ناپاکی سے (جسمیں اُسکی قوم لتھڑ رہی تھی) اپنے کو بچا - اور اس سب سے بڑی نیکوی یعنی گمراہی و ضلالت سے چھڑانے اور نجات ابدی و حیات سرمدی کی سیدھی راہ دکھانے کا احسان لوگوں پر نہ رکھ تاکہ ہمارا لطف و احسان تجھپر اَور زیادہ ہو - اور اس مشکل کام میں جو تکلیفیں

اور اذیتیں تجکو پہنچیں انکو خالص اپنے خدا کے لیئے جھیل - اور یقین جان لے کہ جب صحرائے محشر میں خلایق کے حاضر ہونیکے لیئے بگل پھونکا جائیگا - (یعنی ارادۂ الہی کے موافق جسطرح پر کہ اُسنے قانون قدرت میں مقرر کیا ہوگا وقت موعود پر سب لوگ اوٹھینگے اور جمع ہو جائینگے) تو وہ دن خدا کے ساتھ کسی مخلوق کو شریک کرنے والوں اور جزا و سزا کے نہ ماننے والوں کے لیئے نہایت ہی مشکل ہوگا -

پس اس ندائے غیبی و صدائے قلبی[۵۲] کے سُنتے ہی وہ مُصلح بنی آدم پہاڑ سے اُترکر اپنی خفتہ بخت قوم کے پاس آیا - اور جہالت و ضلالت کی گہری

---

۵۱ بخاری اور مسلم نے بالاتفاق اُم المومنین عائشہ کی سند پر نزول وحی کی کیفیت یہہ بیان کی ہے کہ حارث بن ہشام نے آنحضرت سے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ پر وحی کیونکر آتی ہے - آپ نے فرمایا کہ کبھی گھنٹہ کی آواز کی طرح آتی ہے اور وہ مجھپر بہت سخت ہوتی ہے پھر مجھسے منقطع ہوجاتی ہے اور مینے یاد رکھا جو کہا - اور کبھی فرشتہ آدمی کی صورت میں مجھسے کلام کرتا ہے - پس میں یاد رکھتا ہوں جو کہتا ہے - مؤلف عفی عنہ

۵۲ مشہور و معروف جرمن فاضل پروفیسر مسٹر ملر صاحب فرماتے ہیں کہ "خدا وند برحق اپنے پیغمبروں کو خود پسند کرلیتا ہے اور اُن سے ایسی آواز سے کلام کرتا ہے جو صدائے رعد سے بھی زیادہ بلند و قوی ہے - یہہ وہی صدائے باطنی ہے جس سے خدا ہم سب سے کلام کرتا ہے ممکن ہے کہ وہ اتنی خفیف ہوجائے کہ اچھی طرح سنائی بھی نہ دے اور یہہ بھی ممکن ہے کہ اُسمیں سے ربانیّت و حقانیّت جاتی رہے اور انسانیت آجائے یعنی دنیاداروں کی زبان ہو جائے - اور یہہ بھی ممکن ہے کہ برگزیدگان الہی کو اُس صدا میں اُسکی کیفیت اصلی یعنی حقانیت محسوس ہو - اور اُنکے گوش حق نیوش میں وہ آواز الف غیب کی معلوم ہو" دیکھو کتاب تنقید الکلام فی احوال شارع الاسلام مصنفہ سید امیر علی صاحب سی آئی ای - ایم اے بیرسٹر ایٹ لا - باب دوئم - صفحہ (۴۷) مؤلف عفی عنہ

نیند سے جگانا شروع کیا۔ تاکہ اس آفتاب حقیقت کو جو ابھی طلوع ہوا تھا
آنکھیں کھولکر دیکھیں۔ اور اسکی عالم افروز روشنی میں اپنے امور معاد و معاش
کی اصلاح کریں۔ پس فطرت انسانی کے مقتضا کے موافق کچھ تو اشارہ
پاتے ہی فوراً جاگ اُٹھے۔ اور کچھ ذرا دیر کے بعد چونکے۔ اور کچھ جھنجوڑنے
اور ہلانے جلانے کے بعد بیدار ہوے۔ اور کچھ خواب غفلت میں ایسے
ڈوبے کہ اپنے آرام میں خلل انداز سمجھکر اُسکے دشمن بنگئے۔ اور طرح طرح
کی تکلیف دہی اور بیہودہ بک بک جھک جھک سے اُس نور خدا کو
خاموش کرنا چاہا جو تمام عالم میں خدا کی توحید اور صلاح و سداد کی روشنی
پھیلانے آیا تھا۔ مگر اُس مجسم رحمت کے صبر و استقلال اور حلم و شفقت کا
کیا کہنا کہ اُن بے انتہا تکلیفوں اور اذیتوں کی جو خود انہیں لوگوں کے
ہاتھ سے پہنچتی تھیں جنکی دائمی بھلائی اُسکو منظور تھی۔ کبھی شکایت نہ کی۔ بلکہ ستم
کے بدلے کرم۔ اور جفا کے عوض دُعا کی۔ اور خدا پر (جو اپنی بات کو آپ
پورا کرنے والا ہے) توکّل کر کے شب و روز انکی نصیحت و ہدایت میں
مصروف رہا۔ تاآنکہ اُسکی زبان پاک کی الہی تاثیروں اور ربّانی برکتوں نے
یہہ حیرت انگیز نتیجہ پیدا کیا کہ باوجود قوم کی بیحد مزاحمتوں اور ظلموں اور
دل آزاریوں اور انکار و اصرار کے صرف تیئس ۲۳ برس کے محدود عرصہ میں
وہی عرب جو باطل پرستی۔ بدکاری۔ بداخلاقی۔ اور طرح طرح کی برائیوں
کی گھٹا ٹوپ تاریکی میں صدیوں سے اِدھر اُدھر پڑا ٹکرا رہا تھا خالص ایمان باللہ
و مکارم اخلاق کی چکا چوند روشنی سے ایسا منور ہوگیا کہ اُسکی بدولت ایک جہان

نور وظلمت کو خدا سمجھنے کی تاریکی سے باہر نکل آیا۔ ستارہ پرستی کی چاٹ مٹ
جاتی رہی۔ آتشکدوں کی گرم بازاری پر اوس پڑ گئی اور آتش پرستی سے
طبیعتیں سرد ہوگئیں۔ دریاؤں اور جھیلوں کی عقیدت سے لوگ ہاتھ
دھو بیٹھے۔ بتخانوں میں خاک سی اڑنے لگی۔ طبیعت اور زمانہ کو خالق سمجھنے
کے پھیر سے دنیا چھوٹ گئی۔ انسان کو خدا یا خدا کے برابر سمجھنے کی برائی
کو لوگوں نے بخوبی سمجھ لیا۔ تثلیث کا طلسم ٹوٹ گیا۔ اور توحید مطلقہ و شریعت
حقہ پھر قائم ہوگئی۔ شرک و مخلوق پرستی کی نجاست سے دل پاک وصاف
ہوگئے۔ زہد و تقویٰ اور پاکی و پاکدامنی ہر شخص کا شعار ہوگئی۔ خدا کے گھر سے
بت نکالے گئے اور وہ سب سے پرانا اور مقدس مکان جو ایک بڈھے
خدا پرست اور اسکے نوجوان فرزند نے خاص خدا کی عبادت کے لیئے
بنایا تھا۔ پھر خالص خدا پرستی کے لیئے مخصوص ہوگیا۔ اور ہر گوشہ و ہر مقام سے
اسی مالک الملک کے نام پاک کی عظمت وجلالت اور تسبیح و تہلیل کی صدا آنے لگی
جسنے اپنی تعریف آپ یوں کی اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ
سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ
یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا
یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ یعنی خدا سے مستحق
عبادت صرف وہ ذات جامع جمیع صفات کمال ہے جسکا نام اللہ
ہے اور اسکے سوا کوئی چیز پرستش کے لایق نہیں۔ زندہ ہے یعنی

فنا و تغیر پذیر نہیں۔ ہمیشہ رہنے والا اور عالم کو اپنی قدرت سے تھام رکھنے والا ہے۔ نہیں پکڑتی اُسکو اُونگھ اور نہ نیند (کیونکہ شان قیومت کے خلاف ہے) اُسی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے۔ یعنی اُن میں اُسکو ہر طرح کے تصرف کا اختیار ہے۔ کون ایسا ہے؟ جو اُسکی مرضی کے بغیر اُسکے پاس شفاعت کر سکے یعنی کوئی نہیں اور مشرکوں کا یہہ گمان کہ اُن کے بت اُنکی شفاعت کرینگے غلط ہے۔ جانتا ہے جو کچھ اُن کے آگے ہے۔ اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہے یعنی جو کچھ کہ گزر گیا اور گزر رہا ہے۔ اور جو کچھ آیندہ دُنیا یا آخرت میں ہونیوالا ہے سب اُسکو معلوم ہے۔ اور وہ نہیں پا سکتے کچھ بھی اُسکے علم سے بجز اُسکے جو وہ چاہے۔ یعنی معلومات الٰہی میں سے انسان کسی چیز کو بھی نہیں پا سکتا بغیر اسکے کہ وہ خود ہی بتائے۔ اُسکا علم یا اُسکی بادشاہت آسمانوں اور زمین پر محیط ہے۔ اور تھکاتی نہیں اُسکو اُنکی نگہبانی۔ اور وہ بلند تر ہے۔ یعنی اشباہ و امثال اور اضداد و انداد۔ اور نقص و حدوث کی نشانیوں سے بالاتر ہے۔ اور بڑی شان اور بڑی قدرت والا"

سُبحان اللہ چند مختصر لفظوں میں کس خوبی اور عمدگی سے اپنی ذات و صفاتِ ثبوتیہ و سلبیہ کا بیان کیا ہے کہ ایک ایک لفظ سے گوناگوں فاسد عقیدے رد ہوتے ہیں۔ اور ایک سیدھی اور صاف راہ معرفت ذات و صفات الٰہی کی انسان پر کھل جاتی ہے۔ اور اُس ذات پاک کی عظمت و جلالت اور قدرت و سطوت اور تقدیس و تمجید کا ایک ایسا نقش

دل پر بیٹھ جاتا ہے۔ کہ جس سے زیادہ ممکن نہیں۔

اس غرض سے کہ یہہ جو کچھ ہمنے بیان کیا ہے اسکو کوئی مبالغہ نہ سمجھے اسکے ثبوت میں ہم ایک ایسے عیسائی فاضل کا قول نقل کرتے ہیں جو اپنی اعلی علمی لیاقتوں اور تحقیق حق کے لیئے مشہور ہے۔ یعنی مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب ایم۔ اے سلمہ اللہ تعالے۔ صاحب موصوف اپنی کتاب محمد اینڈ محمدن ازم میں لکھتے ہیں کہ "محمد کا بیان جو درباب وحدانیت خدا اور اس امر کے کہ وہ انسان کے ہر ایک چھوٹے بڑے فعل پر مختار ہے ہرف کسی پہلے مذہب سے چرا ہوا نہ تھا۔ یہودی علی العموم اپنے بہترین زمانہ میں بھی خدا کے سوا اور دیوتاؤں کی پرستش میں وحشت کے ساتھ مصروف ہو گئے تھے۔ اور آخر کار قید کالوٹا انکی روحوں میں داخل ہو گیا تھا انہوں نے اپنے مشرقی ملکوں کے قیام کے زمانہ میں بہت کچھ سیکھ لیا۔ مگر اس سے زیادہ بھول گئے۔ وہاں آکر وہ بت پرستی ہمیشہ کے لیئے بھول گئے۔ لیکن گو انہوں نے اس وقت کے بعد پھر دیوتاؤں کی پوجا نہیں کی۔ مگر اپنے انبیا کی اعلی درجہ کی تعلیم سے وہ پھر بھی بہت غافل تھے۔ اور جو وقت کہ انکے انتہا درجہ کے عروج کا ہوا ہوتا وہ اس سب سے بڑے کشت وخون کے ساتھ ختم ہو گیا جو انکے زوال سے تھوڑے ہی دنوں پہلے وقوع میں آیا تھا۔ عصا سلطنت یہودا کے ہاتھ سے نکل گیا تھا لیکن جلاوطن شدہ یہودی ابتک ملک عرب میں نہایت سختی کے ساتھ اپنے مغرورانہ مذہبی حقوق کی خیالی صورت

پر قائم تھے - حالانکہ جس بات نے انکو یہہ استحقاق دیا تھا اب اسکا نام و
نشان بھی نرہا تھا - عیسائی بھی (میری مراد ایسے عیسائیوں سے ہے
جنسے ملنے کا محمدؐ کو اتفاق ہوا*) یہودیوں کا مذہب اور وہ اعلےٰ درجہ
کے الہامات خدا جو حضرت عیسیٰ نے انکو پہنچائے تھے - اور جنکو یہودیوں
نے قبول کیا تھا - بھول چکے تھے - ہوموشی نیس - مانو تھی لائٹس
ماتونی سٹس - جیکوبیٹس فرقوں کے عیسائی نہایت سختی کے ساتھ
ایسی باتوں میں مذہبی قاعدے بنا رہے تھے جنمیں ہمارے مبارک پیشواؤں
نے کوئی بھی قاعدہ یا اصول نہیں بنایا - وہ نہایت شدت کے ساتھ ایسے
مباحثوں میں مصروف تھے مثلاً یہہ کہ جو بات علم ریاضی کی رو سے غلط ہے
وہ علم مابعد الطبعیت کی رو سے صحیح ہو سکتی ہے ! اور عجیب طور سے ایسی
باتوں میں سچ یا جھوٹ کا لگاؤ لگا لیتے تھے جو انکو اس غرض سے بتائی
گئی تھیں کہ آپس کی پھوٹ سے متفرق کر دینے والی گہری جھیلیں انمیں نہ رہے
وہ جھوٹ کو حقیقت - فصاحت و بلاغت کو منطق - اور نظم کو نثر بتاتے تھے
زبان سے تو خدا خدا نہایت چلا چلا کر کہتے تھے - مگر دلمیں وحدانیت خدا

* یہہ تخصیص بے وجہ ہے کیونکہ تثلیث اور حضرت مسیح کی الوہیت اور اس بیہودہ مسئلہ کے
کہ پادری کے دعا پڑھکر دم کر دینے سے روٹی اور شراب مجازاً نہیں بلکہ حقیقتاً حضرت مسیح
کا گوشت اور خون ہو جاتی ہے جسکے کھانے سے گنہگاروں کے سب گناہ بخشدیئے
جاتے ہیں اس زمانہ کے سب ہی عیسائی معتقد تھے - اور رومن کیتھلک اور چرچ یونان
کے گرجاؤں میں تو ابتک حضرت مسیح و حضرت مریم - اور پطرس اور پولوس حواریوں اور اور ولیوں
اور شہیدوں کی تصویریں اور مورتیں سجتی ہیں اور روٹی اور شراب کی قلب ماہیت کے مسئلہ کے لوگ بڑی شدت سے معتقد ہیں
مولف عفی عنہ

کو بھلا چکے تھے - حضرت عیسیٰ کی نسبت وہ تمام معاملات میں سوائے کسی ایسی
بات کے جو انکی طرح کی زندگی بسر کرنے کی ہدایت کرے بحث کرتے تھے -
پس محمدؐ اسلیئے آئے کہ ان تمام باطل باتوں پر جھاڑو پھیر دیں - بت وہ کیا؟
زیتون کی لکڑی کے ٹکڑے جو خدا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں! فلسفیانہ
خیالات اور مذہب مکڑی کا تنا ہوا جال! ان سب کو دور کرو - اللہ سب سے
بڑا ہے - اور اسکے سوا اور کوئی شے بڑی نہیں ہے - یہی مسلمانوں کا
مذہب ہے - اسلام - یعنی انسان کو چاہیئے کہ خدا کی مرضی پر توکّل کرے -
اور ایسا کرنے میں نہایت خوش ہو - یہی مسلمانوں کا طرز زندگی ہے - ایک
معترض یہہ سوال کر سکتا ہے کہ ان دونوں اصولوں میں جو اوپر بیان ہوئے ہیں
کون سی بات ایسی ہے جسکو یہہ کہا جائے کہ وہ نئی تھی یا محمدؐ ہی کو سوجھی تھی
بیشک کچھ نیا نہ تھا - بلکہ یہہ باتیں ایسی پرانی تھیں جیسا کہ موسیٰؑ کا زمانہ - بلکہ
فی الحقیقت ایسی پرانی جیسے کہ خود ابراھیمؑ - بار بار محمدؐ نے نہایت سنجیدگی
سے جتلایا ہے کہ "میں عربوں کے لیئے کوئی نئی بات لیکر مبعوث نہیں ہوا
بلکہ صرف شریعت ابراھیمی کو دوبارہ زندہ کرنیکے لیئے آیا ہوں جو ہمیشہ یہاں
موجود تھی - مگر اسکو سب لوگ بھول گئے یا اس سے غافل ہو گئے ہیں" قوم
سے علیحدہ اور غمگین و ناخوش یہودیوں - اور آپس میں لڑنے والے تین خدا
کے قائل عیسائیوں - اور ہر طرح کے مخلوق پرستوں میں ایک اونٹ
ہانکنے والا آیا - نہ اسلیئے کہ انکو کوئی نئی بات سکھائے - بلکہ اسلیئے کہ جو
پرانی شے وہ بھول گئے تھے انکو یاد دلائے - عرب کی زمین پر دو ہزار برس

پہلے ایک ایسے شخص (موسیٰ) کو جو جنگل میں اپنے باپ[۵۱] کی بکریاں چرا رہا تھا یہہ سادہ مگر چونکا دینے والا پیغام آیا تھا[۵۲] "میں وہ ہوں جو میں ہوں۔ سُن اے اسرائیل ہمارا مالک خدا ایک خدا ہے۔ پس جا اور میں تیری زبان کے ساتھ ہونگا اور سکھاؤنگا تجھے جو تجھکو کہنا چاہیئے[۵۳]" ان الفاظ کو سُنکر یہہ برگزیدہ قوم (بنی اسرائیل) افریقا سے ایشیا میں چلی گئی غلام آزاد ہو گئے اور ایک خاندان ایک قوم بنگیا۔ اُسی عرب کی زمین پر اب پھر وہی آواز ایک دوسرے بکریاں چرانے والے کو آئی۔ اور ایسے اثر کے ساتھ آئی جو پہلی آواز سے کچھ کم عجیب یا عام طور پر دنیا کو فائدہ پہنچانی میں اُس سے ہرگز کچھ کم نہ تھی۔ یعنی "اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰهِ" یہہ رسالت قبول کی گئی۔ اور خدا کے پیغام کا اعلان کیا گیا اور ایک ہی صدی کے اندر اِس آواز کی گونج عدن سے انطاکیہ[۵۴] تک اور سے ویل[۵۵] سے سمرقند تک پھیل گئی۔ اور اس تمام ملک

۵۱ انگریز خسر کو بھی باپ ہی لکھتے ہیں۔ مؤلف عفی عنہ

۵۲ چودھویں آیت۔ تیسرا باب کتاب خروج۔ مؤلف عفی عنہ

۵۳ بارھویں آیت۔ چوتھا باب کتاب خروج۔ مؤلف عفی عنہ

۵۴ انطاکیہ ملک شام میں ایک قدیم اور مشہور و معروف شہر تھا جو اب بالکل کھنڈر نظر آتا ہے۔ یہہ مدت دراز تک رومیوں کے قبضہ میں رہا۔ اور بہت سے دلچسپ تاریخی واقعات اس سے متعلق ہیں۔ مگر سلطنت رومانیہ کے زوال کے زمانہ میں جب مسلمان تمام ملک شام پر قابض ہو گئے تو اسپر بھی قبضہ کر لیا۔ مؤلف

۵۵ سے ویل ملک اسپین کے ایک صوبہ اور شہر کا نام ہے جسکو مسلمانوں نے ۷۱۲ء میں فتح کیا تھا۔ اور ۱۲۴۸ء تک اہل اسلام کے قبضہ میں رہا۔ مؤلف عفی عنہ

نے اسکی حقیت کو مان لیا۔" (انتہٰی قولہ سلمہ)

اب ناظرین کو چاہیئے کہ چند منٹ کے لیئے یہاں ٹھہر جائیں اور سوچیں کہ وہ کلامِ پاک جسکی معجزانہ اور حیرت انگیز تاثیروں نے مُردہ عرب کو اس طرح زندۂ جاوید کر دیا۔ اور وحشیوں کو مہذب اور جاہلوں کو عالم اور غافلوں کو عارف باللہ بنا دیا۔ اگر وحی و الہام نہ تھا تو کیا تھا؟ اور کیا یہہ ممکن تھا کہ بغیر تعلیم الٰہی و ہدایتِ ربانی اور وحی و الہام کے کوئی انسان خصوصاً ایک ایسا شخص جو اُمیِ محض ہو ایسا معجزانہ کلام کر سکے؟ اور کیا یہہ عیاذاً باللہ کسی تحریک نفسانی و وسوسۂ شیطانی اور مکر و فریب اور دھوکے اور افترا کا نتیجہ تھا؟ جو ایسے شخص سے سرزد ہوا جو ڈاکٹر سپرنگر صاحب جیسے متعصب عیسائی فاضل کے نزدیک بھی ایسا تھا کہ "جسکے خیال میں ہمیشہ خدا کا تصور رہتا تھا۔ اور جسکو نکلتے ہوئے آفتاب اور برستے ہوئے پانی اور اُگتی ہوئی روئیدگی میں خُدا ہی کا یدِ قدرت نظر آتا تھا۔ اور غرشِ رعد و آواز آب اور طیور کے نغمۂ حمد الٰہی میں خُدا ہی کی آواز سُنائی دیتی تھی۔ اور سنسان جنگلوں اور پُرانے شہروں کے کھنڈروں میں خُدا ہی کے قہر کے آثار دکھائی دیتے* تھے" اور جسکی سیرت مُبارک بقول کشیش مُعظم ریورینڈ جی۔ ایم۔ راڈویل صاحب۔ ایم۔ اے مترجم قرآن" ایک عجیب و غریب نمونہ ہے اُس قوت و حیات کا جو ایسے شخص میں ہوتی ہے

* دیکھو کتاب لائف آف محمد صفحہ (۸۹) مصنفہ ڈاکٹر اے سپرنگر صاحب مطبوعہ سنہ ۱۸۵۱ع مقام الہ آباد۔ ۱۲ مؤلف عفی عنہ

جسکو خدا اور عاقبت پر شدت کے ساتھ یقین ہوتا ہے - اور جو
اپنی ذات کریم اور سیرت صداقت شعون سے ہمیشہ اُن لوگوں میں شمار
کیا جائیگا جنکو اپنی بنی نوع کے ایمان و اخلاق اور تمام حیات دنیوی پر
ایسا اختیار کامل حاصل ہوتا ہے جو بجز حقیقت میں کسی نہایت اعلی درجہ
کے شخص کے کسی اور کو کبھی حاصل نہیں ہوا اور نہ ہو سکتا ہے -" *

مَیں اُمید کرتا ہوں کہ جسکو خدا نے تھوڑی سی بھی سمجھ دی ہے - اور
اُسکے قوائے عقلی تعصب اور طرفداری کے بوجھ میں دب نہیں گئے.
یقیناً اُسکا کانشنس گواہی دیگا کہ یہہ عجیب و غریب تاثیریں بے شبہ منجانب اللہ
اور وحی و الہام کی برکت سے تھیں اور اُنکا سرچشمہ وہی پاک اور قادر مطلق ہستی
تھی جسنے اپنے پاک کلام اور اپنے سچے رسول کی نسبت یہہ فرمایا "مَا يَنْطِقُ
عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى" یعنی یہہ نہ سمجھو کہ ہمارا پیغمبر اپنی
طبیعت سے باتیں بنا کر کہدیتا ہے - نہیں وہ اپنی خواہش نفسانی سے
کچھ نہیں کہتا - بلکہ وہی بات کہتا ہے جو وحی کے طور پر اُسکے دل میں
ڈالی جاتی ہے -

مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب کی مذکورہ بالا بے لوث شہادت کے
بعد اگرچہ اب کسی اور شہادت کے پیش کرنے کی احتیاج باقی نہیں رہی مگر
ناظرین کے مزید طمینان کے لیئے ہم دو شہادتیں اور پیش کرتے ہیں جو
اپنی قدر و قیمت میں اس سے کچھ کم نہیں ہیں - چنانچہ آنریبل سر ولیم میور صاحب

* دیکھو راڈویل صاحب کا دیباچہ ترجمہ قرآن صفحہ (۲۳) مطبوعہ سنہ ۱۸۶۱ع ۱۲ مؤلف عفی عنہ

جو اپنے علم و فضل اور تائید مذہب عیسوی کے لیئے مشہور ہیں اپنی کتاب
لائیف آف محمدؐ کی جلد دوئیم کے صفحہ ۲۶۹ - ۲۷۱ مطبوعہ ۱۸۶۱ء
میں ارقام فرماتے ہیں کہ " اگرچہ محمدؐ کے اوامر و احکام اسوقت تک
تھوڑے سے اور سادہ طور کے تھے جیساکہ بیان بالا سے ظاہر ہوتا ہے
مگر اُنہوں نے ایک تعجب انگیز اور عظیم الشان کام کیا - جب کہ دین مسیحی نے
دُنیا کو خواب غفلت سے بیدار کیا تھا - اور شرک و بُت پرستی سے جہاد عظیم کیا تھا
اُسوقت سے حیات روحانی کبھی ایسی برانگیختہ نہوئی تھی - اور نہ ایسا غلو کسی
مذہب میں ہوا تھا جیساکہ دین اسلام میں ہوا - اس دین کے پیروان خوش اعتقاد
نے کیسے کیسے نقصانات صرف اپنے ایمان کی خاطر اُٹھائے اور اُن نقصانات
کی تلافی میں مال غنیمت کس خوشی سے لے لیا - ایک زمانہ نامعلوم سے مکہ
اور تمام جزیرہ نمائے عرب کی روحانی حالت بالکل بے حس و حرکت ہوگئی تھی
اور اگرچہ شریعت موسوی اور دین مسیحی اور فلسفہ یونان کا کچھ اثر عرب پر ہوا تھا مگر
وہ ایسا ناپائدار اور خفیف تھا جیسے کسی جھیل کے پانی کے سطح پر کبھی کبھی کوئی لہر
آجاتی ہے - مگر پانی کے نیچے کہیں ذراسی بھی حرکت نہیں معلوم ہوتی -
الغرض عرب کے لوگ توہمات اور کفر و ضلالت اور بیرحمی و بداعمالی کے
دریا میں غرق تھے - چنانچہ یہہ عام رسم تھی کہ بڑا بیٹا اپنے باپ کی بیویوں
کو جو اور جائیداد کی مانند میراث میں آتیں بیاہ لیتا تھا - اُن کے غرور اور افلاس
سے دختر کشی کی رسم بھی اُن میں اُسی طرح جاری ہوگئی تھی جسطرح فی زماننا
ہندوؤں میں جاری ہے - انکا مذہب حد کے درجہ کی بُت پرستی تھا - اور

اُنکا ایمان ایک مُسبب الاسباب مالکِ علی الاطلاق پر نہ تھا۔ بلکہ غیر مرئی
ارواح کے توہم باطل کی ہیبت کا سا اُنکا ایمان تھا۔ اُنہیں کی رضامندی بناتے
تھے۔ اور اُنہیں کی ناراضی سے احتراز کرتے تھے۔ قیامت اور جزا و سزا
جو فعل یا ترک کا باعث ہو اسکی اُنہیں خبر ہی نہ تھی۔ ہجرت سے تیرہ برس
پہلے تو مکہ ایسی ذلیل حالت میں بے جان پڑا تھا مگر اُن تیرہ برسوں نے کیا ہی
اثر عظیم پیدا کیا۔ کہ سیکڑوں آدمیوں کی جماعت نے بُت پرستی چھوڑکر خدائے واحد
کی پرستش اختیار کی۔ اور اپنے اعتقاد کے موافق وحی الٰہی کی ہدایت کے
مطیع و منقاد ہو گئے۔ اُسی قادر مطلق سے بکثرت و بشدت دعا مانگتے۔
اُسی کی رحمت پر مغفرت کی اُمید رکھتے۔ اور حسنات و خیرات اور پاکدامنی اور
انصاف کرنے میں بڑی کوشش کرتے تھے۔ اب اُنہیں شب و روز اُسی
قادر مطلق کی قدرت کا خیال تھا۔ اور یہہ کہ وہی رزّاق ہمارے ادنیٰ حوائج کا بھی
خبر گیراں ہے۔ ہر ایک قدرتی اور طبعی عطیہ میں۔ ہر ایک امر متعلقۂ زندگانی میں۔
اور اپنے خلوت و جلوت کے ہر ایک حادثہ اور تغیر میں۔ اُسی کے یدِ قدرت
کو دیکھتے تھے۔ اور اس سے بڑھکر اس نئی روحانی حالت کو جسمیں خوشحال اور
حمد گُناں رہتے تھے۔ خدا کے فضل خاص و رحمت باختصاص کی علامت سمجھتے
تھے۔ اور اپنے کور باطن اہل شہر کے کفر کو خدا کے تقدیر کیئے ہوئے
خذلان کی نشانی جانتے تھے۔ محمدؐ کو جو اُنکی ساری اُمیدوں کے ماخذ
تھے اپنا حیات تازہ بخشنے والا سمجھتے تھے۔ اور اُنکی ایسی کامل طور پر اطاعت
کرتے تھے جو اُنکے رتبۂ عالی کے لائق تھی۔ ایسے تھوڑے ہی زمانہ میں مکہ

اس عجیب تاثیر سے دو حصوں میں منقسم ہوگیا تھا - جو بلحاظ قبیلہ و قوم ایک دوسرے کے درپئے مخالفت و ہلاکت تھے - مسلمانوں نے مصیبتوں کو تحمل و شکیبائی سے برداشت کیا - اور گو ایسا کرنا انکی ایک مصلحت تھی - مگر تو بھی ایسی عالی ہمتی کی بردباری سے وہ تعریف کے مستحق ہیں - ایک سو× مرد اور عورتوں نے اپنا گھر بار چھوڑا - لیکن ایمان عزیز سے ہاتھ نہ موڑا - اور جب تک کہ یہ طوفان مصیبت فرو ہوئے حبش کو ہجرت کر گئے - پھر اس تعداد سے بھی زیادہ آدمی کہ انمیں نبیؐ بھی شامل تھے اپنے عزیز شہر اور مقدس کعبہ کو جو انکی نظر میں تمام روئے زمین پر سب سے زیادہ مقدس تھا چھوڑ کر مدینہ کو ہجرت کر آئے - یہاں بھی اسی جادو بھری تاثیر نے دو یا تین برس کے عرصہ میں ان لوگوں کے واسطے ایک برادری جو نبیؐ اور مسلمانوں کی حمایت میں جان دینے کو مستعد ہوگئے طیار کر دی "

دوسرے شاہد ریورینڈ جی - ایم راڈویل صاحب ہیں جنہوں نے بڑی سرگرمی اور سعی موفور سے قرآن مجید کا ترجمہ بہ ترتیب نزول سُور کیا ہے - چنانچہ وہ اپنے ترجمہ کے دیباچہ میں قرآن مجید کی تعلیمات کی تاثیر کی نسبت جو قوم عرب پر ہوئی فرماتے ہیں کہ " عرب کے سیدھے سادے خانہ بدوش بدو ایسے بدل گئے جیسے کسی نے سحر کر دیا ہو " * پھر تھوڑا سا آگے چلکر فرماتے ہیں " بت پرستی کے مٹانے - جنات

× ایک روایت کی رو سے بیاسی اور ایک کی رو سے تراسی مرد اور سترہ عورتیں اور ایک چھوٹی لڑکی اور دو لڑکے تھے جو حبش کو گئے تھے - ۱۲ مولف عفی عنہ

اور مادیات کے شرک کی عوض اللہ کی عبادت قائم کرنے۔ اطفال کشی کی رسم کو نیست و نابود کرنے۔ بہت سے توہمات کو دور کرنے۔ اور ازدواج کی تعداد کو گھٹا کر اُسکی ایک حد معین کرنے میں قرآن بے شک عربوں کے لیے برکت اور قدوم رحمت تھا گو عیسائی مذاق پر وحی نہو* (انتہےٰ قولہ)

حق پسند ناظرین آپ نے قرآن مجید کے اعجاز کو دیکھا کہ انیسویں صدی کے کیسے بڑے بڑے فاضل اور محقق عیسائیوں سے اپنی معجزانہ تاثیرات و برکات کی نسبت کس زور شور سے اقرار حاصل کر رہا ہے اور وہ امر حق کے وضوح و ظہور سے مجبور ہو کر کیسی صاف اور بے لوث شہادتیں ادا کر رہے ہیں۔ چنانچہ کوئی تو اُسکے وحی و الہام ہونے کو صاف صاف ہی تسلیم کر رہا ہے۔ اور کوئی گو صریح و واضح طور پر اقرار کرنے سے بچاتا۔ اور اُسکی تاثیروں کی نسبت معجزانہ اور ربانی کہنے کی جگہہ "جادو بھری" کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ مگر جادو خود ایک ایسا امر ہے جسکی حقیقت کو اس زمانہ کا کوئی بھی ذی علم اہل یورپ تسلیم نہیں کرتا۔ اور جو فی الواقع تسلیم کرنیکے لائق بھی نہیں ہے اور ایسے وہمی اور بے اصل امر میں یہہ طاقت کہاں تھی کہ حیات روحانی کو ایسا برانگیختہ کر دیتا۔ جو خود اُسی محقق فاضل کے قول کے موافق " ابتداے دین مسیحی سے اُسوقت تک کبھی ایسی برانگیختہ نہوئی تھی جیسی کہ چند اوامر و احکام اسلام کی تعلیم سے ہوئی " پس جس حالت میں کہ کسی انسانی فعل۔ جادو وغیرہ

---

* یہہ جملہ جسپر ہمنے دوہرا خط کھینچدیا ہے ۱۸۶۱ء کے اڈیشن میں تو ہے مگر ۱۸۶۳ء کے اڈیشن میں سے خذف کر دیا گیا ہے۔ مولف عفی عنہ

سے ایسی عجیب و حیرت انگیز روحانی اصلاحوں کا وقوع میں آنا ممکن نہیں جیسا کہ
قرآن مجید کے وعظ سے ظہور میں آیا۔ تو پھر اُسکے معجزہ اور من اللہ ہونے
میں کیا شک ہے - افسوس! انسان خواہ کیسا ہی عاقل و فاضل
کیوں نہو مذہب کی طرفداری اور سبق ظن اُسکو سچّی بات کے قبول کر لینے
اور کم سے کم اُسکی سچائی کو زبان پر لانیسے ہمیشہ مانع ہوتا ہے - اور جبکہ
کسی نہایت صاف و صریح امر حق کی تکذیب اور اُس سے انکار نہیں کر سکتا
تو مجبوراً ایسی ضعیف اور بودی باتوں سے اپنے دل کی تسلّی کر لیتا ہے
جنکی کچھ بھی حقیقت اور اصل نہیں ہوتی - چنانچہ بعینہ یہی حال مُشرکینِ مکّہ اور
اور اہلِ ادیانِ باطلہ کا تھا جنکے سامنے قرآن مجید کی آیتیں پڑھی جاتی
تھیں - اور اُنکو کہا جاتا تھا کہ اگر اسکے من اللہ ہونے میں شک ہے تو
تم بھی ایسا حیرت انگیز و پُر تاثیر کلام لاؤ - اور وہ معارضہ سے مجبور ہو کر سحر
و جادو بتاتے تھے - اور اِس طرح پر اپنے حیرت زدہ دل کا اطمینان کر لیتے تھے

اَب سیاقِ کلام اسکا مقتضی ہے کہ امینِ عَرب صلی اللہ علیہ و
آلہ وسلم پر نزول وحی کے حیرت انگیز و ہدایت آمیز قصہ کو ہم پھر دوہرائیں
اور اُن مشکلوں اور دقّتوں اور تکلیفوں کو جو اُس رسول جلیل - افتخارِ ذبیح و خلیل
کو اپنی رسالت کے نہایت مشکل اور عظیم الشّان کام میں پیش آئیں اور اُنکے
مقابلہ میں جو صبر و ثبات اور استقلال و راسخ قدمی آپ سے ظہور میں آئی
اُسکو مختصراً بیان کریں - تاکہ انصاف دوست ناظرین فیصلہ کر سکیں کہ یہہ
حیرت انگیز تاثیرات و برکات خدا کی ذات پاک کے ساتھ تقرب و تعلق کا

نتیجہ تھیں یا ایک محض بے اصل تخیل و تصور کا ثمرہ تھا؟ جو بقول مخالفین بسبب گوشہ نشینی اور عبادت و ریاضت اور فکر و غور کی عادت کے قوت متخیلہ کے درجہ بدرجہ بڑھ جانے سے جسکو صرع دوری کے مرض سے اور بھی اشتعال ہُوا بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دھوکے میں پڑجانے اور اپنے رویا و تخیلات کو وحی و الہام باور کرلینے کا باعث ہوا۔ اور وہ عقل کل جسکی تیزی فہم اور نہایت مرتبہ کے علو نظر اور اصابت رائے کا اقرار ڈاکٹر سپرنگر جیسے شخص کو بھی[۵۱] ہے۔ تیئیس برس کے ممتد عرصہ تک اُسی دھوکے میں پڑا رہا! اور نہ کسی لالچ ہی نے اسکو اُس واہمہ سے نکالا اور نہ کسی حقارت و تذلیل اور بڑے سے بڑے خوف و خطر ہی نے! یہانتک کہ جان کے لالے پڑ گئے مگر اسپر بھی نہایت بیمثل و بے نظیر ثابت قدمی کے ساتھ اپنی اُسی سعی و کوشش میں مصروف رہا جو بوجہ رسول برحق ہونے کے مخلوق پرستی کے مٹانے اور خدا کی ذات و صفات کاملہ کی توحید اور خالص پرستش قایم کرنیکے لیئے اختیار کی تھی اور سب پر بالا یہہ کہ جو ارادہ کیا تھا اُسکو پُورا بھی کردکھایا۔

پس واضح ہو کہ جناب افضل الرُّسل والانبیا علیہ التحیتہ والثنا کی عمر شریف کا چالیسواں سال پُورا ہوچکا تھا کہ عالم مراقبہ میں آپ کے قلب[۵۲] منور کو اس امر کا

---

۵۱ دیکھو لایف آف محمد۔ صفحہ (۶۸۹) مطبوعہ ۱۸۵۱ء مقام الہ آباد۔ ۱۲ مولف عفی عنہ

۵۲ دیکھو قرآن مجید سورہ بقرہ خدا فرماتا ہے "اِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی قَلْبِکَ بِاِذْنِ اللّٰہِ" یعنی جبرئیل نے قرآن کو خدا کے حکم سے تیرے دل پر اُتارا ہے۔ اور سورہ شعرا

احساس و ادراک ہوا کہ وہی روحانی صورت* جو پہلے غار حرا میں دکھائی دی تھی اور آپکو خدا کا پیغمبر اور اپنے تئیں خدا کا فرشتہ بتا کر خدا کی ذات و صفات عالیہ کے متعلق چند الہامی کلمات سکھا گئی تھی خدا کا یہ مقدس پیغام آپکو دیتی ہے " یَآاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ۔ قُمْ فَاَنْذِرْ۔ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ۔ وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ۔ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ۔ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ۔ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ۔ فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ۔ فَذٰلِكَ یَوْمَئِذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ۔ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ غَیْرُ یَسِیْرٍ۔ یعنی

حاشیہ: میں ہے " نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ"
یعنی قرآن کو روح الامین (جبرئیل) نے تیرے دل پر اتارا ہے تاکہ تو خدا کے خوف سے آگاہ کرنے والوں میں سے ہو۔ مؤلف عفی عنہ۔

* مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب اپنی کتاب کے صفحہ (۱۱۹) میں فرماتے ہیں کہ " انبیائے بنی اسرائیل اور سینٹ این تھونی۔ اور سینٹ بینے ڈکٹ اور جوآن آف آرک اور سینٹ تھیرسا اور سویڈن برگ بلکہ خود لوتھر کی طرح محمدؐ کو بھی کچھ کچھ نظر آیا کرتا تھا۔ اور ہر کوئی جانتا ہے کہ لوتھر کو مجسّم شکلیں نظر آیا کرتی تھیں۔ چنانچہ ایک دفعہ اُسنے شیطان کیطرف جو اُسے قلعہ وارٹ برگ میں نظر آیا تھا دوات پھینک ماری تھی۔ پس اگر ایک شخص پر ایسے تخیّلات کی وجہ سے جھوٹے دعووں کا الزام نہیں لگایا جاتا تو پھر دوسرے کو کیوں ملزم ٹھہرایا جاتا ہے؟ جو کچھ محمدؐ دیکھتا تھا وہ اُسے بیان کرتا تھا۔ اور وہ بے شک دیکھتا تھا۔ گو وہ سب کچھ اُسی کی قوت متخیلہ کا نتیجہ کیوں نہو۔ اور اگر کسی شئے کی حقیقت پرکھنے کے لیے اُسکے نتایج کو قبول کیا جا سکتا ہے تو جو کچھ محمدؐ کو نظر آتا تھا وہ بے شبہ صحیح تھا۔ کیونکہ اُس سے اُسکو اپنے عالی شان کام میں تقویت ہوتی تھی" (انتہے قولہ)

اے شخص متحلی بخلعت رسالت ہمارے احکام کی بجاآوری کے لیئے مستعد اور تیار ہو۔ اور لوگوں کو جو ہمکو چھوڑکر طرح طرح کی مخلوق پرستی اور اعمال و افعال قبیحہ میں مبتلا ہیں ہمارے عذاب سے جو انصافاً ان امور کا لازمی نتیجہ ہے خبردار کر اور اپنے پروردگار کی ذات جامع جمیع صفات جلال و کمال کی عظمت و جلالت خلائق پر ظاہر کر۔ اور پاکی و پاکدامنی اختیار کر۔ اور شرک و مخلوق پرستی کی نجاست سے بالکلیہ الگ ہوجا۔ اور اس سب سے بڑی نیکوی کا اس امید سے احسان مت جتا کہ لوگ تیرے ساتھ اس سے زیادہ کسی نیکی سے پیش آئیں۔ اور اُن شدائد و تکلیفات پر جو اس امر عظیم کی بجاآوری میں پیش آئیں خالص اپنے پروردگار کے لیئے مصابرت اختیار کر۔ اور لوگوں کو آگاہ کردے کہ جب صحرائے قیامت میں خلائق کے حاضر ہونیکے لیئے بگل پھونکا جائیگا تو وہ دن ہماری آیات ظاہرہ و کلمات باہرہ سے انکار کرنے والوں پر نہایت ہی سخت ہوگا۔" چنانچہ اِن آیات شریف کے نازل ہوتے ہی آپ فرمان الٰہی کی بجاآوری کے لیئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

اور سب سے پہلے اس امر عظیم کا اظہار اپنے اہل بیت سے فرمایا اور آپکی حلیلہ جلیلہ خدیجۃ الکبریٰ نے جو نہایت عاقلہ بی بی تھیں اور پندرہ[۱۵] برس کے رات دن کے تجربہ سے آپکی صفات دیانت و امانت اور راستی و راستبازی اور حق دوستی و حق پسندی اور غایت مرتبہ کی عقل و فہم سے بخوبی واقف تھیں بلا تامل آپکی تصدیق کی۔ اور اِن کے بعد آپ کے چچازاد بھائی علیؑ مرتضیٰ نے جنھوں نے آنکھیں کھولکر پہلے پہل آپ ہی کے جمال باکمال کو

دیکھا تھا۔ اور آپکی آغوشِ عاطفت میں آپکی زبانِ حق ترجمان کا لعاب پی پی کر
پرورش پائی تھی اور اسی وجہ سے "لحمك لحمي و دمك دمي" کا بیمثل
خطاب پایا تھا بقول سر آمد مورخین انگلستان اڈورڈ گبن "ایک نوجوان
ہیرو کی سی ہمت و جرأت کے ساتھ آپکے خیالات کی صداقت کا اعتراف
کیا" اور آپ کے بعد بقول گبن ، ابو الفدا اور اور مستند مورخین کے
جو درایۃً بھی درست معلوم ہوتا ہے آپ کے آزاد کردہ غلام زید ابن
حارثہ عبودیت الٰہی کے معترف ہوئے۔ اور ان کے بعد عبد اللہ
بن ابی قحافہ نے جو بہت ذی وجاہت شخص تھے اور جو بعد ازیں تاریخ
اسلام میں ابوبکر صدیق کے لقب سے مشہور ہوئے آپکی رسالت کی
تصدیق کی۔ اور ان کے بعد عثمان بن عفان ۔ عبد الرحمن بن عوف۔
سعد بن ابی وقاص ۔ زبیر بن عوام ۔ طلحہ بن عبید اللہ ۔
جعفر بن ابی طالب ۔ ابوذر ۔ عمار بن یاسر ۔ ابو عبیدہ بن
جراح ۔ سعید بن زید اور اور سعادتمندانِ ازلی بشمول مختلف درجہ کی
چند عورتیں بھی شامل تھیں یکے بعد دیگرے مشرف باسلام ہوئے۔
کسی شخص کے ایسے دعوی کی صداقت کے لئے جیساکہ نبی عربی علیہ الصلوٰۃ
والسلام کا دعوی تھا اگرچہ یہہ ضرور نہیں ہے کہ اسکے عزیز و اقارب اسکا
اعتراف کریں یا اسکے معتقدین خوف و مصیبت کے وقت ثابت قدمی کے
ساتھ اپنے عقیدہ پر قائم رہیں۔ مثلاً مسیح علیہ السلام ہی کو دیکھو کہ آپ کے
ماں جائے بھائی آپ پر ایمان نہ لائے اور ایکدفعہ تو یہانتک نوبت پہنچی

کہ آپکو مسلوب الحواس سمجھکر گرفتار کرلینے پر آمادہ ہوگئے - اور حواری بھی اعتقاد کے ایسے کچے نکلے کہ خوف و خطر کی آہٹ پاتے ہی آپکو اکیلا چھوڑکر بھاگ گئے - جیسا کہ انجیل یوحنا کے باب ہفتم آیت پنجم اور انجیل مرقس کے باب سیوم آیت بست و یکم اور انجیل متی کے باب بست و ششم آیت پنجاہ و ششم سے ظاہر ہوتا ہے - لیکن اسمیں بھی شک نہیں کہ اگر ایسے شخص کی بیوی اور بھائی اور غلام اور دوست آشنا (جنکو رات دنکی صحبت اور ربط و ضبط کیوجہ سے اُس کے حال سے واقف ہونے کا خوب موقع ملتا ہے) دلی یقین کے ساتھ اُسکی متابعت و پیروی اختیار کریں - اور کسی عقوبت جسمانی و اَلم روحانی کی پروا نکرکے اپنی عقیدت پر قائم رہیں حتیٰ کہ موت تک کو بے حقیقت جانیں تو بے شبہہ اُسکے حسن نیت اور صداقت دعوی کی ایک قطعی دلیل ہوگی - پس امین عرب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دعوی رسالت بھی اس قاعدہ سے مستثنےٰ نہیں ہے - اور آپکی عقلمند بیوی اور پیارے بھائی اور وفادار غلام اور نہایت واقف حال اور صاحب فہم و فراست اور تجربہ کار دوستوں کا نہایت رغبت اور صدق دل سے آپکے دعوی رسالت کی تصدیق کرنا اور ایمان لانا اور نہایت درجہ کے مصائب و شدائد میں غایت مرتبہ کی ثابت قدمی سے اپنے عقیدہ پر قائم رہنا قطعی شہادت آپکے صدق نیت اور آپکے مواعظ و احکام کے منجانب اللہ ہونے کی ہے - ورنہ کیا یہہ ممکن تھا کہ بیچاری ضعیف الخلقت عورتیں جو دریائے گلیل کے ماہی گیروں سے یقیناً زیادہ جاہل و بے خبر از حالات زمانہ تھیں - اور اعلیٰ درجہ کی ذی وقعت و دانشمند

اشخاص جنکی لیاقتیں سلطنت جمہوریہ اسلامیہ کی سرداری و سپہ سالاری
میں اپنے اپنے موقع پر آفتاب نیمروز کی طرح ثابت ہوگئیں۔ اگر ذرا بھی دُنیا
طلبی اور مکر و فریب اور عدم ایمان بالنقصان و سفاہت عقل کی علامت آپ
میں پاتے تو فوراً آپکی بات کو رد نہ کر دیتے ؟ اور کیا باپ بیٹوں سے
اور مائیں بیٹیوں سے اور بہنیں بہنوں سے اور بھائی بھائیوں سے اِس
طرح جُدا ہو جانا گوارا کرتے ۔ ؟ جس طرح کہ اسلام و بانی اسلام کی محبت سے
اپنے آبائی اور عزیز مذہب کو چھوڑ کر جُدا ہو گئے ۔ اور کیا مِلک و مال اور عزیز
و اقارب اور پیارے وطن کی الفت پر خاک ڈالکر غریب الوطنی کی زندگی
اختیار کرنا پسند کرتے ؟ یا مشکیں بندھے ہوئے بھوکے پیاسے مکہ کی
نہایت گرم اور تیز دھوپ میں جلتی بلتی پتھریلی زمین پر بڑے بڑے پتھر
سینہ پر رکھکر ڈالدیئے جانے کو عیش و آرام کی زندگی پر ترجیح دیتے ؟ یا اِن بیہودہ
و موہوم اُمید کے بھروسہ پر کہ آیندہ کسی وقت مال غنیمت کے علاوہ انتقام لینے
کی قدرت بھی حاصل ہو جائیگی (جیساکہ میور صاحب نے نہایت درجہ کی
ناانصافی سے آنکھوں پر ٹھیکری رکھکر لکھدیا ہے) کامل تین برس تک قوم سے
بالکل بے تعلق اور الگ ۔ قیدیوں کی طرح شعب ابیطالب میں محصور رہنے
اور طرح طرح تکلیفیں اور مصیبتیں سہنے اور جان جوکھوں میں پڑنے کو مرغوب
جانتے ؟ ہرگز نہیں ۔ کبھی نہیں ! چنانچہ فاضل محقق گاڈفری ہگینس
صاحب مرحوم اپنی کتاب موسوم بہ اپالوجی فار محمدؐ کے اٹھارہویں فقرہ
میں لکھتے ہیں کہ " باوجودیکہ محمدؐ اور عیسیٰ کی ابتدائی سوانح عمری

میں ایسے حالات ہیں جنمیں عجیب مشابہت پائی جاتی ہے - لیکن بہت
سے ایسے ہیں جنمیں بالکل اختلاف ہے - مثلاً عیسیٰ کے اوّل بارہ
مُریدوں کو ناتربیت یافتہ و کم رتبہ ماناگیا ہے - بخلاف محمدؐ کے
اوّل مُریدوں کے کہ بجز اُسکے غُلام کے سب لوگ بڑے ذی وجاہت
تھے - اور جب وہ خلیفہ اور افسر فوج اسلام ہوئے تو اُس زمانہ میں جو
کچھ اُنہوں نے کام کئے اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ اُنمیں اوّل درجہ
کی لیاقتیں تھیں - اور غالباً ایسے نہ تھے کہ بآسانی دھوکہ کھا جاتے -
عیسیٰ کے اوّل مُریدوں کی کم رتبگی میں موشیم صاحب دین عیسائی
کی خوبی سمجھتے ہیں - مگر سچ پُوچھو تو مَیں بمجبوری مُقر ہوں کہ اگر لاک اور
نیوٹن جیسے اشخاص مذہب عیسوی کے اوّل محققین میں سے ہوتے
تو مجکو بھی اطمینان کامل ویسا ہی ہوتا - پس اِس سے ثابت ہے کہ
ایک ہی شئے مختلف شخصوں کو کیسی مختلف معلوم ہوتی ہے" پھر فقرہ
[۲۱۸] میں لکھتے ہیں کہ - "گبن نے بیان کیا ہے کہ " پہلے چاروں خلیفونکے
اطوار یکساں صاف اور ضرب المثل تھے - اُنکی سرگرمی دلدہی اور اخلاص
کے ساتھ تھی - اور ثروت و اختیار پاکر بھی اُنہوں نے اپنی عمریں اداے
فرائض اخلاقی و مذہبی میں صَرف کیں " پس یہی لوگ محمدؐ کے ابتدائی
جلسے کے شریک تھے - جو پیشتر اِس سے کہ اُسنے اقتدار حاصل کیا یعنی تلوار
پکڑی اُسکے جانب دار ہو گئے یعنی ایسے وقت میں کہ وہ ہدف آزار ہوا
اور جان بچاکر اپنے مُلک سے چلا گیا - اُنکے اوّل ہی اوّل تبدیل مذہب

کرنے سے اُنکی سچائی ثابت ہوتی ہے - اور دُنیا کی سلطنتوں کے فتح کرنے
سے اُنکی لیاقت کی فوقیّت معلوم ہوتی ہے" پھر فقرہ [۲۱۹] میں
لکھتے ہیں کہ " اِس صورت میں کوئی یقین کرسکتا ہے ؟ کہ ایسے شخصوں
نے ایذائیں سہیں - اور اپنے مُلک سے جلاوطنی گوارا کی اور اس سرگرمی
سے اُسکے پابند ہوے - اور یہہ سب اُمور ایک ایسے شخص کی خاطر ہوں
جسمیں ہرطرح کی بُرائیاں ہوں اور اُس سلسلۂ فریب اور سخت عیّاری کے
لیئے ہوں جو اُنکی تربیت کے بھی خلاف ہو اور اُنکی ابتدائی زندگی کے تعصبات
کے بھی مخالف ہو - اسپر یقین نہیں ہوسکتا اور خارج از احیطۂ اِمکان ہے"
پھر ایک دوسرے موقع پر فقرہ [۱۲۳] میں لکھتے ہیں کہ " عیسائی اِس بات
کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمّد صلعم کے مسائل نے وہ درجۂ نشّہ دینی اُس کے
پیرووں میں پیدا کیا کہ جسکو عیسٰیؑ کے ابتدائی پیرووں میں تلاش کرنا بیفائدہ
ہے - اور اسکا مذہب اُس تیزی کے ساتھ پھیلا جسکی نظیر دین عیسوی میں
نہیں - چنانچہ نصف صدی سے کم میں اسلام بہت سی عالیشان اور سرسبز
سلطنتوں پر غالب آگیا - جب عیسٰیؑ کو سولی پر لیگئے تو اُسکے پیرو بھاگ
گئے اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ میں چھوڑکر چلدیئے - اگر بالفرض اُسکی
حفاظت کرنے کی اُنکو ممانعت تھی تو اُسکی تشفّی کے لیئے تو موجود رہتے اور صبر
اُسکے اور اپنے ایذا رسانوں کو دھمکاتے - برعکس اُسکے محمّد صلعم کے پیرو
اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد و پیش رہے اور اُسکے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرہ
میں ڈالکر کُل دُشمنوں پر اُسکو غالب کردیا" (انتہیٰ قولہ)

حواریوں سے جو ضعفِ اعتقاد و منزلتِ قدم ظہور میں آئی خواہ اُنکے قصورِ عقل کا نتیجہ ہو یا خود حضرت مسیح کے اختلافِ اقوال کا ثمرہ ہو جیسا کہ ڈین ملمین صاحب نے اپنی رائے ظاہر کی ہے* مگر اسکی واقعیت سے انکار نہیں ہو سکتا۔

اب ہم پھر اصل مطلب کیطرف رجوع کرتے ہیں کہ اگرچہ بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کام کی ترقی بہت آہستہ طور کی تھی مگر بقول فاضل محقق مسٹر طامس کارلائل صاحب مرحوم "آپکو اپنے عقائد کے پھیلانے میں استقلال کے ساتھ کوشش جاری رکھنے کی وہی معمولی سے ہمت و جرأت دلاتی تھی جو اس قسم کے لوگونکو اس قسم کی حالت میں ہمیشہ ہمت دلاتی ہے" ‡ چنانچہ تین برس کی تھوڑی سی کامیابی کے بعد اُس محبت و شفقت کے تقاضا سے جو آپکو اپنی قوم اور خصوصاً اپنے اہل خاندان سے تھی بقول اڈورڈ گبن "یہہ مصمم ارادہ کرکے کہ انہیں ربانی روشنی سے مستفید کریں" اپنے خاندان کے لوگوں کو جو شمار میں کم و بیش چالیس تھے۔ اور جنمیں آپکے چچا ابوطالب اور حمزہ اور عباس او۔ ابولہب بھی شامل تھے دعوت کی تقریب سے جمع کیا۔ اور جب اکل و شرب سے فراغت ہو چکی تو مخاطب ہو کر فرمایا کہ "یَا بَنِي عَبْدُ الْمُطَّلِب قَدْ جِئْتُكُمْ بِخَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَقَدْ اَمَرَنِي اللّٰهُ تَعَالٰى اَنْ اَدْعُوكُمْ اِلَيْهِ فَاَيُّكُمْ يُوَازِرُنِي عَلٰى اَمْرِي هٰذَا وَيَكُوْنُ اَخِي وَوَصِيِّي وَخَلِيْفَتِي فِيْكُمْ" یعنی اے اولادِ عبد المطلب میں تمہارے لیئے ایک ایسی چیز لایا ہوں جو بے شبہ دُنیا و آخرت کی بہتری ہے۔ اور یقین کرو کہ خدا تعالیٰ نے مجکو حکم دیا ہے کہ میں تمکو اُسکی اطاعت کیطرف بلاؤں۔ پس تم میں کون ایسا

* دیکھو ملمین صاحب کی تاریخ کلیسیا جلد اوّل۔ مؤلف ‡ دیکھو کتاب ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ لکچر دوم۔ مؤلف

ہے جو اس امر عظیم میں میرا بوجھ بٹائے اور میرا بھائی اور میرا وصی اور میرا نائب تُم میں ہو" لکھا ہے کہ کسی نے کچھ جواب نہ دیا مگر ایک جوان نوخاستہ جسکی ابھی مسیں بھیگنی شروع ہوئی تھیں بقول گبن " اس حیرت و شک اور حقارت آمیز خاموشی کی برداشت نکر سکا" اور کھڑے ہوکر بڑی ہمت اور جرأت کے ساتھ بولا کہ " یا رسُول اللہ اگرچہ مَیں اِس مجمع میں سب سے کم عمر ہوں مگر اِس مشکل خدمت کو مَیں بجالاؤنگا" چنانچہ آپ نے کمال شفقت سے اُس نوجوان بہادر کی گردن پر ہاتھ رکھکر فرمایا۔ اِنَّ هٰذَا اَخِیْ وَ وَصِیِّیْ وَ خَلِیْفَتِیْ فِیْکُمْ فَاسْمَعُوْا لَهٗ وَ اَطِیْعُوْا * یعنی بالتحقیق یہہ میرا بھائی اور میرا وصی اور میرا نائب تُم میں ہے۔ پس اِسکی بات سُنو اور جو حکم دے اُسکی اطاعت کرو چنانچہ اس دعوت اور اِس گفتگو کا ذکر لکھکر مسٹر کارلائل صاحب فرماتے ہیں " اگرچہ یہہ مجمع جسمیں علیؑ کا باپ اَبُوطَالِب بھی تھا محمّدؐ کا دشمن نہ تھا مگر تاہم سب لوگوں کو ایک ادھیڑ عمر کے اَن پڑھ آدمی اور ایک سولہ برس کے لڑکے کا یہہ فیصلہ کرنا کہ وہ دونوں بلکہ تمام دُنیا کے خیالات کے برخلاف کوشش کرینگے ایک مضحکہ کی بات معلوم ہوئی اور تمام مجمع قہقہا لگا کر منتشر ہو گیا مگر ثابت ہو گیا کہ یہہ ایک ہنسی کے لائق بات نہ تھی۔ بلکہ بہت ٹھیک اور درست

* دیکھو تفسیر شیخ ابُو اسحاق احمد بن مُحمّد الثعلبی اور تفسیر شیخ ابُو مُحمّد حسین البغوی معروف بہ محی السُنّہ مسمیٰ بہ معالم التنزیل تحت آیۂ کریمہ" وانذر عشیرتک الاقربین" اور تاریخ شیخ ابو جعفر محمّد بن جریر الطبری اور تاریخ علامہ ابو الحسن علی بن محمّد الجزری معروف بہ ابن اثیر اور تاریخ ملک اسماعیل ابو الفدا حموی اور تاریخ زوال سلطنت روم اڈورڈ گبن۔ مؤلف عفی عنہ

تھی - یہہ نوجوان علیؑ ایسا شخص تھا کہ ضرور ہے کہ ہر ایک شخص اسکو پسند ہی کرے - اور اس امر سے جو اوپر بیان کیا گیا ہے - اور نیز اور باتوں سے جو ہمیشہ اسکے بعد اس سے ظہور میں آئیں یہہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک صاحب اخلاق فاضلہ اور محبت سے بھرپور اور ایسا بہادر شخص تھا کہ جسکی آگ جیسی تیز و تند جرأت کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی تھی - اس شخص کی طبیعت میں کچھ عجیب طور کی جوانمردی تھی - شیر سا تو بہادر تھا مگر باوجود اسکے مزاج میں ایسی نرمی اور رحم اور سچائی اور محبت تھی جیسی کہ ایک کریچن نائٹ [عیسائی دیندار جوانمرد] کے شایاں ہے " ۵۱

فی الواقع خدا نے آپکو ایسی ہی صفات حمیدہ و خصائل جلیلہ سے متصف فرمایا تھا جسکی نظیر امت اسلامیہ میں نہیں پائی جاتی - چنانچہ آکلی صاحب فرماتے ہیں کہ " یہہ نامور خلیفہ بلحاظ اپنی ہمت و جرأت اور طبیعت و خصلت اور پاکدامنی و عفت اور فہم و فراست کے نہایت عظیم المرتبت لوگوں میں سے تھا جو امت اسلامیہ میں کبھی پیدا ہوا تھا " ۵۲

القصہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہل خاندان پر اپنے موعظہ کا کچھ اثر نہ پایا تو حرم کعبہ میں تشریف لاکر اس پتھر پر کھڑے ہوئے جو آپ کے جد امجد اسماعیلؑ نے نصب کیا تھا اور باواز بلند فرمایا کہ " اے گروہ قریش و قبائل عرب میں تمکو خدا کی توحید اور اپنی رسالت کیطرف بلاتا ہوں

---

۵۱ دیکھو کتاب ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ لکچر دویم صفحہ (۱۲) مؤلف عفی عنہ

۵۲ دیکھو آکلیز ہسٹری آف سارسین مطبوعہ ۱۸۵۸ء صفحہ (۳۲۴) مؤلف

پس اسکو مانو اور شرک و بُت پرستی چھوڑ دو تاکہ عرب اور عجم دونوں کے بادشاہ
ہو جاو۔ اور آخرت کی بادشاہت بھی تمہاری ہی ہووے" جسکو سنکر کُفّار
ہنسنے لگے کہ محمد ﷺ کو (معاذ اللہ) جُنون ہوگیا ہے۔ اب یہ حال تھا کہ کفار
ناہنجار اگرچہ کوئی جسمانی تکلیف آپکو نہیں دیتے تھے مگر پند و نصیحت کو نہ ماننا اور
بشدّت حقارت و استہزا کرنا آپ کے لئے سب تکلیفوں سے زیادہ سوہان روح تھا۔
اور اُن کی اِن نادانی اور جہالت کی حرکتوں سے آپکا دل نہایت ہی کڑھتا تھا
کچھ عرصہ تک آپ نے صرف توحید کے وعظ پر قناعت فرمائی۔ مگر جب دیکھا
لوگ اپنے پتھر اور لکڑی وغیرہ کے ناپاک و ناچیز بتوں کی محبّت و عقیدت سے
باز نہیں آتے اور خدائے قدّوس و قادر مطلق کی صفات و عبادات میں اُنکو
شریک کرتے ہیں تو بقول مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب "آپکو واجب
طور سے غیظ آگیا اور حقارتاً مُشرک کے ذلیل لقب سے مخاطب کرنا اور اُنکے
دین کو سراسر گمراہی و ضلالت بتانا شروع کیا" اور اسمیں یہانتک اصرار فرمایا کہ
جُہلائے قریش کو اُسی طرح طیش آگیا جس طرح جناب مسیح کے ملامت کرنے
سے عُلمائے یہود کو آگیا تھا۔ پس پہلے تو اُنہوں نے آپ کے چچا ابو طالب
کو کہلا بھیجا کہ آپکو اُنکے دین کی ہجو و حقارت کرنے سے روکیں۔ اور جب کچھ
اثر نہ دیکھا تو چند بڑے بڑے رئیس قوم اکٹھے ہو کر اُن کے پاس گئے اور کہا کہ
اب تک ہم آپ کے کبر سن اور جلالت قدر کی وجہ سے لحاظ کرتے رہے۔ مگر
اب صبر نہیں ہو سکتا۔ پس یا اپنے بھتیجے کو اِن باتوں سے روکیے یا اُسکو اور
ہمکو بحال خود چھوڑ کر کنارے ہو جائیے تاکہ ہم ہی غارت ہو جائیں یا وہی فنا ہو جائے۔

چنانچہ اُس بزرگوار نے قریش کی گفتگو سے آپکو مطلع کیا اور کہا کہ " اپنی اور میری جان کو ہلاکت سے بچایئے اور اتنا بوجھ مجھپر نہ ڈالیئے جو میری طاقت سے زیادہ ہو" جس سے آپکو گمان ہوا کہ چچا میری نصرت وحمایت سے دست بردار ہوا چاہتے ہیں۔ اب اسکا جواب جو آپ نے دیا وہ نہایت غور و توجہ کے قابل ہے فرمایا " اے چچا اگر یہہ لوگ اس مطلب سے کہ میں اس امر عظیم کی بجاآوری چھوڑدوں (بفرض محال) آفتاب و ماہتاب کو (جو اُنکے معبود و مسجود ہیں) میرے دائیں اور بائیں ہاتھ پر لا رکھیں توبھی میں اسکو ہرگز ترک نکرونگا۔ تاوقتیکہ خدا اپنے دین کو سب ادیان پر غالب کردے یا میں ہی اس کوشش میں ہلاک ہوجاؤں ؎ دست از طلب ندارم تا کام من برآید ✦ یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید۔ فی الواقع آپکا خاموش ہونا ناممکن تھا کیونکہ آپکو فرمانِ خداوندی پہنچ چکا تھا کہ " فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ " یعنی اے ہمارے رسول جو حکم تجکو دیا گیا ہے اُسکو وانشگاف بجالا اور مشرکوں سے بالکلیہ مونہہ پھیر لے" اور اس حالت میں سورج ہوتا یا چاند یا قدرت کا کوئی اور مصنوع آپکو فرمان الٰہی کی بجاآوری سے باز نہیں رکھ سکتا تھا۔ چنانچہ مسٹر کارلائیل صاحب لکھتے ہیں کہ " بلاشبہ آپ خاموش نہیں رہ سکتے تھے۔ کیونکہ جس امر حق کا آپ اعلان فرماتے تھے اُسمیں وہی فطری قوت تھی جو سورج اور چاند یا قدرت کے اور مصنوعات میں ہے، اور خدا سے قادر مطلق کی مرضی کے بغیر سورج اور چاند اور تمام قریش بلکہ تمام انسان اور اور موجودات عالم آپکو خاموش نہیں

کر سکتے تھے۔ کیونکہ اسکے سوا آپ کچھ کر ہی نہیں سکتے تھے۔ کہتے ہیں کہ "محمد صلعم یہہ سنکر بے اختیار رو پڑے" اسلیئے بے اختیار رو پڑے کہ چچا کیسی دلسوزی سے کہتا ہے! اور مینے جو کام اختیار کیا ہے وہ کیسا سخت اور مشکل ہے" اللہ اکبر کیسی ثابت قدمی تھی اور کیسا ایمان وایقان سے بھرا ہوا یہہ جواب تھا کہ حق پسند وحق جو عیسائی مصنفوں کے نزدیک بھی کسی غیر ملہم شخص کی زبان پر آنا ناممکن تھا۔ چنانچہ مسٹر باسورتھ سمتھہ صاحب اس واقعہ کو لکھکر فرماتے ہیں کہ "یہہ کلام اور یہہ چلن ایک جھوٹے مدعی رسالت کا نہیں ہوسکتا" اور کہتے ہیں کہ "لوتھر کا قول ہے کہ "اگر ان کھپڑوں مکوڑوں میں اسیقدر شیطان ہوتے جتنی کہ مکانوں پر کھپریلیں ہیں تب بھی میں خدا پر ایسا ہی بھروسہ رکھتا" لوتھر کو قرآن سے بھی کچھ واقفیت تھی۔ مگر اسیقدر کہ جس سے اُسے برا کہہ سکے۔ پس اگر اُسکو یہہ معلوم ہوتا کہ مندرجہ بالا سوال کا بعینہ یہی جواب نبی عربی نے پہلے ہی دیدیا ہے تو کیا وہ محمد صلعم کی صداقت اور خلوص نیت کا معترف نہ ہوتا؟ اور اگر وہ اُسے اپنا بھائی جانکر خیر مقدم نہ کہتا تو بلحاظ ایک اعلیٰ درجہ کا شخص ہونیکے تو ضرور عزت کی نظر سے دیکھتا ٭

اب ابو طالب کا حال سنیئے کہ آپ کے اس ارشاد کا اثر انکی طبیعت پر ایسا ہوا کہ اُنہوں نے بے اختیار ایک کہن سال جوانمرد عرب کے طرز سے کہا "اِذْهَبْ يَا ابْنَ أَخِي فَقُلْ مَا أَحْبَبْتَ فَوَاللهِ لَا أُسْلِمُكَ لِشَيْءٍ أَبَدًا" یعنی اے فرزند برادر سدھارو اور جو بات تمکو محبوب و مرغوب ہے بیدھڑک

٭ دیکھو باسورتھ سمتھہ صاحب کی کتاب محمد اینڈ محمڈنزم لکچر دوم صفحہ

کہے جاؤ۔ تمکو قسم ہے خدا کی کہ میں تمکو ہرگز کسی شئے کے لیئے بھی دشمنوں کے ناپاک ہاتھوں میں نہ سونپوں گا" چنانچہ اُس بزرگوار نے اخیر دم تک ایسا ہی کیا بھی۔ لیکن افسوس ہے کہ لوگوں نے ایسے ناصر دین خدا اور محافظ و مصدق رسول اللہ کے ایمان میں گفتگو کی ہے اور اُسکو کافر بتایا ہے۔ مگر اپنا تو یہہ عقیدہ ہے کہ اگر کافر ایسے ہی شخص کو کہتے ہیں تو کاش ایسا کافر میں ہوتا تاکہ بقدر اپنی طاقت قدرت کے اپنے مظلوم رسول کی خدمت و نصرت کرتا۔ اور یہہ اس کام میں مجکو کوئی کافر کہتا خواہ مسلمان۔ مگر میں اپنے خدائے رحیم و کریم سے یہی کہتا۔

۵ اگر خدمتم رد کُنی ور قبول۔ من و دست و دامان پاک رسُول۔ یہہ جملہ تو معترضہ تھا۔ مگر قریش کی حماقت کو سُنیئے کہ جب اُنہوں نے دیکھا کہ ابوطالب رسول خدا صلعم کی نصرت و حمایت سے ہاتھ اُٹھا لینا نہیں چاہتے۔ تو اپنی قوم کے ایک رئیس زادہ کو جو بہت وجیہہ اور بڑا شاعر تھا ساتھ لیکر اُنکے پاس گئے اور کہا کہ اسکو فرزندی میں لیلیجیئے یہہ تمہارے بڑھاپے کا سہارا ہوگا۔ اور اسکے عوض اپنے اس بھتیجے کو جسنے تمہاری قوم میں پھوٹ ڈالدی ہے اور ہمارے بڑے بڑے عقلمندوں کو پاگل اور احمق بتاتا ہے ہمکو سپرد کر دیجیئے تاکہ قتل کر ڈالیں۔ اس نامعقول درخواست کا جواب بجز انکار کے کیا ہو سکتا تھا۔ پس اُس بزرگوار نے تلخ و تند جواب دیکر اُنکو رخصت کر دیا۔ اور یہہ دیکھکر کہ کفار آپکے قتل پر تُلے ہوئے ہیں اپنے قبیلہ کے لوگوں کو آپکی نصرت و حمایت کے لیئے اُبھارا۔ چنانچہ ابولہب کے سوا جو اسلام و بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نہایت ہی جلا ہوا تھا تمام بنی ہاشم بالاتفاق آپکی نصرت و حمایت کے لیئے کھڑے ہو گئے

اب قریش کا غیظ و غضب بڑھتا جاتا تھا اور اگرچہ حضرت ابوطالب اور اور اعیان بنی ہاشم کے رعب سے آپکے قتل کی جرأت نکر سکے مگر آپکو اور آپکے اصحاب کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچانے لگے۔ چنانچہ جہاں آپ جاتے وہیں وہ بھی پہنچتے اور نماز میں مصروف دیکھتے تو پتھر مارتے اور ناپاک و نجس چیزیں لاکر آپ پر ڈالدیتے تھے۔ حرم کعبہ میں نماز پڑھنے اور آنے جانے میں سخت مزاحم ہوتے! اور قرآن مجید کو پڑھتے سنکر غل مچاتے اور اسکے الفاظ میں اپنے لفظ ملا دینے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ ایکروز جب آنحضرت حسب معمول نماز میں سورہ والنجم پڑھتے ہوئے اس آیت پر پہنچے "اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی" تو شیاطین قریش میں سے ایک شیطان نے اس خیال سے کہ مبادا آگے ہمارے بتوں کی ہجو کریں یہ شیطانی کلمات کہدیئے "تِلْكَ الْغَرَانِیْقُ الْعُلٰی - وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰی" جس سے سامعین کو دھوکا ہوا کہ (معاذ اللہ) آپ لات و عزیٰ کی تعریف فرماتے ہیں۔ آپ کے کھانا پکنے کی ہنڈیا میں اونٹ کی اوجھڑی کے ٹکڑے لاکر ڈالدیتے تھے۔ راستہ چلنے میں سر مبارک پر خاک مٹی اور کوڑا کرکٹ پھینکتے اور برا بھلا کہتے تھے اور بعض روسیاہ تو مونہہ در مونہہ بدزبانی و دشنام دہی کرنے میں بھی دریغ نکرتے تھے! اور مرد ہی نہیں بلکہ بعض بیحیا عورتیں بھی ان افعالِ قبیحہ کی مرتکب ہوتی تھیں۔ چنانچہ ابولہب کی جورو اُمِّ جمیل جو آپکی ہمسایہ تھی ہمیشہ ناپاک چیزیں اور کانٹے لاکر آپکے رستہ میں ڈالدیتی اور اس طرح پر اپنے حق میں گویا آپ کانٹے بوتی تھی اور آپ سب کچھ برداشت

کرتے اور فرماتے کہ تم کیا اچھے میرے ہمسایئے ہو۔ کُفّار کو آپکا صحیح طور پر نام تک
لینا گوارا نہ تھا اور مُحمّدؐ کی جگہہ مُذمّم کہتے تھے! اور باہم نہایت سخت عہد
کرلیا تھا کہ کوئی شخص آپ کے پاس نہ بیٹھے اور نہ آپکی بات سُنے! چنانچہ ایکروز
عُقبہ بن مُعیط نامے ایک کافر جو آپ کے پاس آکر بیٹھا اور قرآن مجید کو
سُنا تو اُسکے دوست اُبیؐ بن خلف نے اُس سے کہا کہ مینے سُنا ہے
کہ تو مُحمّدؐ کے پاس جاکر بیٹھا۔ اور اُسکی باتیں سُنیں۔ مجکو تیری صُورت دیکھنی
اور تجھسے بات کرنی حرام ہے۔ اور مَیں اپنی قسم کو زیادہ سخت کرونگا اگر تو اُب
گیا۔ اور اُس پاس بیٹھا اور اُسکی بات سُنی۔ کیا تجھسے یہہ نہو سکا کہ اُسکے مُنہہ
پر تھوک دیتا! چنانچہ اُس دُشمنِ خُدا لعینی عُقبہ نے ایسا ہی کیا!![51] الغرض
ایذا رسانی و تکلیف دہی کا ایک سلسلہ قائم کرلیا تھا اور یہہ عہد کرلیا تھا کہ جہانتک
ممکن ہو آپکو اور آپکے اصحاب کو تکلیف دینے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھیں چنانچہ
اُن بیچارے مسلمانوں کو جنکا کوئی حامی و مددگار نہ تھا مُشکیں باندھکر اوّل خوب
مارتے۔ اور پھر ٹھیک دوپہر کی تیز و تُند دُھوپ میں اُس جلتی بلتی زمین پر
جسکا نام رَمضا ہے بھوکا پیاسا کبھی اوندھا اور کبھی سیدھا لٹا دیتے
اور بڑے بڑے بھاری پتھر چھاتی پر رکھدیتے جنکے بوجھ کے مارے زبان
باہر نکل پڑتی اور کہتے کہ یا تو مُحمّدؐ اور اُسکے خُدا کو گالیاں دو! اور ہمارے
بتوں کی تعریف اور اُنکے پُوجنے کا اقرار کرو ورنہ اِسی طرح عذاب دے دیکر
مار ڈالینگے۔ پس کوئی تو تکلیف کے مارے جو کچھ وہ کہلاتے کہدیتا اور جان

---

۵۱ دیکھو تاریخ ابن ہشام صفحہ [۲۳۸] مولف عفی عنہ

بچالیتا - مگر دل سے اپنے ایمان پر قایم رہتا - اور کوئی تکلیف واذیت
کی کچھ پروا نکرتا - اور ہر حال میں شکر خدا بجالاتا - اور اُسی تکلیف اور عذاب
کی حالت میں جان سے گزر جاتا - چنانچہ حضرتِ عمّار اور آنکے والد یاسر
اور والدہ سُمیّہ کا یہی حال ہوا - اِس عفیفہ کو بدبخت ابوجہل نے جس
عذاب سے مارا ہے اُسکے لکھتے ہوے قلم کو لرزہ ہوتا ہے - یعنی
اُس ظالم نے جب حضرت یاسر کو نہایت درجہ تکلیف واذیّت دی اور
اسپر سُمیّہ نے اُسکو بُرا بھلا کہا تو اُس بے حیا نے طیش میں آکر حربہ جو اُسکے
ہاتھ میں تھا اُس پاکدامن بی بی کی شرمگاہ میں مارا - اسلام میں یہہ اوّل شہید
تھی جسنے اپنے ایمان پر اپنی جان کو قربان کر ڈالا - یاسر بھی دُکھ پاپاکر
داخل جنّت ہوے - عمّار کی مُشکیں باندھکر کبھی مکّہ کی جلتی بلتی ریتلی اور
پتھریلی زمین پر ڈالدیا جاتا اور چھاتی پر ایک بھاری پتھر رکھدیا جاتا تھا - اور کبھی
پانی میں غوطے دیئے جاتے تھے - مگر اُسکا دل بدستور ایمان باللہ و ایمان
بالرسول میں ڈوبا رہتا تھا - یہہ بزرگوار ایسا پکّا اور سچّا ایماندار و جاں نثار
تھا کہ کسی ایک لڑائی میں بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اسلام کے
بچاؤ کے لیئے دشمنانِ دین سے پیش آئی آپکی رکاب سعادت انتساب
سے جُدا نہیں ہوا اور جناب مُرتضوی کو جو معرکے پیش آئے اُنمیں بھی برابر
موجود رہا - چنانچہ جنگ صِفّین میں جو مُعاویہ بن ابوسُفیان کے
ساتھ ہوئی تھی چورانوے ۹۴ برس کے سِن میں نوجوانوں کی سی ضرب وضرب
کے بعد باغیوں کے ہاتھ سے شہید ہوا اور اس طرح پر اُس پیشین گوئی کی

تکمیل و تصدیق ہوئی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الہام آلہی کے ذریعے سے اُس سے مدتوں پہلے خود عمار کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ "مژدہ ہو تجکو اے عمار کہ تو گروہ باغی کے ہاتھ سے شہید ہو گا"[۵۱] یہی حال خبّاب بن ارت کا تھا کہ ننگا کر کے نہایت گرم زمین پر ڈالدیا جاتا۔ اور آگ سے گرم کی ہوئی پتھر کی بڑی بڑی سلیں چھاتی پہ رکھدی جاتیں اور سر کے بال کھینچ کھینچکر گردن مروڑی جاتی مگر اُسکو اِن تکلیفوں کی سر مو پروا نہ تھی۔ اُسکے سوا کوئی معرکہ ایسا نہ تھا جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشمنانِ خدا سے پیش آیا ہو اور یہہ اُسمیں غیر حاضر رہا ہو۔ صُہَیب بن سنان کی مصیبت بھی کچھ کم نہ تھی مگر اُسنے بھی ایمان کے مقابلہ میں اُسکو ہیچ جانا۔ اور ہجرت کے لیے جب طیار ہوا اور قریش نے قید کر لیا تو جو کچھ مال و زر پاس تھا سب اُنکو دیدیا اور وطن کی محبت پر خاک ڈالکر مدینہ کو چلا گیا۔ بلال بن رباح کی برداشتِ مصائب بھی کچھ کم تحسین و آفرین کے لائق نہیں۔ اور یہہ بھی تمام مشاہد و معارک میں جناب رسول خدا کی خدمت میں حاضر رہا۔ عامر بن فُہَیرہ نے بھی نہایت سخت اذیتیں اُٹھائیں۔ اور یہہ ایسا مستقیم العقیدہ اور پکا ایماندار تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کے ظلم و ستم سے مجبور ہو کر ترک وطن فرمایا تو اُس مرد آزما سفر میں برابر خدمت کرتا گیا۔ اور بدر و اُحد کی سخت خونریز لڑائیوں میں جنمیں ہزاروں مشرکین بڑے کر و فر سے اسلام کی قطعی بیخ کنی کے لیے مکہ سے چڑھکر آئے تھے نصرتِ دین حق میں جسم و جان سے مصروف رہا۔

---

۵۱ دیکھو کتاب جامع ترمذی باب مناقب عمار بن یاسر اور کتاب جامع بخاری باب تعاون فی بناء المسجد ۱۲ منہ

اور جنگ بیر معونہ میں جب عین شباب میں نیزہ کھاکر شربت شہادت سے سیراب ہوا تو یہہ ایمان و ایقان میں ڈوبے ہوئے الفاظ زبان پر تھے۔ "فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَه" یعنی قسم ہے خدا کی کہ میں اپنے مقصود کو پہنچگیا۔ اَبُو فُکَیْھَہ جو اسم بامسمّٰے افلح تھا اُس مظلوم کی کیا کہوں کہ اگرچہ پاؤں میں رسّی باندھکر مکہ کی انگاریوں جیسی گرم پتھریوں پر گھسیٹا جاتا تھا مگر اُسکے پائے ثبات کو مطلق لغزش نہ تھی۔ اور ہر چند گلا گھونٹ گھونٹ کر اَدْمُوا کر دیا جاتا! اور ایک ایسا بھاری پتھر چھاتی پر رکھدیا جاتا تھا کہ بوجھ سے اسے زبان باہر نکل پڑتی تھی! مگر کیا ممکن کہ کوئی کلمہ خلاف ایمان مونہہ سے نکلے۔

یہہ حال تو دیندار مردوں کا تھا جو مثالاً ہمنے بیان کیا۔ لیکن ناانصافی ہوگی اگر اُن راسخ الایمان عورتوں کا ذکر نہ کریں جو باوجود اپنے قدرتی ضعف خلقت کے ایسے مصائب و شدائد کی متحمل ہوئیں جو بڑے سے بڑے قوی الجثہ مردوں سے بھی انکا تحمل قریب بہ محال ہے۔ چنانچہ حضرتِ عمّار کی والدہ کا دردناک حال تو ہم ابھی لکھ چکے ہیں۔ مگر لُبَیْنَہ۔ زِنِّیرَہ۔ نَھْدِیَّہ اور اُمِّ عُبَیْس کی مصیبتیں بھی کچھ کم افسوس کے لائق نہیں۔ یہہ چاروں بیچاری لونڈیاں تھیں اور اُن کے سنگدل آقا صرف اِس گناہ پر انکو عذاب اور تکلیفیں دیتے تھے کہ پتھر اور لکڑی کے بیجان بتوں سے مونہہ موڑ کر خدائے حیّ و قیّوم پر ایمان لے آئی تھیں چنانچہ اَور تو اَور خود عُمرِ فاروق۔ لُبَیْنَہ کو اسقدر مارتے تھے کہ جبتک تھک نہ جاتے چھوڑتے نہ تھے! اور کہتے کہ مینے تجھے چھوڑا نہیں بلکہ تھک کر ٹھہر گیا ہوں۔ جسکا اُس مظلومہ نے یہہ جواب دیا کہ اسیطرح خدا بھی تیرے ساتھ کریگا اگر

تو مسلمان نہوا - اسیطرح زِنّیرہ کو بدبخت ابُوجہل نے اسقدر ایذا دی کہ وہ اندھی ہوگئی ! اور جب اُسنے جاناکہ وہ اندھی ہوگئی تو کہاکہ لاؔت و عُزّیٰ نے تجھے اندھا کر دیا - اُسنے کہاکہ لات و عزّیٰ کو تو خود نہیں سُوجھتا کہ اُنکو کون پُوجتا ہے - مگر یہہ ایک آسمانی امر ہے اور یہہ اخدا قادر ہے کہ پھر میری آنکھوں میں روشنی دیدے - نھدیّہ بنی عبدالدار میں سے ایک عورت کی لونڈی تھی اور وہ کمبخت اس بیچاری کو سخت تکلیفیں دیا کرتی اور کہتی کہ اِسی طرح سے کئے جاؤنگی جبتک کہ اصحاب محمدؐ میں سے کوئی تجکو خرید نہ لے ! ایسے ہی اُمّ عُبَیس اسود بن عبد یغوث نامے ایک شقی کی مملوکہ تھی اور وہ رو سیاہ اُسکو نہایت ستاتا اور وہ بیچاری اپنے ایمان کی خاطر سب تکلیفیں اور اذیتیں سہتی تھی* اللہ اکبر کلام الٰہی کے وعظ نے کسقدر روحانیت دلوں میں پھونک دی تھی کہ مَرد تو مَرد دیندار عورتیں ایمان و آخرت کے مُقابلہ میں دُنیا کے ہر قسم کے آرام و آلام کو محض ہیچ و پوچ سمجھتی تھیں اور گویا بہشت و دوزخ دونوں اُنکی آنکھوں کے سامنے تھے جو ایمان و کُفران کا واقعی اور لازمی نتیجہ ہیں - اور بہشت و قُرب خداوندی کے شوق اور جہنم اور بُعد بارگاہ صمدی کے خوف نے حیات دُنیوی کی ہر ایک حالت اُنکی نظر میں حقیر و بے اعتبار کر دی تھی جس سے راہ خدا میں تکلیف کو بھی راحت ہی سمجھتے تھے -

---

* دیکھو تاریخ ابن ھشام صفحہ (۲۰۵ - ۲۰۷) و تاریخ ابن اثیر جلد دوم صفحہ (۲۶ - ۴۸) مولف

الغرض کفار ناہنجار موسنان دیندار اور خود رسول مختار کو تکلیفیں پہنچانے میں حتی الامکان کوئی دقیقہ فرد گذاشت نکرتے تھے - اور آپ اور آپ کے ثابت قدم اصحاب مصائب و متاعب کا تحمّل ایسے صبر و استقلال سے کرتے تھے جو مخصوصان درگاہ و خاصان حضرت آلہ کے سوا ہرگز ممکن نہیں ہے

اب ہم ناظرین سے یہہ التماس کیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ وہ حضرت محمد بن عبداللہ کے اِن حواریوں کے مصائب و تکلیفات کا جناب ابن مریم کے اُس حواری کے مصائب و تکلیفات کے ساتھ موازنہ و مقابلہ کریں جو کارنتھیوں کے نام کے دوسرے خط کے گیارہویں باب میں فخر کے طور پر لکھتا ہے کہ "میںنے یہودیوں سے پانچ بار ایک کم چالیس کوڑے کھائے - ایکدفعہ سنگسار کیا گیا - تین مرتبہ جہاز ٹوٹ جانیکی بلا میں پڑا - ایک رات دن سمندر میں کاٹا - میں اکثر سفروں میں دریاؤں کے خطروں میں - چوروں کے خطروں میں - جھوٹے بھائیوں کو خطروں میں - محنت و مشقّت میں - اکثر بیداریوں میں - بھوک اور پیاس میں - اکثر فاقوں میں - سردی و برہنگی میں رہا ہوں" اور دیکھیں کہ کسکے مصائب شدیدتر ہیں اور صبر و ثبات میں کون زیادہ ہے - اور غور کریں اور سمجھیں کہ جو شخص اِن عاشقانِ خدا کا سردار و قافلہ سالار تھا اور جسکے فیضان صحبت و اثر تربیت سے یہہ بیمثال دولت اُنکو حاصل ہوئی تھی وہ کیسا تھا اور اگر نہ سمجھ سکیں تو خیر ہم ایک ایسے حق کو عیسائی فاضل کی زبان سے سمجھا دیتے ہیں - جو اپنی اعلیٰ لیاقتوں اور علم و فضل کی وجہ سے تمام یوروپ کا مانا ہوا ہے

یعنی مسٹر کارلائیل صاحب مرحوم - چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ "ہم محمد کو ہرگز یہہ خیال نہیں کر سکتے کہ وہ ایک شعبدہ باز اور نہی باطن شخص تھا اور نہ ہم اُسکو ایک حقیر جاہ طلب اور دیدہ و دانستہ منصوبے گانٹھنے والا کہہ سکتے ہیں - جو سخت ولرزنے پیغام اُسنے دنیا کو دیا یہہ حالت ایک سچا اور حقیقی پیغام تھا اور اگرچہ وہ ایک غیر مرتب کلام تھا مگر اسکا مخرج وہی ہستی تھی جسکی تھاہ کسی نے بھی نہیں پائی - اِس شخص کے نہ اقوال ہی جھوٹے تھے نہ اعمال ہی اور نہ خالی از صداقت یا کسی کی نقل وتقلید تھے - حیات ابدی کا ایک نورانی وجود تھا جو قدرت کے وسیع سینہ میں سے دنیا کے منور کرنے کو نکلا تھا اور بیشبہ اُسکے لئے امر ربانی یوں ہی تھا"*

مشرکین اپنی کامیابی کے لئے ایک ہی قسم کے ہتھیاروں کا استعمال نکرتے تھے - بلکہ جب دیکھتے تھے کہ درشتی وشدت سے مدعا حاصل نہیں ہوتا تو نرمی و ملائمت کو کام میں لاتے اور دوستی وغمخواری کے لباس میں دشمنی کا اظہار کرتے تھے - چنانچہ لکھا ہے کہ ایک روز شیاطین قریش میں سے ایک شیطان جو بڑا ذی وجاہت اور صاحب مال ومنال تھا اپنے گروہ کے اشارہ سے آپ کے بہکانے کو آیا - اور خلاف معمول نہایت ملائمت اور شیریں کلامی کے ساتھ بولا " اے فرزند برادر تم صاحب اوصاف جمیلہ اور عالی خاندان ہو پھر کیا سبب ہے کہ ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہتے اور اُنکی پرستش کی وجہ سے ہمکو احمق اور پاگل بتاتے اور ہماری قوم میں پھوٹ ڈالتے ہو

* دیکھو کتاب ہیروز اینڈ ہیروز ورشپ لکچر دویم صفحہ (۴۳) مؤلف عفی عنہ

میں کوشش کرتے ہو۔ کیا اس سے یہہ مقصود ہے کہ کسی حسین جمیل
عالی خاندان عورت سے تمہاری شادی ہو جاے؟ اگر یہی مدعا ہے
تو جسکو تم پسند کرو ہم اُس سے ابھی تمہارا نکاح کر دیتے ہیں۔ اور اگر مال و زر
مطلوب ہے؟ تو اسقدر جمع کر دیتے ہیں کہ سب سے زیادہ تم دولتمند ہو جاؤ۔
اور اگر حکومت و سرداری کی تمنا ہے؟ تو تمکو اپنا سردار بلکہ بادشاہ بنا لیتے
ہیں۔ اور اُسی طرح اطاعت و فرمانبرداری کرینگے جس طرح بادشاہوں کی
کیجاتی ہے۔ اور اگر کسی جن یا بھوت کا سایہ ہوگیا ہے اور اُسکے دفعیہ سے
عاجز ہو؟ تو کسی معالج کو لے آتے ہیں تاکہ تمکو تندرست کر دے۔" یہہ
کہکر جب وہ چپ ہوا تو آپ نے پوچھا کہ بس کہہ چکا۔ اُسنے کہا ہاں۔ پس آپنے
فرمایا کہ اچھا بیٹھ جا اور سن۔ اور قرآن مجید کی یہہ آیتیں ارشاد کیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ حٰمٓ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ
فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۔ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ
مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ
اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا
يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۔ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ
خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۗ ذٰلِكَ رَبُّ

الْعٰلَمِيْنَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَا اَقْوَاتَهَا فِيْ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ۔ ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَحِفْظًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ۔

یعنی یہہ کلام جو ہمارا رسول تمکو سُناتا ہے خُدائے رحمٰن ورحیم سے اُسپر نازل ہوا ہے۔ کتاب ہے کہ جسکی آیتوں کی خوب تفصیل کی گئی ہے [یعنی حق وباطل، وواجب وناواجب اور جائز وناجائز اور حلال وحرام وغیرہ کو اُسمیں خوب کُھلا کُھلا بیان کیا گیا ہے] پڑھنے کی چیز عربی زبان کی اُن لوگوں کے لیئے جو اُس زبان کو جانتے ہیں [یعنی عربی میں اسلیئے نازل کی گئی ہے کہ اُس سے استفادہ کرنے میں ناآشنائی زبان کا عُذر نکر سکیں] خوشخبری دینے والی اور ڈرانے والی [یعنی خُدا کی توحید اور حیات آخرت پر ایمان لانے والوں کے لیئے بہشت جاودانی اور لقای ربّانی کی خوشخبری دینے والی۔ اور اُس سے انکار کرنے والوں کے لیئے جہنم ابدی و حرمان سرمدی سے ڈرانے والی] پھر بھی اُس قوم کے اکثر لوگوں (اہل مکہ) نے مُونہہ پھیر لیا۔ پس وہ نہیں سُنتے [یعنی باوجود ان خوبیوں کے اس کلام پاک پر غور کرنے اور خدا اور آخرت پر ایمان لانے سے ایسا مونہہ پھرایا کہ گویا سُنا ہی نہیں] اور کہتے ہیں کہ ہمارے دل تو غلافوں کے اندر ہیں اُس

چیز سے جسکی طرف ہمکو تو بُلاتا ہے اور کانوں میں ثقالت اور بہرا پن ہے [یعنی دلوں کے موٹے موٹے پردوں کے اندر اور کانوں سے بالکل بہرا ہونے کی وجہ سے اس کلام کا اثر ہم تک پہنچ ہی نہیں سکتا] اور ہمارے اور تیرے بیچ میں تو ایک آڑ ہے [یعنی نہ ہم تیری طرف آسکتے ہیں اور نہ تو ہماری جانب یعنی نہ ہم تیرا دین قبول کر سکتے ہیں اور نہ تو ہمارا] پس جو تیرا بس چلتا ہے وہ تو کر۔ بیشک جو ہمسے ہوسکیگا وہ ہم کرینگے۔ کہدے (اے ہمارے رسول) کہ گو میں بھی صرف تمسا ہی ایک آدمی ہوں مگر میرے دل میں ڈالا گیا ہے (کہ تمکو سمجھاؤں) کہ تمہارا خدا وہی خدائے یکتا ہے پس اُسکی طرف سیدھے ہو جاؤ اور گناہوں کی معافی اُس سے مانگو۔ اور وائے بحال اُن مشرکوں کے کہ خیرات* نہیں دیتے اور (معہذالک) یہی لوگ ہیں جنکو آخرت کا بھی انکار ہے۔ کچھ شک نہیں ہے کہ جو لوگ توحید اور آخرت پر یقین کرتے اور اعمال صالحہ بجالاتے ہیں اُنکے لیئے اسکا غیر منقطع صلہ مقرر ہے [یعنی جو لوگ توحید اور آخرت پر یقین رکھنے کے ساتھ مشرکوں کے چلن کے برخلاف فقرا و مساکین کو صرف خدا کے لیئے خیرات دیتے ہیں وہ اپنے اِن نیک عملوں کا ایسا صلہ

* لفظ زکوٰۃ کا ترجمہ خیرات ہمنے اسلیئے کیا ہے کہ ہمارے نزدیک یہاں اصطلاحی معنی لینے معقول نہیں ہیں گو کہ اکثر مفسروں نے یہی معنی لیئے ہیں اور اس سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ کفار بھی احکام شرعیہ کے مخاطب ہیں۔ کیونکہ جب مشرکین مکہ خدا کے وجود ہی کے قائل نہ تھے اور نہ قرآن مجید کو کلام آلہی جانتے تھے تو کسی حکم شرعی کی عدم بجا آوری پر اُنکو ملامت کرنا ظاہرا معقول نہ تھا۔
مؤلف عفی عنہ

پائینگے جو دائمی اور خالی از احسان ہوگا] پوچھ (اے ہمارے رسول اِن کافروں سے) کہ کیا تم اُسکا انکار کرتے ہو؟ جسنے زمین سی چیز کو صرف دو دن میں پیدا کردیا۔ اور اُسکے لیئے ہمسر تجویز کرتے ہو! (دیکھو) یہہ ہے مالک اور پروردگار تمام عالم اور اہل عالم کا [یعنی نہایت تعجب ہے کہ تم اُسکی اطاعت کا انکار کرتے ہو جسکو یہہ قدرت ہے کہ زمین سی بڑی اور انواع و اقسام کی مخلوقات سے بھری ہوئی چیز کو صرف دو روز میں پیدا کردیا۔ اور زیادہ تر تعجب یہہ کہ زمین کی پیدائشی چیزوں کو اُسکا ہمسر بناتے ہو جو خود زمین اور تمام جہان کا خالق اور مالک ہی] اور بناے اُس میں مستحکم اور ناقابل جنبش پہاڑ اُسکی اوپر کیطرف اور برکت دی اُسمیں اور ٹھہرائی اُسمیں مختلف قسم کی روزی اُسکے رہنے والوں کی چار دن میں برابر سب مانگنے والوں کے لیئے [یعنی زمین اور پہاڑ وغیرہ سب چار دن میں بنادیئے اور سب اہل زمین کی روزی ٹھیک اندازہ کے ساتھ مقرر کردی] پھر متوجہ ہوا اُوپر والی چیز کی طرف اور وہ [اُسوقت] دُھواں سا تھی۔ پھر فرمایا اُسکو اور زمین کو کہ حاضر ہو بخوشی یا بمجبوری۔ دونوں نے عرض کیا کہ ہم سب بخوشی حاضر اور مطیع ہیں [یعنی آسمان و زمین اور تمام مخلوقات نے جو اُنکے اندر ہے اطاعت و فرماں پذیری کا اظہار کیا۔ یہہ نہ سمجھنا چاہیے کہ معمولی طور سے یہہ خطاب و جواب تھا۔ نہیں۔ بلکہ آسمان و زمین اور تمام مخلوقات کی فطری اور طبعی حالت کا بیان ہے جو نہایت درجہ کے بلیغ طور پر فرمایا گیا ہے] پھر قرار دیا اُنکو سات آسمان، دو [۵۱] دن میں۔ اور القا کیا ہر ایک اُوپر والی چیز میں اُسکا کام

---

[۵۱] جیسا کہ توریت کی کتاب پیدائش کے شروع میں ہے قرآن مجید میں بھی تعدد

[یعنی آسمانوں اور ستاروں وغیرہ کا جو جو کام تھا وہ اُنکی فطرت میں ڈالدیا] اور سجایا ہمنے سب سے نزدیک اوپر والی چیز کو چراغوں کے ساتھ اور خوب محفوظ کردیا (دیکھو) یہہ ہے اندازہ کرنا خدا سے غالب اور ہر ایک چیز کے پیدا کرنے کی مصلحت کے جاننے والے کا - پھر اگر اب بھی نہ مانیں اور مونہہ پھیرلیں تو کہدے (اے ہمارے پیغمبر اِن کافروں کو) کہ میں تمکو خبردار کرچکا مدہوش اور ہلاک کردینے والی بلا سے جیسی کہ قوم عاد و ثمود کی بلا تھی [یعنی اگر باوجود دیکھنے اِن صفاتِ جلال و کمال کے پھر بھی خُدا اور آخرت پر ایمان نہیں لاتے تو ایسے عذاب کی برداشت کے لیئے تیّار ہوجاؤ جیسا کہ قوم عاد و ثمود پر نازل ہوا تھا]

حم السجدہ [illegible]

آیتوں میں زمین و آسمان وغیرہ کے چھ دن میں بنانے کا ذکر آیا ہے اور جسطرح کہ یہودی اور عیسائی علما اسکو بطور اخبار کے سمجھتے تھے قرآن مجید کے اکثر مفسروں نے بھی اسکو اخبار ہی سمجھا ہے اور جسطرح کہ عیسائی علما نے ناقابل تردید علمی اعتراضوں کی وجہ سے ہر ایک دن کی مقدار ہزار ہزار برس کی قرار دی اور آخر کار دن کے معنی ایک زمانہ کے لیئے جسکی مقدار مقرر نہیں کی - اُسی طرح ہمارے مفسروں نے بھی کہا کہ ایکدن دنیا کے ہزار برس کے برابر تھا - اور بعضوں نے دن سے ایک حالت اور ایک زمانہ مراد لیا - مگر امر محقق یہہ ہے کہ دنیا کا چھ دن میں پیدا کرنا نہ بطور اخبار کے ہے نہ کلام مقصود بالذات بلکہ خدا تعالی نے مخاطبین کے اعتقاد کو بطور نقل تسلیم کر کے اُسپر دلیل قائم کی ہے - اور یہی وجہ تھی کہ مشرکین مکّہ اور اہل کتاب نے اسکا انکار نہیں کیا - اور اس میں ایک یہہ نکتہ بھی ہے کہ کسی چیز کا بتدریج بنانا اُسی شخص سے ممکن ہوتا ہے - جو اپنی مرضی و اختیار سے بنائے - پس یہہ خداوند تعالی کے کمال قُدرت اور اختیار کی دلیل ہے - ورنہ وہ ایک آن واحد میں یہہ سب کچھ بنا سکتا تھا -

مؤلف عفی عنہ

سبحان اللہ قرآن مجید کی حقیقت و ماہیت اور اسکی صفات اور کافروں کے جحد و انکار و عناد و لداد اور اپنے رسول کے صاحب الوحی اور اپنے یکانہ و مستحق پرستش اور غافر الذنوب ہونے۔ اور اشراک باللہ و بخل فی سبیل اللہ اور انکار آخرت کے نتایج قبیحہ۔ اور اپنی ذات مقدس کی وحدانیت و یگانگی۔ اور حیات آیندہ پر یقین کرنے اور خالصاً للہ مال خرچ کرنے والوں کے اجر و انعام کو کس بامعانہ طور پر بیان فرمایا ہے اور کافروں کی سفاہت عقل و نادانی اور اپنے وجود باجود اور صفات سراسر خیر و محمودہ پر صحیفہ قدرت کی آیات بینات سے جو بقول سید الحکما میر محمد باقر داماد "مصحف فعلی خدا کا ہے" کما فی کتابہ المسمے بہ جذوات کس حکیمانہ طرز و اسلوب سے استدلال کیا ہے کہ ہر ایک درجہ کے اشخاص کے معقول کرنے اور یقین دلانیکے لیئے ایسی صریح و قوی حجت ہے کہ جس سے بڑھکر ہو نہیں سکتی۔ چنانچہ معلولات کے وجود سے اوّل اپنے علت العلل ہونیکو ثابت کیا ہے اور پھر اپنی افعال و احکام کی بے واسطہ و بالواسطہ دلالت سے یہہ ثابت کیا ہے کہ وہ ذات مقدس ہر ایک امر کے ایجاد و اختراع اور کرنے اور نکرنے پر بالذات قادر ہے۔ اور یہہ کہ اسکے تمام افعال معلل باغراض صحیحہ و مبنی بر مصالح ہیں اور یہہ کہ وہ جیتا جاگتا اور دیکھتا اور سنتا ہے اور جہان کے ذرہ ذرہ کو یہانتک کہ ہمارے دلوں کے بھید کو بھی جانتا ہے اور وہی تمام عالم کا سہارا اور اسکے قیام کا باعث ہے۔ چنانچہ اپنے افعال کی صحت سے اپنے قادر بالذات ہونے کو ثابت کیا ہے اور اپنے احکام کی درستی کو اپنے عالم بالمصالح ہونے کی دلیل گردانا ہے اور

اپنے قادر و عالم ہونے کو اپنے حیّ و قیّوم اور سمیع و بصیر ہونے کی حجّت قرار دیا ہے - اور ان مطالب عالیہ کو جنکی بڑی سے بڑی کتابیں بھی بمشکل متحمل ہوسکتی ہیں باوجود غایت درجہ کے ایجاز و اختصار کے ایسی نظم و ترتیب اور سلاست و فصاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ عقلاً معارضہ ناممکن ہے - پس دیکھو خدا یا نبی اُمّی کے کلام کی خوبی کو کہ باوجودیکہ نہ منطق ہے نہ فلسفہ - مگر باینہمہ وہ غذائی منطق اور فلسفہ ہے کہ جسکا استعمال صرف اُسی سے ممکن ہے کہ جسنے انسان کو بولنا اور کلام کرنا سکھایا مگر وائے برحال اِس ظلوم و جہول پُتلے کے کہ باینہمہ کبھی کوئی بدبخت اپنی جہالت و نادانی سے اُسکے وجود باوجود کا انکار کرتا ہے - اور کوئی اُسکی مخلوقات میں سے کسیکو اُسکا شریک و ہمسر بناتا ہے اور کوئی اُسکے کلام پاک کو سُنکر تیوری چڑہاتا اور مُونہہ بُنہاتا - اور پیٹھ پھراتا اور مال و دولت اور اولاد و احفاد کی کثرت کے گھمنڈ پر یہہ کہدینے کی جرات کرتا ہے " اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ اِنْ هٰذَا اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ " [۵۱] اور اُس مالک الملک کے قہر و غضب کی آگ سے جسکی تیزی و تندی کو دنیا کی کوئی آگ بھی نہیں پہنچ سکتی نہیں ڈرتا - اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ -

الحاصل آپ نے اُس مغوی کی چکنی چُپڑی باتوں پر کچھ بھی التفات نفرمایا اور اُسکو اُسیطرح مایوس کردیا جس طرح حضرت مسیح نے اُس شیطان کو ناامید

---

[۵۱] مشرکین مکہ میں سے ایک مُشرک کی طرف اشارہ ہے جسکا ذکر قرآن مجید کی سورہ مدثر میں ہے - ۱۲ مؤلف عفی عنہ

کردیا تھا جو اُنکے بہکانے کو آیا تھا* مگر افسوس ہے کہ اس تدبیر کی ناکامیابی
نے مشرکوں کو مظلوم مسلمانوں کی تکلیف دہی پر پہلے سے بھی زیادہ آمادہ
کردیا۔ اور مجبوری آپکو اپنے ستم رسیدہ اصحاب کو چند سے مُلک حبش میں
جا رہنے کی ہدایت فرمانی ضرور ہوئی۔ چنانچہ سب سے پہلے پندرہ شخص
اپنے پیارے وطن اور خانماں سے دست بردار ہوکر وہاں چلے گئے۔ اور
اُنکے بعد اَور بہت سے مرد اور عورتیں جنہوں نے راہ خدا میں بڑی بڑی
سختیاں اُٹھائی تھیں۔ اور جنکی تعداد قریب ایکسو کے تھی اُنکے شریک جا ہو
مگر دشمنوں نے وہاں بھی پیچھا نہ چھوڑا اور بہت سے تحایف لیکر بادشاہ حبش
کے پاس جو عیسائی تھا گئے۔ اور کہا کہ اِن فراریوں کو جو اپنے آبائی دین سے
پھر گئے ہیں ہمکو سپرد کردیجئے! چنانچہ اُسنے مسلمانوں کو بُلا بھیجا اور پوچھا
کہ وہ نیا دین کیا ہے؟ کہ جسکی خاطر تمنے اپنے باپ دادا کے مذہب کو چھوڑ
دیا۔ اور نہ ہمارا ہی دین اختیار کیا اور نہ کسی اَور قوم کا۔ پس حضرت جعفرؓ
نے جو جناب علیؓ مُرتضےٰ علیہ التحیتہ والثنا کے حقیقی بھائی تھے ایسے موثر
انداز سے تقریر کی اور بادشاہ کی خواہش سے قرآن مجید کی چند آیتیں ایسے
لب ولہجہ سے پڑہیں کہ بقول مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب اور اَور
مستند مؤرخین کے اُسکا ایسا اثر ہوا کہ بادشاہ اور دربار کے بڑے بڑے
پادری جو انجیلیں کھولی بیٹھے تھے زار زار رونے لگے۔ اور بادشاہ نے
قریش کے سفیروں کو دھتکار کر نکلوادیا اور مسلمانوں کو کہا کہ بلاخوف وخطر

---

* دیکھو چوتھا باب انجیل متے۔ مؤلف عفی عنہ

یہاں رہو۔ ممکن نہیں کہ میرے ہوتے کوئی شخص تمکو تکلیف پہنچا سکے
چنانچہ باسورتھ سمتھ صاحب لکھتے ہیں کہ "دس برس اور
گزر گئے اور محمدؐ کے اصول مذہب باوجودیکہ چاروں طرف سے
نہایت سخت اندیشوں اور مزاحمتوں کی بوچھار ہوتی تھی صرف اپنے اخلاقی
ذریعوں اور اپنی ذاتی قوت سے اپنا رستہ صاف کرتے جاتے تھے
مگر جسقدر کہ اُسکے پیرؤوں کی تعداد بڑھتی گئی اوسیقدر مخالفین کا تشدد اور
ایذا رسانی بھی جو اُسکے معتقدین کو برداشت کرنی پڑتی تھی زیادہ ہوتی گئی۔ اور
آخرکار محمدؐ نے یہہ پسند نہ کرکے کہ اُسکے پیرو اپنے نئے مذہب میں
داخل ہوتے ہی ایسے پُر ملال امتحان میں مبتلا ہو جائیں اُنہیں یہہ صلاح
دی کہ ملک حبش میں جاکر پناہ گزیں ہوں۔ چنانچہ پندرہ آدمیوں نے
اُسکی صلاح مانی اور محمدؐ بدستور وہیں رہے۔ اِن لوگوں کا محمدؐ کی صلاح کو
مان لینا کچھ افسوس کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ اوّل تو اگر کسی ثبوت کی ضرورت
ہو تو یہہ ایک یقینی ثبوت اس امر کا ہے کہ اِس تمام زمانہ میں محمدؐ کی اصل
قوت اُس شے میں تھی جسکو دنیا اُسکی کمزوری کہیگی (یعنی اپکا بے یار و مددگار
ہونا) دویم یہہ کہ اِس واقعہ کے سبب سے جو ہجرت کہلاتا ہے ہمیں
نبی عربی کی ابتدائی تعلیم کا ایک اعلیٰ درجہ کا خلاصہ ہاتھ آیا ہے جو ابتک
ہمارے پاس موجود ہے۔ قوم قریش نے نجاشی بادشاہ حبش کے
پاس یہہ پیغام بھیجا کہ اِن فراریوں کو ہمارے حوالہ کردو تاکہ ہم اِنہیں قتل
کر ڈالیں۔ لیکن اِس گروہ میں سے جعفر نامے ایک شخص سامنے آئے

جُھکر بادشاہ اور اُن پادریوں کے سامنے جو اسی غرض سے بلائے گئے
تھے اور انجیلیں ساتھ لیکر آئے تھے اپنے تبدیل مذہب کا حال مندرجہ ذیل الفاظ
میں بیان کیا" صاحب موصوف نے آگے ترجمہ حضرت جعفر کی تقریر کا
لکھا ہے مگر ہم تاریخ ابن ہشام سے اُسکو بلفظہٖ نقل کرتے ہیں اور وہ یہ ہے

"فقال جعفر ایّھا الملک کنّا قوماً اھل جاھلیّۃ نعبد الاصنام و
نأکل المیتۃ ونأتی الفواحش ونسیی الجوار ویأکل القوی الضعیف
فکنّا علی ذالک حتّی بعث اللہ الینا رسولاً منّا نعرف نسبہ وصدقہ
وامانتہ وعفافہ فدعا الی اللہ لنوحّدہ ونعبدہ ونخلع ماکنّا نعبد
نحن وآباءنا من دونہ من الحجارۃ والاوثان وامرنا ان نعبد اللہ وحدہ
ولانشرک بہ شیئاً وامرنا بالصلوٰۃ والزکوٰۃ والصیام [فعدد علیہ
امورالاسلام ثمّ قال] وامر بصدق الحدیث واداء الامانۃ و
صلۃ الرحم وحسن الجوار والکفّ عن المحارم والدماء ونھینا
عن الفواحش وقول الزور واکل مال الیتیم وقذف المحصنات
فصدّقناہ واتّبعناہ علی ماجاء بہ من اللہ تعالٰی فعبدنا اللہ تعالٰی
وحدہ ولانشرک بہ وحرّمنا ماحرّم اللہ علینا واحللنا مااحلّ لنا
فعدی علینا قومنا فعذّبونا وفتنونا عن دیننا لیردّونا علی عبادۃ
الاوثان من عبادۃ اللہ تعالٰی وان نستحلّ ماکنّا نستحلّ من الخبائث
لمّا قھرونا وظلمونا وضیّقوا علینا وحالوا بیننا وبین دیننا خرجنا
الی بلادک واخترناک علی من سواک ورغبنا فی جوارک ورجونا ان

لَا نُظْلَمُ عِنْدَكَ يَا اَيُّهَا الْمَلِكُ " یعنی حضرت جعفر نے کہا کہ اے بادشاہ ہم ایک جاہل اور گمراہ قوم تھے بُت پوجتے تھے۔ مُردار گوشت کھاتے تھے۔ بدکاریاں کرتے تھے۔ ہمسایوں سے بدی پیش آتے تھے۔ زبردست کمزور کا مال کھا جاتا تھا۔ اور ایک مدّت سے ہماری یہی حالت چلی آتی تھی۔ یہانتک کہ خُدا نے ہمارے ہی میں سے ہمارے پاس ایک پیغمبر بھیجا جسکی شرافت نسب۔ راستبازی۔ ایمانداری اور پاکدامنی سے ہم خوب واقف تھے۔ پس اُسنے ہمکو خدا کی طرف بُلایا تاکہ ہم صرف اُسی ایک خدا کو خدا جانیں اور اُسی کی عبادت کریں۔ اور اُن بتوں اور پتھروں کی پرستش چھوڑ دیں۔ جنکو ہم اور ہمارے باپ دادا پوجتے تھے۔ اور حکم دیا کہ ہم صرف خدا ہی کی عبادت کریں اور کسی چیز کو ذات اور صفات اور استحقاقِ عبادت میں اُسکے ساتھ شریک نکریں۔ اور ہمکو پانچوں وقت نماز پڑھنے اور سال بھر بعد بقیّہ مال کا چالیسواں حصّہ صدقہ دینے اور ماہ رمضان میں بیماری اور سفر کے سوا روزہ رکھنے کا حکم دیا [پھر ایک ایک کرکے تمام احکام اسلام اُسکے سامنے بیان کئے اور کہا کہ] اُس پیغمبر نے ہمکو سچ بولنے اور امانت کو اُسکے مالک کے پاس پُہنچا دینے اور قرابت داروں سے رعایت و مروّت کرنے اور ہمسایوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنے اور بُرے اور حرام کاموں اور خون خرابوں سے بچنے کا حکم دیا۔ اور بدکاریوں اور جھوٹی گواہی دینے۔ اور بن ماں باپ کے بچّوں کا مال کھا لینے۔ اور پاکدامن عورتوں پر تُہمت لگانے سے منع کیا۔ پس ہمنے اُسکو سچّا جانا۔ اور جو احکام خُدا کی طرف سے اُسنے

پہنچاے اُن سب کی پیروی اختیار کی - پس ہم صرف ایک ہی خدا کی عبادت کرتے ہیں - اور کسی چیز کو کسی بات میں بھی اُسکے ساتھ شریک نہیں کرتے - اور جو چیز خدا نے ہمپر حرام کردی ہے اُسکو حرام - اور جو حلال کردی ہے اُسکو حلال جانتے ہیں - پس اس بات پر ہماری قوم ہماری دشمن ہوگئی - اور طرح طرح سے ہمکو دُکھ دیا اور ہمکو ہمارے دین سے پھرانا چاہا - کہ خدا کو چھوڑکر پھر بُت پوجنے لگیں - اور جن بُری باتوں اور چیزوں کو ہم پہلے جائز سمجھتے تھے اُنکو جائز جانیں - پس جبکہ اُنہوں نے ہمکو نہایت عاجز کردیا - اور طرح طرح کے ظلم کیے - اور نہایت تنگ و دق کیا - اور ہمارے دین میں ہمارے مزاحم ہوئے تو ہم اپنا وطن چھوڑکر اور تجکو اَور بادشاہوں کی بہ نسبت اچھّا جانکر تیرے مُلک میں چلے آئے - اور یہہ اُمید کرکے کہ تیرے ہوتے کوئی شخص ہمپر ظلم نکرسکیگا تیری پناہ اختیار کی "

حضرت جعفر کی یہہ تقریر بے نظیر حقیقتاً اسکی مستحق ہے کہ مستند مورخین اِسکو نہایت غور و وقعت کی نگاہ سے دیکھیں کیونکہ اسلام سے پہلے اہل مکّہ کی جو تیرہ و تار حالت تھی اور پھر اسلام نے جو روحانی و اخلاقی روشنی اُنمیں پھیلائی یہہ تقریر اُسکا اگرچہ مختصر مگر ایسا صحیح فوٹو ہے کہ حق پسند و حق بیں آنکھ کو اُسے دیکھکر اسلام کی روحانی و نورانی صورت گویا سامنے نظر آنے لگتی ہے اور اُسکی صداقت و حقیقت کا ایک گہرا اور پایدار نقش دلپر بیٹھ جاتا ہے -

ہجرت حبشہ کے متعلّق یہہ بات فروگزاشت نہیں کیجاسکتی کہ مہاجرین میں سے بعض اشخاص یہہ غلط افواہ سُنکر کہ قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کے ساتھ صُلح کرلی ہے تخمیناً تین مہینے بعد مکہ کو واپس چلے آئے تھے۔ مگر قریب پہنچکر جب اس خبر کی غلطی معلوم ہوئی تو بمجبوری کوئی مخفی طور پر اور کوئی اپنے کسی رشتہ دار وغیرہ کی پناہ لیکر شہر میں آگیا۔ مگر اللہ رے غیرت اسلام و توکل بخدا کہ عثمان بن مظعون کو معاً یہہ خیال آیا کہ کیا خدا سے عزّوجل کو چھوڑکر میں ایک ذلیل مشرک کی پناہ لوں۔ پس اس پکے اعتقاد نے فوراً وَلِیدْ بن مُغِیرَہ کو جو اُنکی حفاظت کا ذمہ دار بنا تھا جاکر کہدیا کہ مجکو تیری پناہ کی حاجت نہیں۔ ہمدریں اثنا ایک مشہور و معروف شاعر نے جسکا نام لَبِیدْ تھا ایکروز قریش کے مجمع میں اپنا یہہ شعر پڑھا ؎ اَلَاکُلُّ شَیئٍ مَاخَلَا اللّٰہُ بَاطِلٌ + وَکُلُّ نَعِیمٍ لَا مُحَالَۃَ زَایِلُ۔ یعنی آگاہ ہو کہ خُدا کے سوا ہر ایک شے باطل ہے۔ اور ہر ایک نعمت بیشبہ زوال پذیر ہے۔ پس عثمان نے پہلے مصرع کو سُنکر کہا "صَدَقْتَ" یعنی تو نے سچ کہا۔ مگر جب دوسرا مصرع پڑھا تو کہا "کَذَبْتَ" یعنی تو جھوٹ کہتا ہے۔ نعماے جنّت دایمی اور لازوال ہیں جس سے لَبِیدْ کو بہت رنج ہوا اور اُسنے اہل مجلس کو کہا کہ تمہاری مجالس کا تو یہہ ڈھنگ تھا اور نہ تمسخر کرنا ہی تمہاری شان سے تھا۔ پس اُنمیں سے ایک نے اُٹھکر عثمان کے مونہہ پر ایسے زور سے تھپڑ مارا کہ اُنکی آنکھ کو سخت صدمہ پہنچا اور وَلِیدْ نے طنزاً کہا کہ کیوں؟ میری پناہ ترک کرنیکا مزا دیکھا؟ جسکا اُس بزرگوار نے یہہ ایمان وایقان سے بھرا ہوا جواب دیا کہ "میری دوسری آنکھ بھی خدا کی راہ میں طپانچہ

کھانیکو حاضر ہے اور خدا کے سوا کسیکی پناہ کا محتاج نہیں[51] اور اپنے اِس نہایت صابرانہ چلن سے اُس نصیحت کی تعمیل گویا آنکھوں سے کر دکھائی جو جناب مسیح نے اپنے مریدوں کو کی تھی کہ "ظالم کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے دہنے گال پر طپانچہ مارے دوسرا بھی اُسکی طرف پھیر دے" اسی زمانہ کے قریب آنحضرت کے چچا حمزہ بن عبد المطلب جو شجاعت وسخاوت اور عظم وشان میں بہت کچھ جناب مرتضوی سے مشابہہ تھے مشرف باسلام ہوئے۔ اور اُن سے تین دن بعد عمر بن خطّاب جو ابتک جناب رسول خدا کے نہایت دشمن او مسلمانونکو تکلیف واذیّت پہنچانے میں ویسے ہی تند وتیز تھے[52] جیساکہ عیسائی ہونے سے پہلے سینٹ پال عیسائیوں کو دکھ دینے میں چست وچالاک تھا[53] یکایک ایمان لے آئے۔ لکھا ہے کہ ایکروز تلوار باندھکر اس قصد سے گھر سے نکلے کہ جاکر آنحضرت کو شہید کر ڈالیں مگر رستہ میں ایک شخص نے جو باطناً مسلمان تھا انکا ارادہ معلوم کرکے کہاکہ اُنکو قتل کرنے کیا چلے ہو پہلے گھر کی توخبر لو کہ بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہوگئے ہیں جس سے اُنکو نہایت طیش آیا او سیدھے بہن کے ہاں گئے۔ اتفاقاً وہ اور اُسکا

---

[51] دیکھو تاریخ ابن ہشام صفحہ [۲۴۴] اور تاریخ ابن اثیر جلد دویم صفحہ [۳۱] مولف

[52] دیکھو تاریخ ابن ہشام صفحہ [۲۲۴ - ۲۲۶] اور تاریخ ابن اثیر جلد دویم صفحہ [۱۳۴] اور تاریخ ابو الفدا جلد دویم صفحہ [۱۲۰] مولف عفی عنہ

[53] دیکھو رسالہ اعمال حوارین باب نہم آیت پہلی۔ مولف عفی عنہ

خاوند اور اصحاب رسول میں سے ایک شخص جو انکو قرآن پڑھایا کرتا تھا
اوراق ہاتھ میں لیئے ہوئے سورہ طٰہٰ پڑھ رہے تھے کہ یکایک یہہ
آن پہنچے اور وہ انکی آہٹ پا کر چپ ہوگئے اور کاغذ کو چھپا لیا اور جب
اِنکے پوچھنے پر انہوں نے کہا کہ ہمتو کچھ نہیں پڑھتے تھے تو طیش میں
آکر بہنوئی پر جھپٹے اور اُسکی بیوی جو اُسکے بچانے کو اٹھی تو اسکو ایسا مارا
کہ اُسکے سر میں سے خون نکل آیا۔ مگر جب عہد لیکر اُسنے وہ کاغذ انکو دیدیا
تو پڑھتے ہی کچھ ایسا اثر دلپر ہوا کہ آئے تو آنحضرت کے قتل کے ارادہ سے
تھے مگر جاتے ہی قدموں پر گر پڑے ۔ اور عرض کیا کہ مجکو بھی دولت اسلام
سے مالامال فرمایئے ۔ اور پھر سیدھے حرم کعبہ میں آکر علانیہ کہا کہ میں تو محمدؐ
اور اُنکے خدا پر ایمان لے آیا اور تمام دن مشرکوں کے ساتھ لڑائی اور مارپیٹ
میں گزارا*۔ حضرت حمزہؓ و عمرؓ کا بعثت کے پانچ سال بعد مذہب
اسلام کو قبول کر لینا یقینی طور پر اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ جو لوگ مسلمان
ہوتے تھے وہ یوں ہی نہیں بلکہ خوب غور و تامل اور حق و ناحق کے
سمجھ لینے کے بعد یہہ نیا مذہب جو اُنکے پیدایشی و تربیتی دونوں طرح کے
خیالات کے بالکلیہ برخلاف تھا اختیار کرتے تھے ۔ اور یہہ اسلام و
بانئ اسلام کی حقیت و صداقت اور قرآن مجید کے من اللہ ہونے کی
ایک نہایت مضبوط اور قوی دلیل ہے ۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا

---

* دیکھو تاریخ ابن اثیر جلد دویم صفحہ [۴۴۔۴۴] و تاریخ ابو الفدا جلد دویم صفحہ
[۱۱۹۔۱۲۰] و تاریخ ابن ہشام صفحہ [۲۲۴۔۲۲۷] مؤلف عفی عنہ

کے فاضل مؤلفین لکھتے ہیں کہ "جو یقین کہ اُسنے (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) اپنے قریب کے لوگوں یعنی خدیجہ - عمر اور ابوبکر ہ کے دلمیں پیدا کیا اور جو ہر طرح کی ذلت اور تکلیف اُسنے بارہ برس تک جھیلی اور نہایت جوانمردی سے ہر قسم کی دولت اور سرداری کے قبول کرنے سے انکار کر دیا جسکا حاصل ہونا اس شرط پر موقوف تھا کہ وہ اپنی کوشش سے باز آئے - اور نیز اُس سادگی مزاج اور طرز معیشت کا خیال کر کے جو اخیر وقت تک اُسکی ذات میں دیسی ہی رہی - ہم پریڈو - والٹیر اور مراکشی کی رائیں قبول نہیں کر سکتے - بلکہ اپنی بات کہنے میں مُھار - کاسن - کارلائیل - اَرونگ - اور دیگر مصنفین سے متفق ہیں کہ عام طور پر محمد صلعم کی صداقت کو مانیں اور اس بات کو قبول کریں کہ اُسکو اپنے آپ پر بھروسہ تھا اور وہ اپنی رسالت کو سچا سمجھتا تھا -"

سفارتِ حبشہ کی ناکامیابی اور حضرت حمزہ و عمرؓ کے اسلام نے مشرکین کے غیظ و غضب کو اَور زیادہ بھڑکایا - چنانچہ اُنھوں نے جھلا کر باہم یہہ عہد کر لیا کہ بنی ہاشم سے کسی قسم کا میل جول نرکھیں گے ! نہ اُن سے کوئی چیز خرید منگنے! اور نہ اُن کے پاس بیچیں گے نہ اُنکی بیٹی لینگے اور نہ اُنکو دینگے - اور تاکہ اس عہد و پیمان سے کوئی انحراف نہ کر سکے ایک کاغذ پر لکھکر کعبہ کے اندر لٹکا دیا - پس بنی ہاشم پہاڑ کے اندر پناہ لینے پر مجبور ہوئے اور کافروں نے پانی اور دانہ پہنچنا تقریباً بند کر دیا اور کامل تین برس تک یہی ظلم و ستم جاری رکھا - اور اگر خدا کافروں

میں سے بعض اشخاص کے دلوں کو نہ پھیر دیتا جو اس ظالمانہ عہد و پیمان کے ٹوٹ جانیکے باعث ہوئے تو معلوم نہیں مظلوم بنی ھاشم کا کیا انجام ہوتا* اب اگرچہ تین برس کے بعد اس عذاب سے نجات ہوئی۔ مگر چند ہی مہینے گزرے تھے کہ ایک اور بڑی مصیبت کا سامنا ہوا۔ یعنی اول آپکی پچیس برس کی رفیق و وفادار زوجہ خدیجہ نے پینسٹھ برس کی عمر میں قضا کی! اور پھر چند روز بعد آپ کے جان نثار چچا ابوطالب نے وفات پائی۔ جس سے آپ پر ایک کوہ مصیبت ٹوٹ پڑا۔ بنی ھاشم اپنے سردار کے گزر جانیسے آپکی کماحقہ حفاظت نکر سکے۔ اور جو اذیتیں اور ذلتیں مشرکین آپکو پہنچا رہے تھے اُن میں اور زیادہ شدت ہوئی۔ اور آپکو قطعی نااُمیدی ہوگئی کہ اب یہہ لوگ بُت پرستی سے باز نہ آئینگے۔ پس یہہ خیال فرماکر کہ شاید قوم بنی ثقیف کو خدا توفیق قبول اسلام دے اور وہ آپکی حمایت و حفاظت پر آمادہ ہوں۔ آپ اپنے وفادار خادم زید بن حارثہ کو ساتھ لیکر متوکلاً علی اللہ شہر طائف کو جو مکہ سے مشرق کیطرف قریب ساٹھ میل کے ہے تشریف لیگئے۔ چنانچہ سر ولیم میور صاحب لکھتے ہیں کہ " محمد کے اس طائف کے سفر میں ایک نہایت اعلیٰ جوانمردانہ حالت پائی جاتی ہے۔ ایک یکہ و تنہا شخص جسکو اُسکی قوم کے لوگوں نے بالکل چھوڑ دیا تھا اور نہایت حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے خدا کے نام پر دلیرانہ آگے بڑھا جس طرح یونس نینوا کو گئے تھے

---

* دیکھو تاریخ ابن ہشام صفحہ [۲۳۰ - ۲۳۲] و تاریخ ابن اثیر جلد دویم صفحہ [۳۵ - ۳۶] و تاریخ ابوالفدا جلد دویم صفحہ [۱۲۱] مؤلف عفی عنہ

اور اُنہنے ایک بُت پرست شہر کو آگاہ کیا کہ توبہ کریں اور اُنکی رسالت کی تائید کریں اِس سے ایک نہایت قوی روشنی اس امر پر پڑتی ہے کہ اُسکو اپنے کام کے من اللہ ہونیکا کس شدت کے ساتھ یقین تھا۔" مگر وہاں کے لوگوں میں سے بھی کسیکو توفیق قبول اسلام نہوئی بلکہ قوم قریش کیطرح انکو بھی طیش آگیا۔ اور مجبوراً تین روز بعد آپکو وہاں سے پھر آنا پڑا۔ اور انہوں نے یہانتک بدسلوکی کی کہ کمینہ لوگوں کا ایک انبوہ اُنکو بُرا بھلا کہتا اور غل مچاتا ہوا تمام دن آپکو گھیرے رہا۔ اور ایسی دھکا پیل ہوئی کہ آپ کو ایک باغ کے حاطہ میں پناہ لینی پڑی مگر اللہ رے صبر و استقامت اور ایمان بخدا کہ اُسی حالت میں آپ نے انگور کی ایک بیل کے سایہ میں بیٹھکر بارگاہ احدیت میں یہہ مناجات کی۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَشْکُوْ اِلَیْكَ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّۃَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ۔ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ۔ اَنْتَ رَبِّیْ اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ؟ اِلٰی عَدُوٍّ یَتَجَھَّمُنِیْ۔ اَوْ اِلٰی عَدُوٍّ مَلَّکْتَہٗ اَمْرِیْ؟ اِنْ لَّمْ یَکُنْ عَلَیَّ غَضَبٌ فَلَا اُبَالِیْ۔ وَلٰکِنْ عَافِیَتُكَ ھِیَ اَوْسَعُ لِیْ۔ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْھِكَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَہُ الظُّلُمَاتُ وَصَلُحَ عَلَیْہِ اَمْرُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اَنْ یَّنْزِلَ بِیْ غَضَبُكَ اَوْ یَحِلَّ عَلَیَّ سَخَطُكَ لَكَ الْعُتْبٰی حَتّٰی تَرْضٰی وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِكَ* **یعنی** اے ربّ جلیل

---

* اس دُعا کے الفاظ ہمنے ناسخ التواریخ سے نقل کیئے ہیں۔ مگر جزوی تفاوت کے ساتھ ابن ہشام و ابن اثیر نے بھی اسکو اپنی مستند کتابوں میں روایت کیا ہے اور سر ولیم میور نے بھی اپنی کتاب میں ابن ہشام کی روایت کی موافق اسکا ترجمہ لکھا ہے۔ مؤلف

یہہ بندۂ مسکین و عبدِ ذلیل تیری بارگاہ عزت و جلال میں اپنی کمزوری اور صبر و قوّت کی کمی اور اپنی ذلّت و خواری کی فریاد لایا ہے - کیونکہ تو سب سے زیادہ رحم والا اور ہر ایک عاجز و ناتوان کا مددگار اور خود میرا مالک اور پروردگار ہے - تو مجھے کسکے حوالہ کرتا ہے؟ کیا ایسے دوست کے جو مجھے دیکھکر ناک بھوں چڑہائے؟ یا ایسے دشمن کے جسکو تو نے میرا معاملہ سونپ دیا ہے؟ لیکن اگر یہہ بلا تیری خفگی کی وجہ سے نہیں ہے تو مجکو اسکی کچھ پروا نہیں - مگر تیرا بچاؤ میرے لیئے بہت زیادہ وسیع ہے - مَیں تیری قدرت و رحمت کے نور میں جو تمام تاریکیوں کا روشن کر دینے والا اور دُنیا و آخرت کے بگڑے ہوئے کاموں کو سنوار دینے والا ہے تیرے غیظ و غضب کے نزول سے پناہ لیتا ہوں - لیکن اگر خفگی ہی میں میری بھلائی ہے تو تجھے وہانتک اختیار ہے کہ تو مجھسے راضی ہو جائے - اور بغیر تیری مدد کے نہ میں بُرائی ہی سے بچ سکتا ہوں اور نہ نیکی ہی کی طاقت و قدرت رکھتا ہوں"

اَب ناظرین حضرت نبیّ عَرَبی کی اس دُعا کا جناب نبیّ ناصری کی اُس دُعا سے مقابلہ کریں جو اُنہوں نے اپنے گرفتار ہو جانے کی رات کو کی تھی کہ" اے باپ اگر ہو سکے تو یہہ پیالہ مجھسے گزر جائے مگر نہ جیسا مَیں بلکہ جیسا تو چاہتا ہے" اور " اے باپ اگر ممکن نہیں کہ یہہ پیالہ میرے پینے بغیر مجھسے گزر جائے تو تیری مرضی ہو" اور دیکھیں کہ دونوں ایک ہی قسم کے مخرج سے نکلی تھیں یا اُسمیں کچھ فرق و امتیاز تھا -

مجھے یقین ہے کہ اگر بے تعصبی اور ناطرفداری کی آنکھ سے دیکھینگے تو کچھ بھی تفاوت نہ پائینگے - بلکہ یقیناً معلوم کر لینگے کہ جیسی تسلیم و رضا سے بھرے ہوے دل سے وہ نکلی تھی ویسے ہی بلکہ اُس سے بڑھکر ایمان وایقان اور تسلیم و توکّل میں ڈوبے ہوئے دل سے یہہ نکلی تھی - ۱۱

الغرض آپ کی اُموقت کی زار و زبون حالت کا اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ عُتبہ بن رَبیعہ اور اُسکے بھائی شَیبہ جیسے سنگدل دشمنوں سے بھی دیکھا نہ گیا اور اُنھوں نے ترس کھا کر تھوڑے سے انگور آپ کے لیئے بھیجے جنکو کھا کر آپ نے شکرِ خدا کیا - ✻

اَب آپ نے مایوس ہوکر قریش کو پند و نصیحت کرنا چھوڑ دیا تھا - اور صرف اُن قبایل کے لوگوں کو جو حج وغیرہ کے لیئے آتے تھے دعوت اسلام فرماتے تھے - مگر اُن میں سے بھی کسیکو توفیقِ قبول اسلام نہوئی بجز یثرب کے چھ شخصوں کے کہ جنھوں نے کلام الٰہی کو سُنا اور مُشرّف باسلام ہوئے - اور پھر بادِ بہاری کی طرح اُس نخلستان کے خوش نصیب رہنے والوں کے لیئے یہہ مژدہ لیتے گئے کہ سرزمین مکّہ میں ایک نبی پیدا ہوا ہے جو بندگان الٰہی کو خُدائے واحد و لاشریک کی طرف بُلاتا ہے - اور جسطرح مشک کی خوشبو پھیل جاتی ہے آپکا اور دین مبین اسلام کا چرچا وہاں پھیل گیا - چنانچہ کوئی گھر ایسا نہ تھا کہ جہاں آپکا ذکر خیر نہوتا ہو؛ اور کوئی صحبت ایسی نہ تھی جہیں لوگ دین اسلام کا چرچا نکرتے ہوں - پس سال کے ختم ہوتے ہی اُن نومسلموں

✻ دیکھو تاریخ ابن ہشام صفحہ [۲۸۰-۲۸۱] اور تاریخ ابن اثیر جلد دویم صفحہ [۳۷] مولف عفی عنہ

میں سے پانچ شخص نہایت شوق کے ساتھ پھر آپکی زیارت وطواف کعبہ کے لیئے آئے۔ اور اَوس وخزرج کی طرف سے جو یثرب کے دو بہت بڑے قبیلے تھے سات آدمیوں کو بطور وکیل اپنے ساتھ لائے اور اُسی جگہہ وہ بھی مشرف باسلام ہوئے جہاں یہہ ہوے تھے۔ اور یہہ عہد کیا کہ کسی چیز کو خدا کا شریک نہ بنائینگے۔ چوری نکرینگے۔ حرامکاری نکرینگے۔ قتل اولاد کے مرتکب نہونگے۔ یعنی نہ تو اُنکو بتوں پر قربانی چڑھائینگے اور نہ غیرت یا افلاس کیوجہ سے قتل کرینگے۔ غیبت و بدگوئی سے پرہیز کرینگے۔ اور ہر امر حق میں خدا کے رسول کی اطاعت کرینگے اور رنج و راحت میں شریک حال رہینگے۔ اور جب وطن کو جانے لگے تو آنحضرت نے اپنے اصحاب میں سے عبداللہ ابن اُمِ مکتوم اور مُصعِب بن عُمیر کو قرآن مجید اور ارکانِ اسلام کی تعلیم کے لیئے ساتھ کردیا۔ اور کلام آلہی کے وعظ نے یہہ اثر پیدا کیا کہ بہت سے لوگ شرک و بُت پرستی کو چھوڑ کر دینِ حق میں داخل ہوگئے۔ اور کوئی گھر ایسا نرہا جسمیں مسلمان مرد اور عورتیں موجود نہوں*

اسگلے برس حج کے موقع پر مُصعِب مکہ کو پھر آئے۔ اور بہت سے مسلمان اُنکے ساتھ آپکی زیارت کے لیئے حاضر ہوئے۔ اور انہیں مُشرک اہل قافلہ سے پوشیدہ تہتر مردوں اور دو عورتوں نے رسم ملک

---

* دیکھو تاریخ ابو ہشام صفحہ [۲۸۸] و تاریخ ابن اثیر صفحہ [۳۹] و تاریخ ابوالفدا جلد دوم صفحہ [۲۲۴] و تاریخ ابن خلدون جلد دویم صفحہ [۱۲] مولف عفی عنہ

سکے موافق آپکے ہاتھ میں ہاتھ دیکر عہد کیا کہ اگر آپ اور آپکے اصحاب ہمارے شہر کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرّف فرمائینگے تو ہم اپنے ہتھیار دے آپکی اور آپ کے اصحاب کی اُسیطرح حفاظت وحراست کرینگے جسطرح کہ اپنی اولاد وازواج کی کرتے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے بارہ آدمیوں کو آپ نے اُنکے اہلِ قبیلہ کی ہدایت وارشاد کے لیے منتخب فرمایا۔ اور ارشاد کیا کہ تم اُسیطرح اپنی اپنی قوم کے کفیل ہو جسطرح حواری عیسیٰ بن مریم کے لیئے کفیل تھے۔ اور میں اپنی قوم یعنی قریش کا ذمہ دار ہوں۔ یہہ معاہدہ اگرچہ ایسے وقت ہوا تھا جبکہ رات نے مشرکین مکّہ کی آنکھوں پر پردہ ڈالا ہوا تھا مگر ایک شیطان مشرک نے جو پہاڑی پر سے دیکھ رہا تھا اپنے ہمجنسوں کو آگاہ کردیا۔ اور وہ اکٹھے ہوکر یثرب کے قافلہ میں مسلمانوں کی تلاش کے لیئے گئے۔ اور جب کچھ پتہ نہ لگا تو پھر آئے۔ اور پھر دوبارہ گئے۔ اَب اگرچہ قافلہ کا کوچ ہوچکا تھا۔ مگر سَعْد بن عُبَادَہْ جو مذکورہ بالا بارہ شخصوں میں سے ایک تھے اُنکے ہاتھے چڑھگئے اور وہ اُنکو مارتے پیٹتے اور سر کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے مکّہ میں لے آئے اور بدبخت ابوجہل نے اپنے خُبث طبع کی یہانتک پیروی کی کہ خود یثرب کو گیا اور عَیَّاش بن رَبِیعَہ کو جو اُسکا ماں کیطرف سے بھائی تھا کہا کہ تیری ماں تیرے لیئے روتی ہے۔ اور کھانا پینا چھوڑدیا ہے تو مکّہ کو چل اور اِس فریب سے مکّہ میں لاکر اُسکو قید میں ڈالدیا*

---

* دیکھو تاریخ ابن ہشام صفحہ [۳۱۹ - ۳۲۰] مؤلف عفی عنہ

جو زمانہ مابین اِن دونوں بعثتوں کے گزرا وہ بھی منجملہ اُن زمانوں کے

تھا جو ابتک آپ پر نہایت صعب و شدید گزرے تھے - اور اسلئے مقابلہ

میں جو صبر و ثبات اور توکّل علی اللہ آپ سے ظہور میں آیا وہ ایسا بیمثل و بے نظیر

ہے کہ سر ولیم میور جیسے شخص کو بھی بحسن ماننے کے چارہ نہ ہوا - چنانچہ

وہ لکھتے ہیں کہ " پیغمبر اسلام اسطرح سے دشمنوں کے رنغہ میں گھرے ہوئے

تھے اور فتح مبین کے منتظر تھے - او ر ظاہر ایسے یار و مددگار تھے - اور

اُن کے اصحاب کا چھوٹا سا گروہ گویا شیر کے مونہہ میں تھا - تاہم اُنکو اُس

قادر مطلق پر بھروسہ تھا جسکا رسول وہ اپنے تئیں سمجھتے تھے - اور اُنکے

پاے ثبات میں ایک سر مو لغزش نہوئی تھی - غرض اس عالم مصیبت و تنہائی

میں وہ ایسے عالی مرتبہ و جلیل الشان معلوم ہوتے ہیں کہ کتب مقدسہ سماویہ

میں اُنکا عدیل و نظیر کوئی نہیں دکھائی دیتا - سوا ے اُس بنی اِسرائیل

کے نبی کے جسنے خداوند عالم سے یہہ شکایت کی تھی کہ میں اکیلا رہگیا ہوں "*

[یعنی حضرت الیاس علیہ السلام جو بعل نامے ایک بت کے پوجنے والونکی ہدایت

وارشاد کے لیئے مبعوث ہوئے تھے]

حق پسند ناظرین اُس عالیقدر مورّخ کا پیغمبر اسلام کے نہایت درجہ کے

توکّل علی اللہ اور علو مرتبت و جلالت شان کو ایسا صاف صاف مان لینا اور

بجز ایک کے تمام انبیاے بنی اسرائیل پر آپکو ترجیح دینا صاف دلی اور انصاف

کی راہ سے نہ سمجھیگا - بلکہ یہہ الجا رحق ہے کہ جسنے اُسکو ایسا لکھنے پر مجبور

* دیکھو کتاب لائف آف محمد جلد دوئم صفحہ [۲۲۸] مؤلف عفی عنہ

کوئی کتاب اُتار دے جسکو ہم پڑھ لیں" جن بیہودہ و نامعقول سوالات کے
جواب میں خدا نے اپنے پیغمبر کو فرمایا کہ "تو ان بے سمجھ کافروں سے کہہ
کہ پاک ہے میرا رب۔ دگار میں تو کچھ نہیں ہوں مگر ایک انسان بھیجا ہوا
یعنی رسول" ہم اسرائیلی مورخ سے سوال کرتے ہیں کہ آپ نے جو
انبیائے بنی اسرائیل فرزند اسمعیل کے مقابلہ کرنا چاہا ہے تو آپ نے انکی اور انکی رسالت
میں کیا چیز مابہ الامتیاز قرار دی ہے اور سچائی کا معیار کیا ٹھہرایا ہے؟ کیا لیسے
ہی ناممکن او خلاف عقل وہ بے تکے مطالبہ ان کے مطالبے تھے؟ افسوس تعصب نے تمام
انسان کو کیسا اندھا بنا دیا ہے کہ سرولیم میور سا جلیل الشان فاضل حمقائے
مکہ کا ہمزبان ہو کر اس روشنی و عقل کے زمانہ میں بھی ان امور کے
کر دکھانے سے انکار دینے کو جناب خاتم الانبیا علیہ التحیۃ والثنا کے
خلاف میں بطور حجت اور دلیل کے پیش کرتا ہے جو اس زمانہ کے ایک
کم سن لڑکے کے نزدیک بھی معقول اور ممکن الوقوع نہیں۔ اور اس معجزہ
کو نہیں دیکھتا جو ایسا قوی ہے کہ جسنے باوجود اس تعصب و مخالفت کے
جو اس مورخ کو بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے تقریباً تیرہ سو برس کے
بعد خود اُسکو اس بات کے لکھدینے پر مجبور کیا کہ "کتب مقدسہ سماویہ میں
انبیائے بنی اسرائیل میں سے کوئی نبی بھی بجز ایک کے آپ سا عالی مرتبہ و
جلیل الشان معلوم نہیں ہوتا" الغرض مشرکین کی آتش عناد بھڑک رہی تھی اور
مظلوم مسلمانوں کو نہایت درجہ ستاتے تھے جس سے مجبور ہو کر آپ نے اُنکو ہجرت کرنیکی
اجازت دی اور بہت سے مسلمان مرد اور عورتیں جس طرح جسکو موقع ملا ادہر اُدہر کو چلے گئے اور اس طرح مکہ کے

گھر کے گھر ویران ہوگئے۔ جنکو خالی دیکھکر عُتبہ بن ربیعہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور ایک پرانے شاعر کا یہہ شعر پڑھا **شعر**

"وَكُلُّ دَارٍ وَاِنْ طَالَتْ سَلَامَتُهَا + يَوْمًا سَتُدْرِكُهَا النَّكْبَاءُ وَالْحُوْبُ"

یعنی ہر ایک گھر خواہ کتنی ہی مدت تک آباد رہا ہو آخر ایک نہ ایک دن بادِ حوادث اُسپر چل جائیگی اور خراب و برباد ہو جائیگا اور پھر نہایت اندوہ و غم کے ساتھ بولا کہ یہہ سب کچھ ہمارے اس بھائی کے بیٹے [محمد صلعم] نے کیا ہے۔ جسنے ہماری جماعتوں کو پراگندہ اور معاملات کو ابتر اور قوم کو تتر بتر کر دیا ہے*

سبحان اللہ حضرت نبی عربی و نبی ناصری علیہما الصلوٰۃ والسلام کے حالات میں کیسی عجیب و غریب مشابہت ہے کہ جسکو دیکھکر حیرت ہوتی ہے۔ جناب ابن مریم نے اپنی نسبت فرمایا تھا کہ "یہہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں۔ صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں۔ کیونکہ میں اسلیئے آیا ہوں کہ بیٹے کو باپ سے اور بیٹی کو ماں سے اور بہو کو ساس سے لڑوادوں" پس یہی حال بعینہ اسمٰعیل کے اکلوتے پوتے حضرت محمد صلعم بن عبداللہ کا ہوا۔ البتہ اتنا فرق رہا کہ انہوں نے یہہ خود اپنی نسبت فرمایا تھا اور انکی نسبت اقوام عرب میں تفرقہ ڈالدینے کا اتھام ایک ایسے شخص نے لگایا جو نہایت سخت مشرک اور غایت مرتبہ کا آپکا دشمن تھا۔

جب آپ کے اصحاب دو دو تین تین کرکے یثرب کو چلے گئے اور صرف آپکے فدائی بھائی علی مرتضےٰ اور ابوبکر صدیق اور

* دیکھو تاریخ ابن ہشام صفحہ [۳۱۷] مولف عفی عنہ

اُنکے گھر نیکے لوگ آپکے پاس رہگئے تو مشرکوں کو اندیشہ ہوا کہ مبادا آپ بھی بچکر نکل جائیں۔ اسلیئے اُنکے سب سردار مشورہ کرنیکے لیئے جمع ہوئے۔ اور ایک شیطان بڈھا بھی جو اپنے تئیں نجد کا رہنے والا کہتا تھا اُن میں شامل آہوا دربے سے پہلے یہہ تجویز ہوئی کہ طوق و زنجیر ڈالکر آپکو ایک مکان محفوظ میں قید کردیا جاوے! اور ایک روزن میں سے آب و طعام دیدیا جایا کرے۔ جیسا پہلے بعض فتنہ پرداز شاعروں کے ساتھ کیا گیا ہے۔ مگر اُس ملعون بڈھے نے کہا کہ یہہ عقل کی بات نہیں۔ کیونکہ اُسکے اصحاب جب یہہ خبر پائینگے تو تمپر حملہ کرکے اُسکو چھڑا لیجائینگے۔ اسپر جب ایک دوسرے شخص نے یہہ رائے دی کہ پس بہتر ہے کہ ہم اُسکو ایک سرکش اونٹ پر بٹھاکر شہر سے نکال دیں! اور پھر ہماری بلا سے خواہ کہیں چلا جاوے۔ تو اُسی شیطان نے پھر کہا کہ کیا تم اُسکی لطفِ زبان و حلاوتِ بیان سے ناواقف ہو؟ وہ عرب کے کسی نہ کسی قبیلہ کو اپنی میٹھی باتوں سے پھسلا لیگا۔ اور پھر آکر تمکو کچل ڈالیگا۔ اور حکومت و سرداری چھین لیگا۔ پس بدبخت ابوجہل نے کہا کہ مناسب یہہ ہے کہ ہم ہر ایک قبیلہ میں سے ایک ایک جوان آدمی کولیں اور اُنکو تلواریں دیں اور وہ اسطرح پر اکٹھے محمدؐ پر گریں کہ گویا ایک ہی شخص نے اُسے قتل کیا ہے!!! تاکہ اُسکا خون تھوڑا تھوڑا سب قبیلوں کے ذمہ لگ جائے۔ اور اُسکے قبیلہ کے لوگ تمام قوم کے ساتھ لڑنا ناممکن سمجھکر خوں بہا کے لینے پر راضی ہو جائیں۔ یہہ سنکر اُس بڈھے نے کہا کہ بس اس سے بہتر کوئی تجویز نہیں ہے۔ اور یہہ ٹھہرا کر سب لوگ اپنے اپنے گھر کو چلے گئے۔ چنانچہ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو خدا نے آنحضرت کو

مخاطب کرکے فرمایا " اِذْ یَمْکُرُ بِكَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ اِلَی آخر الآیہ **یعنی** یاد کر اسوقت کو جبکہ کافر مسکر میں تھے کہ تجکو قید کرلیں - یا قتل کرڈالیں یا مکہ سے نکال دیں " اور اسی دن کی رات کو جوں جوں اندھیرا ہوتا گیا قاتل آپکے بیت اشرف کے گرد جمع ہوتے گئے * اور خدا نے یا یوں سمجھو کہ اُس الہام طبعی نے جو ہر ایک ذی حیات کو ہمیشہ حفظ جان پر آمادہ رکھتا ہے اور جسکی ہدایت حضرت نبیّ ناصری بقول ڈین ملمین صاحب اکثر دشمنوں کے شر سے بچتے پھرے ‡ جناب رسول کو بھی اس خوف سے آگاہ کردیا اور آپ نے اپنے جاں نثار بھائی علیؑ بن ابیطالب کو فرمایا کہ آج تم میری جگہہ میرے بستر پر لیٹ رہو - اور میری سبز چادر اوڑھ لو - تاکہ دشمنوں کو یہی گمان رہے کہ میں اپنے بستر پر پڑا ہوں اور یقین جانو کہ خدا کے فضل سے تمہارا بال بھی بیکا نہو گا - اور قرآن مجید کی یہہ آیت پڑھتے ہوئے " جَعَلْنَا مِنْ بَیْنِ اَیْدِیْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَیْنٰهُمْ فَهُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ "

---

* اگرچہ ابن ہشام - ابن اثیر - ابو الفدا - گبن وغیرہ مستند مورخوں نے اس واقعہ کو اسیطرح بیان کیا ہے جسطرح ہمنے لکھا ہے - مگر سر ولیم میور کو چونکہ مشرکوں کا اس الزام سے بچانا منظور ہے - فرماتے ہیں کہ " انکا ارادہ آنحضرت کے قتل کا نہ تھا - بلکہ قوم کی طرف سے بطور سفارت آئے تھے " مؤلف عفی عنہ

---

‡ دیکھو تاریخ دین مسیحی جلد اوّل صفحہ [۲۵۳] مصنّفہ ڈین ملمین صاحب - مؤلف عفی عنہ

یعنی بنا ہی ہمنے اُنکے آگے اور اُنکے پیچھے دیوار پھر اوپر سے اُنکو ڈھانک دیا۔ پس وہ کچھ نہیں دیکھتے۔ اُسیطرح دشمنوں میں سے نکل گئے* جسطرح جناب مسیح قاتل یہودیوں کے نرغہ میں سے بےخبر نکل گئے تھے† اور خدا نے کافروں کو ایسا اندھا کردیا کہ جیسے کسی نے انکھوں میں مٹی ڈالدی ہو اور ابُوبکر صدّیق کو ساتھ لیکر ثورؔ نامے پہاڑی کے ایک غار میں جو مکّہ سے قریب ڈھائی میل کے جنوب کیطرف تھا جا چھپے۔

گبن لکھتا ہے کہ ”اگرچہ قاتل دروازہ پر نگہبانی کررہے تھے مگر وہ دھوکے میں آکر علی کو محمدؐ سمجھے ہوئے تھے جو رسوؔل کے بستر پر اُسکی سبز چادر اوڑھے ہوئے سورہا تھا“ اور کہتا ہے کہ ”صرف خاندانِ قریش ہی کے لوگوں نے اِس نوجوان ہیرو کے اس اعلیٰ درجہ کے کام کو جس سے ثابت ہوگیا کہ اُسکے دل میں اپنے چچازاد بھائی کی کس درجہ قدر و منزلت ہے قابلِ قدر خیال نہیں کیا۔ بلکہ خود اُسکے چند اشعار جو ابتک مشہور ہیں اُس قوی یقین کی جو اُسکو اپنے

* مسٹر گاڈفرے ہیگنس اپنی کتاب کے تیسویں فقرہ میں لکھتے ہیں کہ ”یہہ سب بموجب امکان اور تجربہ معاملات بنی آدم کے مقتضائے طبع انسانی ہے۔ ایسا ہی کچھ ایسے حالات میں سُقراط۔ فیثاغورث۔ موسےٰ۔ لوتھر اور بہت سے لوگوں اور خود مسیح کو بھی واقع ہوا۔ مولف عفی عنہ

† دیکھو اِنجیلِ متّٰی باب بارہواں۔ آیت پندرھویں۔ اور اِنجیل مرقس باب تیسرا۔ آیت ساتویں۔ مولف عفی عنہ

مذہب پر تھا اور نیز اُس فکر و تردد کی جو اُسکو اپنے چچا اور بھائی کے باب میں تھا ایک دلچسپ تصویر ہے" اور پھر تین دن غار میں چھپے رہنے اور ابوبکر صدیق کے بیٹے اور بیٹی کا مخفی طور سے کھانا اور خبر اخبار پہنچاتے رہنے کا ذکر لکھکر لکھتا ہے کہ "قریش لوگوں نے محمد کی تلاش میں مکہ کی تمام نواح چھان ڈالی - وہ اُس غار پر بھی پہنچے جسمیں وہ اور اُسکا ساتھی چھپے ہوئے تھے - مگر یہہ خیال کیا جاتا ہے کہ مکڑی کے جالے اور کبوتر کے گھونسلے نے جو خدا نے کافروں کے دھوکا دینے کے لئے پیدا کر دیا تھا اُنکو یہہ یقین دلایا کہ اس جگہہ کوئی نہیں ہے - اور نہ کوئی وہاں آیا ہے* ابوبکر نے خوف سے کانپ کر کہا " ہم تو صرف دو ہی ہیں" مگر محمد صلعم نے کہا " نہیں ہمارے ساتھ ایک تیسرا بھی ہے - اور وہ خود خداوند تعالی ہے "انتہے - چنانچہ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو خدا نے فرمایا ہے " فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ " **یعنی** پس بے شبہ مدد کی اُسکی خدا نے جبکہ نکال دیا اُسکو کافروں نے جو تھا دو میں کا ایک غار میں جبکہ کہتا تھا اپنے ساتھی کو غم نکر بیشک خدا ہمارے ساتھ ہے - اور اُتاری خدا نے اپنی تسلی اُسپر [یعنی اپنے پیغمبر پر]"

* مسٹر گاڈفرے ہیگنس اپنی کتاب کے نقرہ [۹۶] میں لکھتے ہیں کہ " مجکو گمان ہے کہ اگر کوئی شہر روما کا ولی اسطرح بچجاتا تو دین عیسوی کے لوگ بعضی کرامتیں اس سے زیادہ قایم کرتے - مگر شاید مکڑی کے جالا تننے اور فاختہ کے انڈے دینے کا معجزہ جکبا کو زیادہ پسند ہو" مؤلف عفی عنہ

فی الواقع یہ سکینہ ربّانی ہی کے نزول کا نتیجہ تھا کہ باوجود اسکے کہ آپکے رفیق کو بقول گبن " نہایت خوف و اضطراب ہوا " آپ مطلق نہ گھبرائے اور وہ قوت ربانی آپ کے دل کو تھامے ہی جسکا نام الہامی زبان میں سکینہ الٰہی ہے۔

اہل تاریخ کا اسپر اتفاق ہے کہ تین دن کے بعد جب جستجو کا شور و شر کم ہوگیا تو آپ سواری شتر غیر معمولی رستے سے عازم یثرب ہوئے۔ اور تمام رات اور اگلے دن کی دوپہر تک برابر چلے گئے۔ اور کوئی مخالف آپکو نہیں ملا۔ مگر چونکہ قریش کے سرداروں نے سو اونٹ کا انعام کثیر مقرر کیا تھا اور آپکی تلاش میں چاروں طرف سوار دوڑا دیئے تھے پس سراقہ بن مالک نامے ایک سوار خونخوار ہاتھ میں نیزہ لیئے ہوئے آپہنچا۔ جسکو آتے دیکھکر بقول ابن اثیر و ابوالفدا ابُوبکر صدیق نے عرض کیا "یَا رَسُوْلَ اللّٰہ اَدْرَکَنَا الطَّلَبُ" یعنی یا رسول اللہ ہمارا متلاشی تو آن پہنچا۔ مگر آپ نے پھر وہی توکل سے بھرا ہوا جواب دیا۔ جو پہلے دیا تھا۔ یعنی " ڈرو نہیں ہمارا بچانے والا بیشک ہمارے ساتھ ہے "۔

فی الحقیقت خداوند تعالیٰ آپکے ساتھ تھا اور اُسکے حفظ و حرمت کا یہ نتیجہ تھا کہ آپکی طرف آتے ہوئے اُس سوار کا گھوڑا اور وہ خود دوبار مونہہ کے بل گرا۔ اور اسقدر ہیبت اُسپر طاری ہوئی کہ چلاکر عرض کیا کہ میرا قصور معاف فرمایئے میں وعدہ کرتا ہوں کہ جو لوگ آپکی تلاش میں نکلے ہیں سب کو پھیر لیجاؤنگا چنانچہ اُسنے ایسا ہی کیا بھی۔ اور آپ مصئون و محفوظ قطع مسافت فرماتے ہوئے

بقول ابن ہشام وغیرہ مورخین کے بارھویں ماہ ربیع الاول کو پہرے دن دوپہر کے قریب قُبا نامے گانوں میں جو یثرب کے جنوب میں دو میل کے فاصلہ پر ہے آپ بسلامت تشریف فرما ہوئے۔ اور بانتظار جناب علی مرتضےٰ وہاں قیام فرمایا۔ اور جیسا کہ آپ نے انکو الہام آلہی کے موافق فرمایا تھا کہ "خدا کے فضل سے تمہارا بال بھی بیکا نہو گا" ویسا ہی ظہور میں آیا۔ اور قریش باوجود اس غیظ وغضب کے جو آنحضرت کے سلامت نکل جانے کی وجہ سے انپر طاری تھا آپکو کچھ مضرت نہ پہنچا سکے اور آپ نہایت دلیرانہ طور پر تین رات دن مکہ میں ٹھہرے رہے۔ اور لوگوں کی امانتیں جو آنحضرت کے پاس تھیں اُنکے مالکوں کو واپس دیکر اُس سخت و گرم موسم میں جو بقول کاسن ڈی پرسوال مورخ کے جون کا مہینہ تھا۔ پانوں سوجے ہوئے اور چھالے پڑے ہوئے پاپیادہ جا حاضر ہوئے۔ اور جناب رسول خدا یہہ سنکر کہ آپ میں اتنی طاقت نہیں کہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوسکیں خود آپکی ملاقات اور عیادت کے لیئے تشریف فرما ہوئے۔ اور سولھویں ربیع الاول مطابق دوسری جولائی ۶۲۲ء کو بروز جمعہ صبح کیوقت بڑی شان وشکوہ سے اُس زمین مقدس پر قدم رکھا جو اُسوقت سے ہمیشہ کے لیئے مقدس ہوگئی۔ اور اہل مکہ کے ٹھوکر کھانے اور اہل یثرب کے ایمان لانے سے جناب ابن مریم کے اِس قول کی تصدیق ہوئی کہ "نبی بے عزت نہیں مگر اپنے وطن میں اور اپنے گھر میں"

اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ناظرین کو جناب مرتضوی کے اُن

اشعار کے مطالعہ سے بھی محروم رکھیں جنکی طرف گبن نے اشارہ کیا ہے
اور وہ موافق روایت صاحب ناسخ التواریخ یہہ ہیں ؂

وَقَیتُ بِنَفسِی خَیرَ مَن وَطِئَ الحَصٰے ✤ وَمَن طَافَ بِالبَیتِ العَتِیقِ وَبِالحِجرِ

فرماتے ہیں - کہ مینے اپنی جان کی عوض اُس عالی منزلت شخص کو بچایا
جو پانوں سے پتھریوں یا کنکریوں کے روندنے* والوں اور خدا کے
پرانے گھر اور اُس جگہہ کے طواف کرنے والوں میں جسکا نام حجر ہے
سب سے افضل ہے - ؂ رَسُولُ الٰہِ خَافَ اَن یَّمکُرُوا بِہٖ

- فَنَجّاہُ ذُو الطَّولِ الاِلٰہِ مِنَ المَکرِ - خدا کے رسول کو اندیشہ ہوا کہ
دشمن اُنکو ضرر پہنچائینگے - پس خدا نے جو بڑی قدرت والا اور صاحب
فضل و کرامت ہے اپنے پیغمبر کو اُنکے شر سے بچالیا - ؂

فَبَاتَ رَسُولُ اللّٰہِ فِی الغَارِ اٰمِنًا ✤ مُوَقًّی وَفِی حِفظِ الاِلٰہِ وَفِی سِترِ

پس رسول خدا نے غار میں امن سے رات کاٹی - دشمنوں سے بچے
ہوے اور خدا کی حفاظت اور اُسکے حجاب قدرت میں - ؂

اَقَامَ ثَلٰثًا ثُمَّ زُمَّت قَلَایِصٌ ✤ قَلَایِصُ تَفرِینَ الحَصٰے اَینَ مَا تَفرِ

تین دن وہاں ٹھہرے پھر ناقوں کو مہاریں دیگئیں جو ایسے تیز رفتار
و سبکرو تھے کہ ہر طرف پتھریوں اور کنکریوں کو روندتے چلے جاتے تھے

وَبِتُّ اُرَاعِیہِم وَمَا یُثبِتُونَنِی ✤ فَقَد وَطَّنتُ نَفسِی عَلَی القَتلِ وَالاَسرِ

اور مینے دشمنوں کے حملہ کے انتظار میں رات کاٹی اور وہ مجھے زخمی اور

---

* سعی مابین الصفا والمروہ کی طرف اشارہ ہے جو ارکان حج میں سے ایک رکن ہے
مؤلف

گرفتار نکر سکے۔ کیونکہ بے شبہ قتل وقید سے نہ ڈرنا میری جبلّی عادت ہے

أَرَدْتُ بِهِ نَصْرَ الإِلَهِ تَبَتُّلاً ✦ وَأَضْمَرْتُهُ حَتَّى أُوَسَّدَ فِي قَبْرِ

ہے۔ یعنے ہر چیز سے قطع نظر کرکے محض خدا کے دین کی امداد کی نیت سے

کیا۔ اور آیندہ بھی یہی ٹھان رکھی ہے جبتک کہ قبر میں نہ داخل ہو جاؤں

کسی شعر خصوصاً عربی زبان کے شعر کا ترجمہ منظوم اردو میں

کیا جانا ناممکن ہے۔ اسلئے ہمنے نثر میں ترجمہ لکھدیا ہے۔ مگر ان اشعار

کے مدعا کو منظوم بھی کردیا ہے۔ جو ذیل میں لکھا جاتا ہے۔ اور چونکہ میں

شاعر نہیں ہوں اگر کوئی غلطی ہوئی ہو تو ناظرین سے اُمید معافی ہے۔

اور وہ یہہ ہے

نظم

بنا کر ڈھال مینے اپنی جاں کو
بچایا پادشاہِ انس وجاں کو

وہ خیر الحاج خود کعبہ بہ الحق
شرف حاصل ہے جسکے آستاں کو

خُدا نے فضل سے اپنے بچایا
ہوا جب خوف اُس جانِ جاں کو

گزارا رات کو حفظِ خُدا میں
نہ دشمن پاسکے اُسکے نشاں کو

نکل کر غار سے پھر تین دن بعد
پکارا اُسنے اپنے سارباں کو

ہوئے ناقے سوے یثرب رواں
کچلتے کنکر اور ریگِ رواں کو

مَیں سویا شب کو بستر پر نبی کے
فدا اُنپر سے کرکے اپنی جاں کو

یہہ تھا دل میں کہ جاں جاے تو جاے
بچالوں پر رسولِ انس وجاں کو

نہ تھا غم مجکو اپنے قتل ہی کا
سمجھتا تھا نہ کچھ قیدِ گراں کو

ولیکن فکر تھا مجکو تو یہہ تھا
کہیں صدمہ نہ پہنچے اُنکی جاں کو

بجز نابود ق اس جسد و کد سے	نہ تھا مقصود کچھ مجھ ناتواں کو
اور آگے کو بھی قصد اپنا یہی ہے	کہ کردوں صرف اسی میں اپنی جانکو

جناب مرتضیٰ ہی سے جو ایمان وایقان اور صبر وسکینہ اور تسلیم وتوکل اور جرات وہمت اور شجاعت وشہامت کا اظہار اس موقع پر ہوا وہ ایسا حیرت انگیز اور نرالا طور کا ہے کہ نہ صرف امت اسلامیہ میں تو کیا امت مسیحیہ اور اور امتوں میں بھی پائی نہیں جاتی۔ چنانچہ مقدس فطرس نے جو مسیح علیہ السلام کے حواریوں میں سب سے افضل گنے جاتے ہیں انکے گرفتار کئے جانے کی رات کو بڑے دعوی کے ساتھ جناب موصوف سے یہہ کہا تھا کہ " اگر سب تیرے سبب ٹھوکر کھائیں۔ میں کبھی ٹھوکر نہ کھاؤنگا "۔ اور یہہ کہ " اگر تیرے ساتھ مجھے مرنا بھی پڑے تو بھی تیرا انکار نکرونگا "۔ اور ایسا ہی اور مریدوں نے بھی کہا تھا۔ جیسا کہ انجیل متی کے چھبیسویں باب میں ہے۔ مگر کمبخت جان ایسی پیاری اور عزیز شے ہے کہ خوف کی آہٹ پاتے ہی سبکے سب جناب ممدوح کو دشمنوں میں اکیلا چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور خود مقدس فطرس جسکو کہا جاتا ہے کہ " مردوں کو جلاتا اور پانی پر چلتا تھا " وغیرہ وغیرہ۔ جب امتحان کا موقع آیا تو عیاذا باللہ جناب موصوف پر لعنت کرنے اور قسم کھانے لگا کہ میں اس آدمی کو نہیں جانتا " جیسا کہ انجیل مذکور کے اسی باب کی چوہترہویں آیت میں ہے۔ اور وہ بات بالکل ٹھیک نکلی جو اس مظلوم رسول نے اسی رات کو ان لوگوں کو مخاطب کرکے فرمائی تھی کہ " دعا مانگو تاکہ امتحان میں نہ پڑو "

فی الواقع امتحان ایسی ہی مشکل چیز ہے کہ بجز اُن نفوس قدسیہ کے جن
جنکے دل کو سکینۂ الٰہی [جسکا دوسرا نام روح القدس ہے] تھامے ہے
بڑے سے بڑے لوگوں کے قدم کو بھی ڈگمگا دیتا ہے۔ گو ہمارے
عیسائی دوست شاید یہہ کہیں کہ اُسوقت تک فطرس روح القدس کے
فیضان سے مستفیض نہوا تھا۔ لیکن ہم پولوس کو کیا کہیں جسکا قبول
اُنکے حضرت مسیح نے خود بہ نفس نفیس روح القدس بھیجا تھا۔ اور جو
باوجود اسکے جان کے خوف سے ٹوکری میں بیٹھکر دمشق کی
فصیل پر سے کود گیا۔ دیکھو رسالہ اعمال کے نویں باب کی تئیسویں
چوبیسویں اور پچیسویں آیتوں اور خود مقدس موصوف کے کرنتھیوں
کے دوسرے خط کے گیارہویں باب کی بتیسویں اور تینتیسویں آیتیں
ہے۔ اور یہہ بیچارے تو درکنار حضرت محمد بن عبد اللہ کے اس
حواری سے جو کام بن آیا وہ تو بڑے سے بڑے نبیوں کا سا کام تھا
یعنی ایسے نبی کا جو اپنی خوشی سے ہاتھ پانوں بندھوا کر خدا کی راہ میں گلا
کٹوا لینے پر راضی ہوگیا تھا۔ لیکن سچ پوچھو تو اُسکا بھی یہہ فعل اس فخر
آبا و اجداد پوتے کے فعل کا ہمپایہ نتھا۔ کیونکہ وہ اگرچہ پیغمبر تھا مگر اُسوقت
ایک ناتجربہ کار لڑکا تھا۔ اور ذبح ہوجانے کی ماہیت سے بھی واقف تھا۔
اور ذبح کرنے والا خود اُسکا باپ تھا جس سے طبعاً رحم کی توقع ہوسکتی تھی۔
بخلاف ابو طالب کے بیٹے کے کہ اُسوقت تئیس برس کا نوجوان تھا۔
اور ہر ایک امر کے نیک و بد کو بخوبی سمجھ سکتا تھا۔ اور دشمنوں سے کسی

رعایت یا رحم کی بھی اُسکو توقع نہ تھی۔ اور جنگ وجہاد کی بھی اجازت نہ تھی
جو لڑ بھڑ کر شاید بچ نکلتا۔ پس ایسی حالت میں اُسکا اپنے پیغمبر کے ارشاد اور
اپنے خدا پر بھروسہ کرنا۔ اور بغیر کسی قسم کے تردد کے دشمنوں کے نرغہ
میں باطمینان تمام نبی کی چادر اوڑھکر سو رہنا۔ اور پھر تین دن اور رات علانیہ
دشمنوں میں آمد ورفت رکھنا۔ اور پھر نہایت سخت وشدید گرمی کے موسم
میں کئی سو میل تک یکہ وتنہا دشمنوں کے مُلک میں پاپیادہ سفر کرنا ایک قطعی
دلیل اس بات کی ہے کہ کلام الٰہی کے وعظ نے مُومنین کے دلوں کو
[جنکی امارت وسرداری کا خطاب واجب طور سے اس خُدا کے ولی
کو حاصل ہوا] رُوح القدُس کے فیضان سے معمور کردیا تھا۔ اور اُس
روحانیت کی وجہ سے جو قرآن مجید کی معجزانہ تاثیروں نے اُنکے دلوں میں
پھونک دی تھی۔ حیات اُخروی کے مقابلہ میں اس دُنیا کی زندگی اُنکی
نظروں میں نہایت حقیر وناچیز دکھائی دیتی تھی۔ اور بیشک یہہ انعام الٰہی
اخیر دم تک اُن کے ساتھ رہا۔ اور یقیناً آخرت میں بھی اُس نورانی صورت
میں اُنکے آگے اور داہنے ہاتھ ہوگا جسکی قرآن مجید میں خبر دیگئی
ہے کہ " یَوْمَ تَرَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ یَسْعٰی نُوْرُھُمْ بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ
وَبِاَیْمَانِھِمْ بُشْرٰیکُمُ الْیَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ
فِیْھَا ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ " **یعنی**۔ اے ہمارے رسُول اُس
دن کو دھیان میں لا جبکہ تو دیکھیگا ایمان والوں اور ایمان والیوں کو کہ
جلد جلد چلتا ہوگا اُنکا نور [ایمان] اُنکے آگے اور اُنکی داہنی طرف

[اور فرشتے انکو کہینگے] شُدہ ہو تمکو آج کے دن تمہارے لئے باغ ہیں جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں جنمیں ہمیشہ رہوگے [دیکھو] یہی تو ہے سب سے بڑی مراد کا ملنا"

اب ہم پھر اصل مدعا کیطرف رجوع کرتے ہیں۔ الحاصل۔ جناب خاتم الانبیا علیہ التحیۃ والثنا نے جب مدینہ منورہ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مُشرّف فرمایا۔ تو شہر کے جس جس قبیلہ میں سے گذر ہوا اسکے لوگوں نے بجز عَبْدُ اللہ بن اُبَیّ کے جو سلطنت مَدِینہ کا امیدوار تھا۔ کمال آرزو سے یہہ چاہا کہ آپ اُنہیں کے ہاں تشریف فرما ہوں۔ مگر آپ مُہار ڈھیلی چھوڑے ہوئے سب کو یہی فرماتے گئے کہ جہاں خدا کو میرا ٹھہرانا منظور ہے وہاں پہنچکر میرا ناقہ خود بیٹھ جائیگا۔ چنانچہ وہ اُس پاک زمین پر پہنچکر بیٹھ گیا جہاں مسجد مُقدّس نبوی بنی ہوئی ہے۔ اور آپ نے اُترکر خَالِدُ بن زَیْد معروف بہ اَبُو اَیُّوبؓ* کے گھر کو اپنی اقامت باکرامت سے رشک خانہ خورشید فرمایا۔ اور چند روز بعد مسجد اور بیت الشرف کی تعمیر کے لیئے ارشاد کیا۔ ناظرین طبعاً یہہ خیال کرینگے کہ جو مسجد اور مکانات

* یہہ وہی بزرگوار ہیں کہ جب ۴۸ھ ہجری میں معاویہ بن ابی سُفیان کے عہد میں قسطنطنیہ پر فوج کشی ہوئی تو محاصرہ کے ایّام میں بیماری سے اِنکا انتقال ہوگیا۔ اور شہر کی فصیل کے قریب دفن کیئے گیے۔ اور سلطان مُحمّدؒ مُلقّب بہ فاتح نے جب ۸۵۹ھ ہجری میں شہر مذکور کو فتح کیا تو بڑی تلاش کے بعد اُنکی قبر کا پتہ ملا۔ جو تعویذ کے کندہ سے پہچانی گئی جسپر سلطان نے مقبرہ بنوادیا۔ اور ایک بڑی عالیشان مسجد تعمیر کرادی جو ابتک جامع اَیُّوبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ ماخوذ از تاریخ منتظم ناصری مطبوعہ طہران۔ مؤلف عفی عنہ

آپ کے لیئے تعمیر ہوسے تھے وہ بہت ہی عالیشان اور عمدہ ہونگے۔ مگر
یہہ مسجد کیا تھی؟ صرف ایک چبوترہ بنا کر اُسپر قد آدم کچّی اینٹوں کی
ایک دیوار بنالی گئی تھی۔ جسکے سایہ میں نماز پڑھ لیتے تھے۔ اور پھر کچھ دنوں
بعد مسلمانوں کے التماس سے دھوپ سے بچنے کے لیئے ستونوں
کی جگہہ کھجور کی لکڑیاں گاڑ کر اُسکے پتّوں اور گھاس پھوس سے ایک چھپّر سا
بنالیا تھا جس سے دُھوپ کا تو آرام تھا مگر بارش کا چنداں بچاؤ نہ تھا۔
اور اسکا ایک حصّہ اُن نادار اور مفلس مسلمانوں کے لیئے مخصوص کردیا گیا تھا
جو مکان بنا لینے کا مقدور نہ رکھتے تھے۔ اور آنحضرت کے جنّت کو تشریف لیجانے
کے وقت تک ایسی ہی تھی۔ اور اسمیں بغیر فرش زمین پر کبھی اسیطرح اور کبھی
ستون کے سہارے سے کھڑے ہوکر آپ طالبان حق کو پند و نصیحت اور
دین خُدا کی تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ اور فی الحقیقت اُس سادہ اور بے ریا
عبادت کے لیئے جسکی آپ نے اپنی اُمّت کو تلقین فرمائی ایسی ہی بے تصنع
عبادت گاہ موزوں اور مناسب تھی۔ اسی پر بیت الشّرف کے حجروں
کو قیاس کرلینا چاہیئے۔ کہ وہ کیسے عالیشان اور زخارف دُنیوی سے
آراستہ و پیراستہ ہونگے۔ پس اُس بادشاہ دین و دُنیا کا جسکے ہی
اور جلوس فرمانیکے یہہ مکانات تھے یہہ فرمانا کہ "اَلفَقرُ فَخرِی" بالکل سچ
اور واقع کے مطابق تھا۔ اور بے شبہ وہی فقر قابل فخر سمجھا جا سکتا ہے
کہ جو باوجود استطاعت اور مقدور کے انسان کی تمام طرز معیشت اور زندگی
کے ہر ایک طریقہ سے ظاہر ہو۔ اور وہ اپنے بنی نوع کے درماندہ مسکین

لوگوں کی حاجات کو اپنی اور اپنے اہل و عیال کی حاجات پر مقدم جانئے۔ اور جو کچھ مال و زر جائز طور سے اسکو حاصل ہو نہایت کھلے دل سے اپنے خالق و مالک کی راہ میں دے ڈالئے۔ چنانچہ جناب مقدس نبوی کا عملدرآمد بالکلیہ اسکے مطابق تھا۔ اور نہایت صحیح طور پر یہہ بات ہم تک پہنچی ہے۔ کہ اگر دن بھر کے جود و ایثار کے بعد کوئی تھوڑی سی چیز بھی آپکے پاس رہجاتی تھی تو اسکا رہجانا آپکی طبع جواد و فیاض پر ایک بوجھ ہوتا تھا۔ اور آپ اپنے خادم بلال بن رباح کو فرمایا کرتے تھے کہ " ارحنی یا بلال " یعنی اے بلال اسکو کسی مستحق حاجتمند کو دیدے تاکہ اسکی حفاظت کی فکر سے میں آرام پاؤں* یہی تعلیم کی اپنی امت کے لوگوں کو بھی چنانچہ اس عجیب و غریب خطبہ سے جو بقول ابن ہشام آپ نے اول دفعہ اہل مدینہ کو مخاطب کرکے فرمایا اور اور آیات و احادیث سے جنکو انشاءاللہ ہم آیندہ لکھینگے اسکا بخوبی ثبوت ہوتا ہے۔ اور وہ خطبہ یہہ ہے۔

اَیُّھَا النَّاسُ! فَقَدِّمُوا لِاَنْفُسِکُمْ تَعْلَمُنَّ وَاللّٰہِ لَیُصْعَقَنَّ اَحَدُکُمْ ثُمَّ لَیَدَعَنَّ غَنَمَہٗ لَیْسَ لَھَا رَاعٍ ثُمَّ لَیَقُوْلَنَّ لَہٗ رَبُّہٗ لَیْسَ لَہٗ تَرْجُمَانٌ وَلَا حَاجِبٌ یَحْجُبُہٗ دُوْنَہٗ۔ اَلَمْ یَاْتِکَ رَسُوْلِیْ فَبَلَّغَکَ وَاٰتَیْتُکَ مَالًا وَاَفْضَلْتُ عَلَیْکَ فَمَا قَدَّمْتَ لِنَفْسِکَ؟ فَلْیَنْظُرَنَّ یَمِیْنًا وَشِمَالًا فَلَا یَرٰی شَیْئًا۔ ثُمَّ لَیَنْظُرَنَّ قُدَّامَہٗ، فَلَا یَرٰی غَیْرَ جَھَنَّمَ فَمَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ یَّقِیَ وَجْھَہٗ مِنَ النَّارِ وَلَوْ بِشِقَّۃٍ مِّنْ تَمْرَۃٍ فَلْیَفْعَلْ

---

* دیکھو کتاب جامع بخاری — مؤلف عفی عنہ

وَمَنْ لَمْ یَجِدْ فَبِکَلِمَۃٍ طَیِّبَۃٍ فَاِنَّ بِھَا تُجْزٰی الْحَسَنَۃُ عَشْرَ اَمْثَالِھَا اِلٰی سَبْعِ مِائَۃِ ضِعْفٍ - وَالسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ "

یعنی - اے لوگو - قبل اسکے کہ تم اس جہان کو چھوڑو اپنے لئے اعمال نیک کا ذخیرہ آگے بھیجو - یقین جان لو قسم ہے خدا کی کہ باضرور تم میں سے ہر ایک شخص ہولناک بلامیں پڑنے والا اور بیشک دنیا کو اسطرح پر چھوڑنے والا ہے جیسے کوئی اپنی بکریوں کو محافظ کے بغیر چھوڑ دے ! اور بیشک خدا ہر ایک سے ایسے طور پر کہ نہ اسکے لئے کوئی ترجمان ہوگا اور نہ روک ٹوک کرنے والا دربان - یعنی گویا مونہہ درمونہہ پوچھیگا کہ کیا ہمارا کوئی پیغمبر تیرے پاس نہیں آیا تھا ؟ اور اُسنے ہمارے احکام تجکو نہیں پہنچائے تھے ؟ اور کیا تجکو ہمنے بہت سامال نہیں بخشا تھا ؟ [تاکہ ہماری راہ میں دے] اور اپنا فضل واحسان تجھپر نہیں کیا تھا ؟ [تاکہ اپنے بنی نوع کے ساتھ مہربانی اور نکوئی سے پیش آئے] پس بتا کہ تونے کیا چیز اپنے لئے آگے بھیجی تھی - پس یقیناً [اُسوقت] انسان دائیں بائیں دیکھیگا اور کوئی چیز دکھائی نہ دیگی جسکو بتا سکے - پھر سامنے کیطرف نظر کریگا اور اُدھر بھی جہنم کے سوا کچھ نظر نہ آیگا - پس جس سے ہوسکے اپنے تئیں اُس آگ سے بچائے - خواہ کھجور کے دانہ کا ایک ٹکڑہ ہی خدا کی راہ میں دیکر کیوں نہ بچائے - اور جسکو اتنا بھی مقدور نہو تو کسی کے حق میں کوئی کلمہ خیر ہی کہے - کیونکہ بیشک آخرت میں ایک نیکی کا بدلہ دس گنا بلکہ سات سو گنے تک دیا جائیگا - خدا کی سلامتی اور رحمت اور برکت تمپر ہو - "

سُبحان اللہ کیسے موثر و عبرت خیز اور خیرات و برکات سے بھرے ہوئے الفاظ میں انسان کے انجام کار اور بخل کے نتائج قبیحہ اور ایثار و احسان کے فضائل اور خوبیوں کو بیان فرمایا ہے۔ خوب سمجھو بالیقین ہوتا ہے کہ بغیر وحی والہام کی مدد کے کوئی شخص ایسا کلام نہیں کہہ سکتا۔ غور کرو کہاں جہنم کی وہ جہاں سوز آگ اور کہاں خدا کی راہ میں کھجور کے دانہ کے ایک ٹکڑہ کا دینا یا کسی کے حق میں ایک کلمہ خیر کہنا۔ اور اُسکے سبب سے انسان کا اُس ہولناک بلا سے بچ جانا اور نہ صرف بچ جانا بلکہ دہ چند لینا بلکہ سات سو گنا ثواب اجر پانا۔ پس اس سے زیادہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے اور اپنے بنی نوع کے ساتھ نکوئی اور خیر و احسان سے پیش آنیکے لیئے کونسی نصیحت ہوگی جو کسی نصیحت کرنے والے نے اپنے ابنائے جنس کو فرمائی۔

ایمان و ایقان کی دولت کے علاوہ خدا کی سب سے پہلی رحمت و برکت جو آپ کی اِس دُعا سے اہل مدینہ کے شامل حال ہوئی وہ اُس پرانے جنگ وجدال اور عناد و فساد کا موقوف ہونا تھا جو وہاں کے دو بڑے قبیلوں اوس و خزرج میں دیر سے چلا آتا تھا۔ جسکو وہ اسلام کے برادرانہ لطف و محبت کے جوش میں بالکلیہ بھول گئے۔ اور اسلام کے جھنڈے کے گرد جمع ہوکر سلطنت جمہوریہ اسلامیہ کے مرکز بنگئے۔ اور اَنصَار یعنی مددگاران دین خدا کے معزز لقب سے مُلقب و مشہور ہوئے

مسجد مقدس نبوی کے تعمیر ہونے تک اذان و اقامت فرض نہوئی تھی۔ اور نہ نماز کے لیئے کوئی معین جگہہ مقرر تھی۔ مگر اب مسجد ہی میں نماز

ہونے لگی - اور چونکہ اوقات معینہ پر بغیر کسی خاص اشارہ کے لوگوں کا جمع
ہو جانا متعذر ہوتا ہے - اسیلئے نماز کیوقت یہودی تُرہی اور عیسائی
ناقوس اور گھنٹہ بجاتے تھے - مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس
بیہودہ شور و غل کو نماز جیسے مقدس کام کے لیئے مناسب خیال نفرمایا
اور کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا مد نظر ہوا جو اطلاع کی اطلاع اور عبادت
کی عبادت ہو - پس آپکے نفس قُدسی پر خُدا کی طرف سے اذان کے
الفاظ کا القا ہوا - اور بِلال بِن رَباح کو حکم ہوا کہ پانچوں وقت کسی
اونچی جگہ کھڑا ہو کر وہ کلمات طیّبات بآواز بلند کہدیا کرے - نماز
کی اطلاع کا یہہ طریقہ ایسا مناسب معقول ہے کہ جیمبر جو ایک نامور
عیسائی فاضل ہے - اپنی انسائکلوپیڈیا کی جلد ششم میں
جہاں مذہب اسلام کا ذکر کیا ہے لکھتا ہے کہ " مُوذّن کی آواز
جو سادہ مگر نہایت متین ودلکش ہوتی ہے اگرچہ شہروں کی دن کی
دُند پکاریں بھی مسجد کی بلندی سے دلچسپ اور خوش آیند معلوم ہوتی ہے
لیکن رات کے سنّاٹے میں اُسکا اثر اور بھی عجیب طور سے شاعرانہ معلوم
ہوتا ہے - یہانتک کہ بہت سے اہل یُورپ بھی پیغمبر کو اس امر میں داد
دیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اُسنے انسان کی آواز کو موسائیوں کی تُرہی
اور عیسائیوں کے گرجا کے گھنٹے پر ترجیح دی "

فی الواقع جبکہ ہوا میں اُڑنے والے پرندے تمام روز کی محنت
ومشقّت سے تھک کر اپنے اپنے گھونسلوں میں بسیرا لے رہے ہوں ،

اور زمین پر چلنے والے چوپائے دن بھر کی دوڑ دھوپ سے عاجز آکر اپنی اپنی جگہہ آرام کر رہے ہوں - اور دنیا پر ایک سکوت وسکون کی حالت چھائی ہوئی ہو - انسان کا آرام و راحت سے دست بردار ہوکر اپنے خالق و پروردگار کے ادائے شکر و عبادت کے لیئے آمادہ ہونا - اور اپنے بنی نوع کو خواب غفلت سے بآواز بلند یہہ کہکر بیدار کرنا کہ " اللّٰہُ اَکبَر اللّٰہُ اَکبَر - اللّٰہُ اَکبَر اللّٰہُ اَکبَر [الی آخرہ] خدا تعالی کی عبادت و پرستش کا ایک ایسا موثر و دلکش طریقہ ہے کہ بجز اُس قدسی شخص کے کہ جسکی ذات والا صفات پر خدا کی عبادت کو نہایت اکمل و احسن طریقہ پر قائم کرنے کا خاتمہ ہو گیا - کوئی انسان قائم نہیں کر سکتا تھا -

الغرض آنحضرت ہمیشہ اہل مدینہ کو کلام الٰہی کا وعظ فرماتے - اور طالبان حق شرک و بت پرستی چھوڑ کر نہایت رغبت اور صدق دل سے مشرف باسلام ہوتے جاتے تھے - چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں اُس قبیلہ کے تمام لوگ جنمیں آپ تشریف فرما تھے کیا مرد کیا عورت سب دین خدا میں داخل ہو گئے* اور اُس معجزانہ اور دل کے ہلا دینے والے کلام کے اثر سے وہی حقانیت و روحانیت اُنکی طبیعتوں میں بھی سرایت کر گئی جو مہاجرین کے دلوں میں سما گئی تھی - چنانچہ سر ولیم میور صاحب اپنی کتاب لائف آف محمدؐ کی جلد دویم کے صفحہ دو سو اکہتر میں ارقام فرماتے ہیں کہ " یہودی حقانی باتیں عرصہ سے اہل مدینہ

* دیکھو تاریخ ابن ہشام صفحہ [۳۴۱] مولف عفی عنہ

گئے گوش گزار ہو چکی تھیں۔ مگر وہ بھی اُسوقت تک خواب خرگوش سے
نہ چونکے جبتک کہ روح کو کپکپا دینے والا کلام نبی عربی کا نہیں سنا۔
تب البتہ فقط ایک نئی اور سرگرم زندگانی میں دم بھرنے لگے" مگر افسوس
ہے کہ یہہ عالیقدر مورّخ باوجودیکہ تاثیرات و برکات کلام الٰہی کا ایسا صاف صاف
معترف ہے۔ اور اُس روحانیت و حقانیّت کو جو قرآن مجید کے
وعظ سے ظہور میں آئی علانیہ قبول کرتا ہے۔ مگر پھر بھی غلبۂ نفسانیّت و پاس
مذہب کیوجہ سے اسلام کی روز افزوں ترقی کو دُنیاوی ذریعوں سے منسوب
کرتا اور نہایت ہٹ دھرمی سے یہہ لکھتا ہے کہ" عیسائیت و اسلام
کی ظاہر ترقی میں فرق و تفاوت کی بڑی وجہ یہی تھی کہ مذہب عیسوی کی
تعلیم کا مقصد اور اُسکی اشاعت کا طریقہ روحانی تھا۔ اور دنیاوی ذریعوں کو
بالکل دخل نہیں دیا گیا تھا مگر محمد صلعم کا اُصول بالکلیہ اسکے برخلاف تھا"
لیکن الحمد للہ کہ جو باتیں وہ بیان کرنی نہیں چاہتا خدا نے خود اُسی
کی زبان سے کہلا دی ہیں۔ جو بیشبہ قرآن مجید کا ایک معجزہ سمجھنا چاہئے
چنانچہ کہتا ہے کہ" جس زمانہ تک مقابلہ ممکن ہے اُسمیں تکلیفات کے
برداشت کرنے اور دُنیاوی لالچوں کے قبول نکرنے میں دونوں [یعنی حضرت
مسیح اور آنحضرت] برابر ہیں لیکن محمد صلعم کے تیرہ ۱۳ برس کے موعظہ نے
بمقابلہ کُل زمانہ زندگی مسیح کے ایک ایسا انقلاب پیدا کیا جو ظاہر میں
لوگوں کی نظر میں بہت بڑا معلوم ہوتا ہے مسیح کے تمام پیرو
خوف کی آہست معلوم ہوتے ہی بھاگ گئے اور ہمارے خداوند

کی تعلیم نے اُن پانسو* آدمیوں کے دل پر جنہوں نے اُسکو دیکھا تھا خواہ کیسا ہی گہرا اثر پیدا کیا ہو مگر ظاہر میں اُسکا کچھ نتیجہ دکھائی نہیں دیا۔ اُن میں سے کسی نے بھی اپنی خوشی سے اپنا گھر نہیں چھوڑا۔ اور نہ سیکڑوں نے مسلمانوں کی طرح بالاتفاق مہاجرت اختیار کی۔ اور نہ ویسا پُرجوش ارادہ ہی کسی سے ظاہر ہوا۔ جیسا کہ ایک غیر شہر [یثرب] کے نومسلموں نے اپنے خون کی عوض اپنے پیغمبر کے بچانے میں ظاہر کیا" پھر چند سطریں آگے چلکر لکھا ہے کہ "فی الحال ہم مقابلہ محمدؐ و عیسےٰ ہی کے زمانہ زندگی تک کرتے ہیں اور اسلیئے ضرور ہے کہ اُن دونوں قوموں کی مختلف حالت پر نظر ڈالی جاوے جنمیں محمدؐ و عیسیٰؑ کو وعظ کرنے کا موقع ملا۔ چنانچہ مسیح تو یہودیوں میں مبعوث ہوئے تھے اور انکا مدعا شرایع موسوی کو برباد کرنا نہ تھا۔ بلکہ اُنکی تکمیل مقصود تھی اور اسوجہ سے مسیح کو یہودیوں کی ظاہری حالت میں کچھ نمایاں تغیر کرنا ضروری نتھا مگر محمدؐ ایک ایسی بُت پرست قوم میں آئے جو بُرائیوں اور ضلالت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اور اُسکی تمام حالت کو منقلب کر دینا لابد تھا۔ اور ضرور تھا کہ اُس قوم میں سے جو لوگ مسلمان ہوں وہ تعلّقات سے دلیرانہ اور علانیہ علیحدگی اختیار کریں۔ تاکہ ظاہر ہو جاوے کہ وہ اپنے مذہب پر کیسے ثابت قدم ہیں"

* سینٹ لوقا نے [جنکی نسبت علماے عیسائی لکھتے ہیں کہ اُنہوں نے اپنی انجیل سینٹ پولوس اور پطرس کے بتانے سے لکھی تھی] رسالہ اعمال کے باب

حقیقت یہہ ہے کہ جب یہہ مؤرخ قرآن مجید کی تاثیرات اور برکات پر پردہ نہ ڈال سکا - اور نہ کسی دنیوی ذریعہ سے اسلام کی حیرت انگیز ترقی سے بھی انکار کر سکا - اور جناب ابن مریم کی زندگی میں معدودے چند کا ایمان لانا مسلمانوں کے اُس بڑے گروہ کے مقابلہ میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وعظ سے اِن تیرہ برس کے اندر پیدا ہو گیا اُسکو بہت ہی حقیر معلوم ہوا - اور دیندار مسلمانوں کی وفاداری و جان نثاری اور انکا ایمان و ایقان بمقابلہ پیروان حضرت مسیح علیہ السلام اُسکو بہت ہی بڑا دکھائی دیا - تو بناچاری اس عذر لنگ کے تراشنے پر مجبور ہوا کہ " عیسائیت نے مسیح کی ذاتی تعلیم کے ختم ہو جانے تک اپنے دعوے کا اظہار بطور ایک مکمل مذہب

اوّل آیت پندرہ میں تعداد مومنین تخمیناً ایک سو بیس لکھی ہے پھر معلوم نہیں سر ولیم میور نے یہہ پورے پانسو کی تعداد کہاں سے لکھدی - شاید انکی مُراد وہ لوگ ہونگے جنکو سینٹ پولوس نے اپنے کارنتھیوں کے نام کے پہلے خط کے پندرھویں باب کی چھٹی آیت میں " بھائیوں " کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ یعنی حضرت مسیح علیہ السلام انکو یکبارہ دکھائی دیا - اور یہہ کہ اکثر انمیں یعنی پانسو میں سے ابتک موجود ہیں - مگر چاروں انجیلوں کے لکھنے والوں نے اپنی اپنی انجیل کے اخیر باب میں حضرت مسیح کو جی اُٹھا ہوا دیکھنے والے صرف دو تین عورتوں اور گیارہ حواریوں کو بیان کیا ہے - مگر پولوس نے اپنے اسی خط میں لکھا ہے کہ بارہ کو دکھائی دیئے - حالانکہ اُسوقت حواری صرف گیارہ ہی تھے اور بارھواں آنحضرت کے آسمان پر اُٹھائے جانیکے بعد قرعہ ڈالکر شامل کیا گیا تھا - پطرس - یوحنّا - یعقوب - اور یہودا نے جو مقرب حواری تھے

شروع نہیں کیا - مسیح کی زندگی اُسکا آغاز تھا اور اُسکی موت اُسکا کی سٹون

یعنی تکمیل برخلاف اسلام کے کہ اُسی روز سے ایک مکمّل جابر [ایگزیسو]

مذہب ہوگیا جبکہ محمدؐ نے علانیہ وعظ کرنا شروع کیا - پس اسلام اور

عیسائیت کی ابتدائی تاثیروں سے ٹھیک طور پر مقابلہ دیکھا سکنے کیلئے

ضرور ہے کہ پینٹی کوسٹ* میں روح القدس سے پھیلنے کیوقت سے

مذہب عیسوی کا مقابلہ محمدؐ کی تعلیمات کی ابتدا سے کیا جاوے - کیونکہ

اس صورت میں عیسائیت اپنی ابتدائی ترقی کی سُرعت اور اپنے سابق الایمان

معتقدوں کی جان نثاری کے لحاظ سے اسلام سے کچھ گھٹی ہوئی نہیں ہے "

مگر جن لوگوں کی آنکھوں پر تعصّب کا پردہ پڑا ہوا نہیں ہے

اپنے خطوط میں اِن پانسو کا کچھ ذکر نہیں کیا - اور سینٹ لوقا نے کتاب اعمال

کے دسویں باب کی چالیسویں واکتالیسویں آیت میں پطرس کا قول اور

تیرہویں باب کی اکتیسویں آیت میں پولوس کا قول یہ لکھا ہے کہ " حواریوں

کے سوا جو صرف گیارہ تھے اور کسی نے مسیح کو پھر زندہ ہوا نہیں دیکھا - اور

اِن اختلافات کا نتیجہ یہ ہے کہ آنحضرت کے مصلوب ہونے اور پھر جی اُٹھنے وغیرہ کا حال

بالکل ہی قابل اعتبار نہیں رہتا - کیونکہ جب جی اُٹھا ہوا دیکھنے والے پانسو گواہ

جھوٹے قرار پاگئے تو مصلوبی جسکے وقوع سے پیشتر ہی سب شاگرد

بھاگ گئے تھے کیونکر صحیح قرار پاسکتی ہے -

مؤلف عفی عنہ

(حاشیہ متعلقہ صفحہ ۱۰۶)

---

* یہودیوں کی ایک عید کا نام ہے - دیکھو دوسرا باب رسالہ اعمال حوارین مؤلف عفی عنہ

اور انصاف وحق پسندی کے نور سے انکا دل و دماغ روشن ہے۔ وہ اُن حالات کو پڑھکر جو ابتداے بعثت محمدیہ سے ہجرت مقدسہ تک وقوع میں آے اور جنکو ہم مشرحاً لکھ آئے ہیں معلوم کر سکتے ہیں کہ دین الٰہی کے پھیلانے میں آنحضرت نے کوئی بھی دنیاوی ذریعہ استعمال نہیں کیا۔ اور وہ بیشک و شبہ صرف اُس کلام پاک کے وعظ کا نتیجہ تھا * جسکی نسبت یہی مورّخ اپنی کتاب کے ایک اور مقام پر لکھتا ہے کہ " چونکہ محمدؐ کو اپنی رسالت کا نہایت قوی اور مضبوط اعتقاد تھا اسلیئے اُسکی طرف سے اس دین [اسلام] کے موعظہ میں بڑی قوّت و شدّت ظاہر ہوتی تھی۔ اور چونکہ فصاحت میں

* ہمارے اس قول کی تصدیق کے لیئے سیل صاحب کی شہادت کافی ہے چنانچہ وہ اپنے ترجمۂ قرآن کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ " ابتک محمدؐ نے اپنے مذہب کو مناسب طور پر پھیلایا۔ اسلیئے ہجرت سے پہلے کی اُسکی کل کامیابی صرف ترغیب و تحریص سے منسوب ہونی چاہیئے نہ جبر سے۔ کیونکہ اُس دوسری بیعت سے پہلے جو وفاداری کے باب میں عقبہ کے جلوس میں ہوئی اُسکو جبر کرنے کی مطلق اجازت نہ تھی۔ چنانچہ قرآن کے بعض مقامات میں جو اُسکے قول کے موجب مکہ سے قیام کے زمانہ میں نازل ہوئے تھے کہتا ہے کہ " تیرا کام صرف وعظ و نصیحت کرنا ہے اور تو مجاز نہیں کہ کسی سے جبراً اپنا مذہب اختیار کرائے " اور یہہ کہ " لوگ خواہ ایمان لائیں یا نہ لائیں تجکو اُس سے کچھ سروکار نہیں وہ صرف خدا کے متعلق ہے " اور وہ اپنے پیروؤں کو جبر کی اجازت دینے سے اسقدر دور تھا کہ اُسنے اُن کو نصیحت کی کہ اُن نقصانوں کو جو دین کی وجہ سے پہنچیں صبر سے برداشت کرو۔ اور جب خود تکلیف پائی تو اپنے مولد کو چھوڑنا اور مدینہ کو چلا جانا پسند کیا نہ مقابلہ کرنا "
مؤلف عفی عنہ

بھی اُسکو کمال تھا لہذا اُسکا کلام عربی زبان میں نہایت خالص اور
نہایت مُؤثر تھا۔ اُسکے ملکہ زبان آوری نے روحانی حقیقتوں کو عالم تصویر
بنادیا۔ اور اُسکے نہایت روشن اور زندہ خیالات نے قیامت و
روز جزا اور نعماے بہشت و عذاب جہنم کو سامعین کے نہایت قریب
بلکہ پیش نظر کر دکھایا۔ معمولی گفتگو میں تو اُسکا کلام آہستہ مفصل اور
قوی تھا۔ مگر ہنگام وعظ آنکھیں سُرخ و آواز بھاری اور بند ہوجاتی
تھی اور تمام جسم ایک ایسی حالت جوش وخروش میں ہوجاتا تھا گویا کہ
وہ لوگوں کو کسی غنیم کے آنے کی خبر دیتا ہے جو دوسرے روز یا
اُس رات ہی کو اُن پر آن پڑیگا "* اور جس کلام کی بنسبت گبن یہہ کہتا ہے
کہ " قرآن خدا کی وحدانیت پر ایک عمدہ شہادت ہے۔ مکہ کے پیغمبر
نے بتوں کی۔ انسانوں کی۔ ثوابت اور سیاروں کی پرستش کو
اِس معقول دلیل سے رد کیا کہ جو شے طلوع ہوتی ہے غروب ہوجاتی
ہے۔ اور جو حادث ہے وہ فانی ہوتی ہے۔ اور جو قابل زوال ہے
وہ معدوم ہوجاتی ہے۔ اُسنے اپنی معقول سرگرمی سے کائنات
کے بانی کو ایک ایسا وجود تسلیم کیا جسکی نہ ابتدا ہے نہ انتہا۔ نہ کسی
شکل میں محدود۔ نہ کسی مکان میں اور نہ کوئی اُسکا ثانی موجود ہے۔
جس سے اُسکو تشبیہ دیسکیں۔ وہ ہمارے نہایت خفیہ ارادوں پر
بھی آگاہ رہتا ہے۔ بغیر کسی اسباب کے موجود ہے۔ اخلاق اور

* دیکھو کتاب لائف آف محمدؐ جلد چہارم باب ۲۷ صفحہ ۳۱۶۔ مولف عفی عنہ

عقل کا کمال جو اُسکو حاصل ہے وہ اُسکو اپنی ہی ذات سے حاصل ہے۔
اِن بڑے بڑے حقایق کو پیغمبر نے مشہور کیا اور اُسکے پیرؤوں نے انکو
نہایت مستحکم طور سے قبول کیا۔ اور قرآن کے مفسّروں نے معقولات
کے ذریعہ سے اُنکی تشریح و تصریح کی۔ ایک حکیم جو خدا تعالی کے وجود اور
اُسکی صفات پر اعتقاد رکھتا ہو مسلمانوں کے مذکورہ بالا عقیدہ کی نسبت
یہہ کہہ سکتا ہے کہ وہ ایسا عقیدہ ہے جو ہمارے موجودہ ادراک اور قواے
عقلی سے بہت بڑھکر ہے۔ اسلیئے کہ جب ہمنے اُس لامعلوم [یعنی خدا]
کو زمان اور مکان اور حرکت اور مادّہ اور حس اور تفکّر کے اوصاف
سے مبّرا کردیا تو پھر ہمارے خیال کرنے اور سمجھنے کے لیئے کیا چیز
باقی رہی۔ وہ اصل اوّل [یعنی توحید ذات و صفاتِ باری تعالی] جسکی بنا
عقل اور وحی پر ہے محمدؐ کی شہادت سے استحکام کو پہنچی۔ چنانچہ اُسکے
معتقد ہندوستان سے لیکر مراکو تک موحّد کے لقب سے ممتاز
ہیں۔ اور تصویروں کے ممنوع کردینیسے بت پرستی کا خطرہ مٹا دیا گیا ہے*
فی الواقع۔ قرآنِ مجید نے جس کامل و اکمل طور پر جناب اَحَدیّت
کی صفاتِ جلال و کمال کو بیان فرمایا ہے۔ اور جس اعلی و افضل مرتبہ
کی تقدیس و تنزیہ کی ہے وہ ہمارے موجودہ اِدراک و قواے عقلی
سے بہت بڑھکر ہے۔ اور بیشک اُسکا انکشاف عقلِ انسانی پر بغیر وحی
آلہی کے ناممکن تھا۔ اور ہمکو خوب معلوم ہے کہ کسی بڑے سے بڑے

* دیکھو تاریخ زوال سلطنت روم جلد پنجم باب پچاسواں صفحہ ۴۶۹-۴۷۰ م مؤلف

حکیم کی حکمت یا نبی کی نبوّت اسکا ادراک و انکشاف ایسے صحیح و کامل طور پر نہیں کر سکی اور بے شبہ یہہ حضرت خاتم الانبیا علیہ و آلہ التحیۃ والثنا ہی کا حصہ تھا اور اُنہیں کی ذات مبارک پر ختم ہو گیا۔ اَب اگر کوئی کہے تو اتنا ہی کہہ سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتا اور یہی معنی آنحضرت کے خاتم الانبیاء و افضل الرسل ہونیکے ہیں۔ اور نعماے روحانی جو خدا تعالیٰ نے وقتاً فوقتاً موافق عقل و تمیز اور حالت و حیثیت بنی آدم کے انبیا علیہم السلام کے ذریعہ سے اُنکو عطا فرمائیں۔ اسلام آن دین آخرین افضل ترین نعمت ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے وسیلہ سے انسان کو عطا ہوئی۔ اور خدا کا انبیا علیہم السلام کے بھیجنے سے جو مدّعا تھا وہ پورا ہو گیا۔ چنانچہ خود اُس نعمت کے مالک نے پکار کر کہدیا "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا" یعنی آج کے دن کامل کر دیا مینے تمہارے لئے تمہارا دین۔ اور پوری کر دی تمپر اپنی نعمت۔ اور پسند کیا تمہارے لئے اسلام کو دین" پس خدا کا شکر ہے کہ اُسنے اپنے نہایت فضل و کرم سے یہہ بیمثل نعمت ہمکو نصیب کی اور اُس ہادی کامل کے کفش برداروں میں شمار ہونیکا افتخار بخشا کہ جسنے نہ صرف اپنے سے پہلے آنے والے کے کام کو پورا کیا۔ بلکہ ایسا استحکام دیا کہ دِیْنُ الْقَیِّمْ ہو گیا۔ اور اُسکے پیروؤں کو مشرق سے لیکر مغرب اور شمال سے لیکر جنوب تک موحّد کا مبارک و ممتاز لقب حاصل ہوا والحمد للہ علی ذالک۔

اَب ہر شخص بالطبع اِس بات پر خیال کرنیسے متعجب ہوگا کہ جو شخص ایسا فصیح و بلیغ ہو کہ " اپنے ملکۂ زبان آوری سے روحانی حقیقتوںکو عالم تصویر بنا دے " یعنی معقولات کو محسوسات کر دکھاے - اور ذات و صفات باری تعالیٰ کے متعلق دُنیا کو وہ اعلیٰ درجہ کے حقایق و معارف سکھاے " جو انسان کے موجودہ اِدراک و قواے عقلی سے بہت بڑھکر ہوں " اور اُسکے کلام میں وہ حیرت انگیز تاثیرات و برکات ہوں کہ بقول مؤلفین انسائکلوپیڈیا برٹانیکا " ایک قابل حیرت قلیل مدت میں " عرب جیسی وحشی و گمراہی اور ضلالت میں ڈوبی ہوئی قوم کی حالت کو بالکلیہ منقلب کردے " اور جسکے دین کو بقول سیل صاحب " دنیا میں وہ قبولیت حاصل ہوئی جسکی مثل و نظیر نہیں ہے - اور اُسکو نہ صرف اُن قوموں نے قبول کیا جنپر مسلمانوں نے کبھی فوج کشی کی تھی بلکہ اُن لوگوں نے بھی قبول کیا جنھوں نے اہل عرب کو اُنکی فتوحات سے محروم اور اُنکی سلطنت بلکہ اُنکے خلیفوں کا خاتمہ کردیا - اور جسمیں کوئی بات اُس سے بڑھکر بھی جو ایک مذہب میں عموماً خیال کیجاتی ہے - اور جس سے ایسی عجیب ترقی ہوئی "* وہ اُمّی اور علوم ظاہری سے محض ناآشنا ہو! اور یہہ تعجب اُسوقت اور بھی بڑھجاتا ہے جبکہ اِس بات پر خیال کیا جاے کہ وہ ایک ایسی قوم میں معبوث ہوا تھا جو ایک عرصہ بعید و زمان ممتد سے ایک ایسی بجہلی و جہالت اور ظلمت و ضلالت میں

---

* دیکھو سیل صاحب کا دیباچہ ترجمہ قرآن - مؤلف عفی عنہ

ڈوبی ہوئی تھی جسکی نظیر دنیا کی کسی قوم کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ وہ اُسنے
اپنی عمر کے چالیس برس ایسے لوگوں کے ساتھ بسر کیئے تھے جو
شراب خواری و قمار بازی و بُت پرستی و زناکاری اور چوری اور قزاقی
اور قتل و خونریزی اور نہایت درجہ کی بیرحمی اور اولادکُشی اور طرح طرح
کے اوہام اور بیہودہ خیالات کے سوا کچھ نہیں جانتے تھے اور خدا اور
عاقبت تو اُنکے نزدیک کوئی چیز ہی نہ تھی جسکا کچھ خوف اور ڈر ہوتا۔
اور باوجود اس درجہ کی ناداری و افلاس کے کہ جسکی برابری بقول راڈویل
صاحب "صرف اُنکی جہالت ہی کر سکتی تھی" ایسے سرکش اور مغرور
تھے کہ ہر ایک قبیلہ کا سردار بجائے خود گویا ایک فرعون تھا جو اپنے
سوا کسی کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتا تھا اور کسی ناصح کی بات کو ماننا یا اُسکے
آگے سر جھکانا تو ایک ایسا امر تھا جو قریب بہ محال سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ
فطرت کے قاعدہ کے موافق بغیر اسکے کہ وہ شخص مُلہم و مؤید من اللہ
ہو ممکن نہ تھا کہ "روحانی تربیت کے حقایق و دقایق ایسے الفاظ میں
بیان کر سکے جو عالم اور حکیم اور فلسفی اور نیچرلسٹ اور دہریہ سے لیکر
عام جاہلوں بدوؤں صحرا نشینوں تک کی ہدایت کے لیئے یکساں
مفید ہوں" اور ایسا کلام کر سکے جسمیں بقول راڈویل صاحب
"ایک نہایت اعلیٰ درجہ کی عمیق سچائی ہے جو ایسے الفاظ میں بیان
کی گئی ہے جو باوجود اختصار کے قوی اور کثیر الدلالت اور مُلہمانہ حکمت سے
بھرے ہوئے ہیں*" مگر قرآن [جس سے زیادہ کوئی صحیح تاریخ آنحضرت

* دیکھو راڈویل صاحب کا دیباچہ ترجمۂ قرآن۔ مؤلف عفی عنہ

اور قوم عرب اور اُن کے حالات و خیالات کی نہیں ہو سکتی] تو یہی بتاتا ہے کہ وہ نہ کبھی اُستاد پاس بیٹھا اور نہ اُسنے کبھی قلم ہاتھ میں پکڑا۔ چنانچہ سورۂ عنکبوت میں ہے " مَاكُنْتَ تَتْلُوْمِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ " یعنی نہیں پڑھ سکتا تھا تو [اے محمدؐ] نزول قرآن سے پہلے کچھ لکھا ہوا اور نہ لکھ سکتا تھا تو اپنے دائیں ہاتھ سے [اگر پڑھ لکھ سکتا] تو البتہ اُس وقت اِن باطل پرستوں [یعنی منکرین کو قرآن کے مِن اللہ ہونے میں شبہ کرنے کا] موقع ہوتا" اور علماء مسیحی کے اعتراف سے بھی اُسکا اُمّی ہونا ہی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ اِنسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے محقق مولفین لکھتے ہیں کہ " اگرچہ محمدؐ کی طبیعت میں ہر شے کی تہہ کو پہنچ جانیکا ایک قدرتی وصف تھا۔ مگر تعلیم اُسکی بہت ناقص تھی۔ اور اسمیں بھی شبہ ہے کہ وہ پڑھ لکھ بھی سکتا تھا یا نہیں [۵۱] بلکہ زبان عربی کے قواعد نظم و قوافی سے وہ اسقدر ناواقف تھا کہ ایک شعر بھی بغیر کچھ نہ کچھ غلطی کرنیکے نہیں کہہ سکتا تھا۔ چنانچہ اِسی کے اشارہ کے طور پر قرآن کے ایک مشہور و معروف سورہ میں اُسنے یوں کہا ہے " ہمنے محمدؐ کو فن شاعری نہیں سکھایا۔ اور نہ اُسکے لئے شاعر ہونا ضرور ہے " [۵۲]

۵۱ گبن۔ کارلائل۔ ڈیون پورٹ۔ اور باسورتھ سمتھ صاحب نے بہت صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ آنحضرت لکھا پڑھا نہیں جانتے تھے۔ مولف عفی عنہ

۵۲ یعنی مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ۔ قرآن مجید۔ سورۂ یاسین۔ مولف عفی عنہ

اور ریورینڈ راڈویل صاحب اپنے ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں ارقام فرماتے ہیں کہ "ہمارے پاس اس امر کی کوئی شہادت نہیں ہے کہ ہماری سُنّت کبھی محمدؐ کو دستیاب ہوئی ہوں گو یہہ سرّت ممکن ہے کہ عہد عتیق یا جدید کے ٹکڑے خدیجہ یا ورقہ* یا کسے اور عیسائیوں کے ذریعہ سے جنکے پاس ہماری مقدس کتاب کے قلمی نسخے موجود ہوں گے اُسکے پاس پہنچ گئے ہوں --- اور یہہ امر بھی ذہن میں رکھنے کے لائق ہے

* ہم نہیں کہہ سکتے کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے حضرت خدیجہ کا کیا مذہب تھا مگر ورقہ بن نوفل جو اُنکا چچازاد بھائی تھا بیشک عیسائی تھا - لیکن ان بے اصل احتمالات اور ظنون و شکوک سے اس صحیح اور ثابت امر کو کہ آنحضرت پڑھے لکھے نہ تھے کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا - اگر درحقیقت آپکو لکھنا پڑھنا آتا تو آپکے صحابہ اور رفقا اس امر میں کسی طرح سکوت اختیار نہ کرتے اور آپکی ازواج مطہرات اور عزیز و اقربا اور بالخصوص آپکے چچا جنہوں نے آپکو پالا تھا بے خبر نہیں رہ سکتے تھے - اور نہ اُس نہایت درجہ کی اعلیٰ عقل کا جسکا اعتراف منکرین کو بھی ہے یہہ مقتضا ہو سکتا تھا کہ اپنے قبیلہ کے لوگوں کے سامنے خلاف واقع اپنے تئیں اُمّی فرماتے اور قرآن مجید میں بھی اسی لقب سے اپنے کو ظاہر کرتے - کیونکہ ایسی صورت میں مخالفین کو گرفت کا آسان موقع ہاتھ آجاتا - اور عقائد اسلام کی صداقت پر اُنکو ہرگز یقین نہ آتا - اور اس سے قطع نظر ایک ایسی خفیف بات کو چھپانے سے آپکو فائدہ ہی کیا تھا - کیونکہ پڑھا لکھا ہونا منصب نبوت کے کسی طرح مخالف نہیں ہو سکتا - مثلاً حضرت موسیٰ ہی کو دیکھو کہ پڑھے لکھے بلکہ فلسفہ مصریہ میں اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ تھے جیسا کہ لوقا نے رسالہ اعمال باب ۷ ورس ۱۲ میں بہ تصریح لکھا ہے - اور اُنکا پڑھا لکھا ہونا تو کتاب خروج باب ۲۴ درس ۴ اور یشوع باب ۸ درس ۳۲ سے بھی ظاہر ہوتا ہے اور حضرت عیسیٰ بھی لکھنا پڑھنا

کہ ہمکو کوئی صاف سراغ اس امر کا نہیں ملتا کہ کوئی عربی ترجمہ عہد عتیق یا جدید کا محمد صلعم کے زمانہ سے پہلے موجود تھا" اور ریورینڈ جان فنڈر صاحب نے بھی میزان الحق کے باب سویم میں صاف تصریح کی ہے کہ "آنحضرت توریت و انجیل نہیں پڑھے تھے" یعنی زبان عبرانی و یونانی وغیرہ سے جنمیں توریت و انجیل منقول تھیں ناواقف تھے۔ پس ثابت ہوا کہ کوئی اور ہی قوت قدسیہ تھی جس نے حضرت نبی امی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسے کلام کے کرنے پر قادر کر دیا تھا کہ جس نے نہ صرف ژند و اوستا وغیرہ کتب ادیان باطلہ کی مشرکانہ و خلاف حق تعلیمات پر خط نسخ کھینچدیا بلکہ توریت و انجیل کے مولفوں کی غلطیوں کو بھی علانیہ ثابت کر دیا۔ فللہ در من قال ~~ نگار ما کہ بمکتب نرفت و خط ننوشت + بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد۔

حقیقت یہہ ہے کہ خدا نے انسان کو ایک ایسا وجود بنایا ہے جو اگرچہ بلحاظ اپنے بعض قوا کے عام حیوانات کا مشارک ہے مثلاً سونا۔ جاگنا۔ اٹھنا۔ بیٹھنا۔ چلنا۔ پھرنا۔ دیکھنا۔ سننا۔ وغیرہ مگر ایک قوت خاص کیوجہ سے جو صرف اسی کو بخشی گئی ہے اور جسکا نام عقل ہے ان سے

جانتے تھے اور آپنے قصبہ ناصرہ کے مدرسہ میں بیبل کی تعلیم پائی تھی۔ جیسا کہ ڈین ملمن صاحب نے اپنی تاریخ کلیسیا کی جلد اوّل باب سویم میں بالتصریح بیان کیا ہے اور نہ آنحضرت کے پڑھے لکھے ہونیسے قرآن مجید کی شان اور اسکے معجز اور بے مثل فصیح و بلیغ ہونے میں کچھ فرق آسکتا تھا کیونکہ حروف کے لکھ پڑھ لینے سے کوئی شخص فصیح و بلیغ نہیں ہوسکتا اور پھر ایسا فصیح و بلیغ جسکا مثل عرب کے بڑے سے بڑی فصحا و بلغا میں کوئی بھی نہ تھا۔ مولف

ممتاز اور بالکل علیحدہ ہے - اور سوائے ہاتھ - پانو - آنکھ - ناک وغیرہ
کی مشارکت کے اور کسی چیز میں ایسے مشابہ و مماثل نہیں ہے - جن
قوا میں انسان حیوانات کے ساتھ سہیم و شریک ہے وہ فطرتاً ایسے
ڈھنگ پر بنائے گئے ہیں جو بغیر تعلیم و تربیت کے رشد حاصل کرتے
ہیں اور جوں جوں انسان عمر میں ترقی کرتا جاتا ہے ووں ووں وہ بھی زیادہ
باقاعدہ اور قوی ہوتے جاتے ہیں یہانتک کہ ایک حد مناسب پر پہنچ جاتے ہیں مگر
عقل کا رشد اور کمال تعلیم و تربیت پر موقوف ہے - اور صرف سیکھنے سکھانے اور پڑھنے
پڑھانیکی حاصل نہیں ہوتا مثلاً کسی فن کا اُستاد یا علم کا علامہ اگر اس علم و فن میں تعلیم و تربیت نہ پائے
تو ممکن نہیں کہ اس فن کا اُستاد یا اُس علم کا علامہ بنجاے اور ترقی کرتے کرتے ایسے درجہ کمال کو
پہنچ جاے جو اُسکے ہمعصروں کو حاصل نہو - مگر یہہ حالت اکثریہ ہے -
اور تعلیم و تربیت اسی میں منحصر نہیں ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان
سے حاصل کرے - بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حاصل کیئے بغیر بھی حاصل
ہو جاتی ہے - اور انسان خود ہی کسی فن کا اُستاد یا علم کا علامہ بنجاتا ہے
- چنانچہ تجربہ ہوا ہے کہ ایک شخص کی عقل فطرتاً ایسی روشن اور قوی ہوتی ہے
کہ کسی سے تعلیم و تربیت پانے کی محتاج نہیں ہوتی - اور وہ خود ہی مظاہر قدرت
اور اُنکے باہمی تعلقات پر غور کر کے ایسے نتیجے نکال لیتا ہے جو اُس سے
پہلے کسی کو بھی معلوم نہیں ہوتے - اور اُنکا موجد و مخترع سمجھا جاتا ہے - پس
معلوم ہوا - کہ اگرچہ قوائے عقلی کی تکمیل اور رشد کے لیئے تعلیم و تربیت کا ہونا
لازمی ہے - مگر تعلیم و تربیت کے لیئے کسی اُستاد یا معلم کا ہونا لازمی نہیں ہے

اور فطرت آلہیہ خود ہی ایسی اُستاد اور مُعلّم ہے کہ کبھی کبھی کسی انسان کو کسی علم یا فن کے متعلّق کوئی ایسی بات بتا دیتی ہے جو اُس سے پہلے کسی کو معلوم نہیں ہوتی اور پھر اُس سے سُنکر یا سیکھکر شدہ شدہ اکثر یا تمام انسان اُس سے واقف ہو جاتے ہیں۔ تمام علوم وفنون جو دنیا میں رائج ہیں اگر اُنکا کھوج لگایا جاے تو یہی معلوم ہوگا کہ فُلاں علم یا فن کی فُلاں بات پہلے پہل فُلاں شخص کو معلوم ہوئی تھی یا اُسنے نکالی تھی۔ اور پھر اُس سے سُنکر یا سیکھکر فُلاں شخص سے دنیا میں اُسکو پھیلایا تھا اور پھر فلاں شخص نے اُسکی اصلاح کی تھی یا اُسمیں کچھ گھٹا بڑھا کر اُسکو ترقی دی تھی۔ پس جبکہ قدرت نے اِس پُتلے کو جسکا نام انسان ہے فطرتاً ایسا بنایا ہے کہ اُمور معاش میں اپنے ابنائے جنس سے استعانت کے بغیر اُسکو چارہ نہیں اور اِسی واسطے مدنی الطّبع کہلاتا ہے یعنی بالطّبع اپنے ہمجنسوں کے ساتھ اکٹھے ہو کر رہنے اور ایکدوسرے سے مدد حاصل کرنے پر مجبور ہے اور قُدرت نے اُسکی حاجات وضروریات کے موافق معاش کے متعلّق علوم وفنوں کا القا وقتاً فوقتاً اُسی کے ابناے جنس کے بعض لوگوں پر جو اپنی فطرت کی رو سے اُسکی قابلیت رکھتے تھے کیا ہے۔ جس سے انسان کی زندگی اور اُسکے اُمور معاش میں اُسکو کامل درجہ کی سہولت اور آسانی حاصل ہوگئی ہے۔ اور یہہ فیضان آلہی ابتداے پیدایش انسان سے ابتک برابر جاری ہے۔ اور یقین ہے کہ آیندہ بھی جاری رہیگا تو اُس عنایت ازلیہ کا جسنے اِس ناچیز وجود کو طبعاً اپنے مبدأ و معاد کے جاننے اور

اپنے خالق و مالک کی مرضی و منشا کے معلوم کرنے پر بھی مکلّف کیا ہے اور
وجہ تکلیف یعنی وہ قوّت جسکو عقل انسانی یا عقل کلی کہتے ہیں ہر ایک کی استعداد
و قابلیت کے موافق اسکو عطا کی ہے۔ اور کوئی بشر اُس سے خالی نہیں ہے
یہہ مقتضا نہیں ہو سکتا کہ جسطرح اُسنے اپنے کمال فضل و رحمت سے انسان
کی فانی اور چند روزہ زندگانی کی آسایش و آرام کے لیئے ایسا کچھ انتظام
کر دیا ہے۔ جو اُسکی نوع کے قوام و قیام کے لیئے ضروری بلکہ اس سے
بھی زیادہ ہے۔ اُسیطرح اُسکی حیات باقی و ابدی کے آرام و راحت
کا فکر اُسنے نہ کیا ہو اور اُسکا تدارک نفرمایا ہو۔ پس ضرور ہوا کہ وقتاً فوقتاً انسانوں
کی حالت و حیثیّت کے موافق انہیں میں سے بعض اشخاص پر جو اپنی فطرت
و جبلّت کی رو سے اُسکے قابل ہوں اُن اُمور کا القا فرماوے۔ جو انسان
کی آیندہ زندگی کی حاجات و ضروریات کی کفالت کر سکیں۔ کیونکہ تمام انسان
جسطرح فرداً فرداً معاش کے متعلق علوم و فنون کے معلوم کرنے کی
فطرتاً قابلیّت نہیں رکھتے اور اس نقص قابلیت کی وجہ سے ایکدوسرے
کی استعانت کے محتاج ہیں اُسی طرح اِس امر کی استعداد بھی اُنکو حاصل
نہیں ہے کہ ان میں کا ہر ایک شخص اُس لا معلوم اور سب سے برتر وجود
کو جسکا نام اللہ ہے اور اُسکی صفات اور اُسکے اوامر و نواہی اور اُسکے
طریقہ عبادت کو دریافت کر سکے۔ کیونکہ وہ نہ اُس وجود مقدّس کو دیکھ سکتے
ہیں اور نہ چھو سکتے ہیں اور نہ اُس سے بات چیت کر سکتے ہیں اور نہ وہی
بسبب اُنکی ناقابلیتِ فطری کے اُنسے اپنی مرضی و منشا کا اظہار فرما سکتا ہے

پس جن لوگوں پر اُس فیاض مطلق کی جانب سے اُن اُمور کا القا ہوتا ہے
جو تہذیب نفس انسانی اور اُسکے درجہ کمال و سعادتِ اُخروی کے
حاصل کرنیکے لیئے ضروری ہیں وہ اگرچہ شکل و صورت میں عام انسانوں
ہی کے موافق ہوتے ہیں مگر جس طرح انسان بسبب ایک خاص قوّت
کے جسکا بیان ہم اوپر کر آئے ہیں باوجود مشارکت بعض قوا و اعضا کے
عام حیوانات سے علٰحدہ اور بالکل جدا ہیں اُسیطرح یہہ بھی ایک امر خاص
یعنی ملکۂ نبوّت یا قابلیّت تلقّیٔ وحی کی وجہ سے عام انسانوں سے بالکل
متمیّز و مستثنٰے ہیں اور انہیں کو اصطلاح میں پیغمبر اور نبی کہتے ہیں اور
انکا ہونا ویسا ہی ضروری اور لابدی ہے جیسا کہ اُمور معاش کے متعلّق
علوم و فنون کے معلوم اور ایجاد کرنے والوں کا ہونا ضروری ہے۔
اور جس طرح وہ مظاہر قدرت کے باہمی تعلّقات پر غور و فکر کرکے اُمور
حسّی و جزئی یعنی معاش کے متعلّق علوم و فنون کو معلوم کر لیتے ہیں اُسی
طرح یہہ بھی صحیفۂ قدرت کی آیات بیّنات کو بغور پڑھکر اُمور عقلی و کلّی
یعنی معاد اور تہذیب نفس اور اُسکے کمال و سعادتِ اُخروی کا علم حاصل
کر لیتے ہیں۔ اور اپنے سے ناقص اور کم درجہ کے لوگوں کو اُسکی تعلیم
کرتے ہیں۔ اور سب سے مقدّم کام اُنکا لوگوں کو اُس سب سے برتر اور
سب سے قوی اور ہمہ قدرت وجود کی طرف متوجہ کرنا ہوتا ہے جسکا
نام خُدا ہے۔ اور اسکے بعد اُن اُمور کا تعلیم کرنا جو منشاے آلہی کے
موافق یا مخالف یعنی اپنی فطرت کی رو سے اچھّے یا بُرے یا یوں سمجھو کہ

طبعاً تہذیب نفس انسانی کے موافق یا مخالف ہیں اور جسکا نام زبان شرع میں اوامر و نواہی ہے گو کہ اُن میں سے بعض کا انکی فطرت کی رُو سے اچھّا یا بُرا ہونا بعض یا اکثر انسانوں کے نقص عقل کی وجہ سے اُنکی سمجھ سے باہر ہو۔ تاکہ ہر ایک انسان اپنی حیثیّت و قابلیت کے موافق اُس تعلیم سے مستفید ہوکر اُس درجہ کمال کو پہنچ جاسے جسکا نام سعادت اُخروی یا حیات ابدی یا جنّتِ خلد ہے۔ یہی مطلب اُس حدیث شریف سے مستفاد ہوتا ہے جو رئیس المحدثین شیخ محمّد بن یعقوب کلینی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب جامع کافی کے باب اضطرار الی الحجۃ میں ہشام بن الحکم کی سند پر جناب امام بحق ناطق جعفر بن محمّد الصادق علیہ السلام سے نقل کی ہے اور وہ یہہ ہے

اَنَّہٗ علیہ السَّلامُ قَالَ لِلزِّنْدِیْقِ الَّذِی سَأَلَہٗ مِنْ اَیْنَ اَثْبَتَّ الْاَنْبِیَاءَ وَالرُّسُلَ۔ قَالَ اِنَّا لَمَّا اَثْبَتْنَا اَنَّ لَنَا خَالِقًا صَانِعًا مُتَعَالِیًا عَنَّا وَعَنْ جَمِیْعِ مَا خَلَقَ وَکَانَ ذَالِکَ الصَّانِعُ حَکِیْمًا مُتَعَالِیًا لَمْ یَجُزْ اَنْ یُّشَاهِدَہٗ خَلْقُہٗ وَلَا یُلَامِسُوْہُ فَیُبَاشِرُہُمْ وَیُبَاشِرُوْنَہٗ وَیُحَاجُّہُمْ وَیُحَاجُّوْنَہٗ ثَبَتَ اَنَّ لَہٗ سُفَرَاءَ فِیْ خَلْقِہٖ یُعَبِّرُوْنَ عَنْہُ اِلٰی خَلْقِہٖ وَعِبَادِہٖ وَیَدُلُّوْنَہُمْ عَلٰی مَصَالِحِہِمْ وَمَنَافِعِہِمْ وَمَا بِہٖ بَقَاءُ ہُمْ وَفِیْ تَرْکِہٖ فَنَاءُ ہُمْ۔ فَثَبَتَ الْاٰمِرُوْنَ وَالنَّاہُوْنَ عَنِ الْحَکِیْمِ الْعَلِیْمِ فِیْ خَلْقِہٖ وَالْمُعَبِّرُوْنَ عَنْہُ جَلَّ وَعَزَّ وَہُمُ الْاَنْبِیَاءُ وَصَفْوَتُہٗ مِنْ خَلْقِہٖ حُکَمَاءُ مُؤَدَّبِیْنَ بِالْحِکْمَۃِ مَبْعُوْثِیْنَ بِہَا غَیْرَ مُشَارِکِیْنَ لِلنَّاسِ عَلٰی مُشَارَکَتِہِمْ لَہُمْ فِی الْخَلْقِ وَالتَّرْکِیْبِ فِیْ شَیْءٍ

مِّنْ اَحْوَالِهِمْ وَيُبَيِّنُ عِنْدَهُ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ بِالْحِكْمَةِ - ثُمَّ ثَبَتَ ذَالِكَ
فِيْ كُلِّ دَهْرٍ وَزَمَانٍ مِمَّا اَتَتْ بِهِ الرُّسُلُ وَالْاَنْبِيَاءُ مِنَ الدَّلَائِلِ
وَالْبَرَاهِيْنِ لِكَيْلَا يَخْلُوْ اَرْضُ اللّٰهِ مِنْ حُجَّةٍ يَكُوْنُ مَعَهُ عِلْمٌ يَدُلُّ
عَلٰى صِدْقِ مَقَالَتِهِ وَجَوَازِ عَدَالَتِهِ "

یہہ مُدّعا جو ہمنے بیان کیا جیسا کہ عقلاً ثابت ہے ویسا ہی انسان کی تاریخ سے بھی اسکا ثبوت ہوتا ہے مثلاً اُس نوجوان شخص کے حال پر غور کرو جسکا نام اِبْرَاهِیْم تھا اور جو ایک ستارہ پرست قوم اور بُت تراش گھرانے میں پیدا ہوا تھا - اور بچپن سے اُنہیں خیالات و اعتقادات کو سُنتا رہا تھا جو اُسکی قوم میں شایع و ذایع تھے کہ جب اُسنے پہلے پہل مظاہر قُدرت میں سے ایک چھوٹی چمکیلی عجیب و غریب چیز یعنی ایک ستارہ کو تفکّر و تدبّر کی نظر سے دیکھا اور اپنی قوم کے خیالات و اعتقادات پر غور کیا جو ستاروں کو مؤثر بالذّات اور نافع یا ضرر رساں جانتے اور اُنکی پُوجا اور پرستش کرتے تھے اور انکار کے طور پر اپنے دِل سے پُوچھا "هٰذَا رَبِّیْ" کیا یہہ میرا مالک و پروردگار ہے ؟ اور جب وہ چھُپ گیا اور چاند چمکتا اور ڈھلتا نظر آیا تو پھر وہی بات کہی اور پھر سُورج کو چمکتا دیکھکر بُولا - پھر کیا یہہ میرا مالک و پروردگار ہے - یہہ تو اُن سے بھی بڑا ہے ؟ اور پھر اپنے ہی دل سے جواب پاکر بول اُٹھا "اِنِّیْ لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ" مَیں تو غروب ہو جانے والوں کو دوست نہیں رکھتا - اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہدیا کہ جن چیزوں کو

تم خدا کا شریک بناتے ہو میں ان سے بیزار ہوں اور اپنے دلی یقین سے صرف اسی کو اپنا مالک و پروردگار جانتا ہوں جسنے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے۔ اگر اسکو یہہ سچی اور حق باتیں فطرت نے نہیں سکھائی تھیں تو کسنے سکھائی تھیں؟ یہی حال اُس پاک طینت و قدسی صفت یتیم بچے کا ہے جو ایک ریگستانی اور جنگلی ملک میں پیدا ہوا تھا۔ اور بنی سعد کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ اور جسنے ابتدائے پیدائش سے چالیس برس تک ایسے لوگوں میں زندگی بسر کی تھی جو لات و عزّیٰ وغیرہ بتوں کی پرستش کے سوا کچھ نہیں جانتے تھے مگر خود کبھی نہیں بھٹکا تھا۔ کہ جب اُسنے اُس قوّت قدسیہ کی تحریک سے جو خدا نے اسکی فطرت میں ودیعت کی تھی اپنے اور اپنے گردو پیش کی چیزوں اور اپنی قوم کی راہ و رسم اور پرستش و عبادت پر غور و فکر کیا اور امر حق کا متلاشی ہوا۔ تو یکایک حق و صدق کی وہ ربّانی روشنی اُسکے دل پر چمکی جسکی حقیقت اور غایت و غرض کو خود اس روشنی کے اُتارنے والے نے یوں بیان کیا " اِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ - نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ " [قرآن مجید سورۂ شعرا] اور جسنے نہ صرف اُسی کو بلکہ ایک جہان کو منوّر کر دیا۔ اور جسکی نسبت گھلُو جو ایک محقق عیسائی مؤرخ ہے منکرین سے سوال کرتا ہے کہ " یہہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک مذہبی شعلہ جو

اگرچہ ایک بیابان میں سے اُٹھا تھا مگر جسنے اسقدر قابل حیرت قلیل مدت

میں تمام ایشیا میں آگ بھڑکا دی وہ ایسے دل میں سے نکلا ہو جسمیں اسکی کچھ بھی گرمی موجود نہو*؟" پس جو لوگ اپنی عقول ناقصہ و نفوس مظلمہ پر قیاس کر کے ایک ایسے فصیح و بلیغ اور پُراز حقایق و معارف کلام کے صدور کو جیساکہ قرآن مجید ہے ایک ایسے شخص سے جو محض اُمّی ہو مستبعد سمجھتے ہیں۔ اور طرح طرح کے شبہات و خدشات انکو ہوتے ہیں۔ یا تو وہ عقل انسانی اور نفس نبوی کے خواص و ملکات۔ اور فطرت الٰہیہ کے فیضان و تصرّفات سے بیخبر اور غافل ہیں۔ یا مکابر و معاند ہیں جو دیدہ و دانستہ پاس مذہب وغیرہ کی وجہ سے انکار کرتے ہیں۔ ورنہ جو لوگ قدرت کے تصرّفات و عادات۔ اور عقل انسانی کے کمالات و ملکات سے واقف ہیں۔ اور اُن کا دل خدا نے حق باتوں کے سمجھنے اور قبول کر لینے کے لئے کھول دیا ہے۔ وہ نہ اسکو کچھ مستبعد ہی جانتے ہیں اور نہ انکار ہی کرتے ہیں۔ بلکہ صاف صاف حضرت نبی اُمّی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت حقّہ۔ اور تقدّس و بزرگی۔ اور آپ کے مُلہَم و مؤیّد من اللہ۔ اور قرآن مجید کے کلام اللہ ہونیکو تسلیم کرتے ہیں۔ اور تسلیم ہی نہیں کرتے۔ بلکہ بڑی اونچی آواز سے اُسکی شہادت بھی دیتے ہیں۔ چنانچہ مسٹر طامس کارلایل مرحوم جو محقّق و مشاہیر فضلاے یوروپ سے ہیں۔ اُن معاندین کے اقوال کے رد میں جو بعض جھوٹے نقایص کا اتہام آنحضرت پر لگاتے

* دیکھو انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ مضمون "محمّد اور اُسکا مذہب" مؤلف عفی عنہ

ہیں۔ فرماتے ہیں کہ " ہا ! ایسا ہرگز نہیں۔ یہہ ژرف نگاہ شخص جو
جنگلی مُلک میں پیدا ہوا تھا اپنی دل میں کھُب جانے والی سیاہ آنکھوں
اور شگفتہ اور با اخلاق اور پُرغور طبیعت کے ساتھ بجاے جاہ طلبی
کے کچھ اور ہی خیالات رکھتا تھا۔ وہ ایک ذی سکینہ اور غیرمعمولی
طاقتوں والی رُوح تھا۔ اور اُن لوگوں میں سے تھا جو سواے راستباز
ہونیکے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتے۔ اور جسکو خود قدرت نے سچّا اور راستباز
پیدا کیا تھا۔ جبکہ اور لوگ مقرّرہ عقیدوں اور روایتوں پر چلتے اور انہیں پر
قائم و قانع تھے۔ یہہ شخص اُن عقاید و روایات کے حجاب میں نہ رہ
سکتا تھا۔ اور اپنی رُوح اور حقایق اشیا کے معلوم کرنے میں اوروں سے
مُستغنی تھا۔ اور جیسا کہ مینے بیان کیا ہے ہستی مطلق کا سرِّ عظیم مع اپنے
جلال و جمال کے اُس پر کھُل گیا تھا۔ اور پُرانی روایتیں اُس حقیقت پر جسکے بیان
میں ناطقہ عاجز ہے۔ اور جسنے اپنے تئیں " مَیں یہاں ہوں* " سے
تعبیر کیا۔ پردہ نہ ڈال سکیں۔ ایسا صدق جسکا ہمنے کوئی اور بہتر لفظ نملنے
کی وجہ سے صدق نام رکھا ہے فی الحقیقت منجملہ آثار آلہی ہے۔ ایسے
شخص کا کلام ایک آواز ہے جو بلا واسطہ فطرت آلہیہ کے قلب سے
نکلتی ہے۔ جسے انسان سُنتے ہیں اور جسکے سُننے میں اور چیزوں کی
بہ نسبت زیادہ توجہ چاہیے۔ کیونکہ اُسکے مقابلہ میں اور جو کچھ ہے وہ

---

* اُس خطاب الہی کی طرف اشارہ ہے۔ جو موسیٰ علیہ السلام کی نسبت وادیٔ ایمن
میں ہوا تھا۔ جسکا ذکر توریت کی کتاب خروج باب سوم درس چہارم میں ہے۔ مؤلف عفی عنہ

ہیچ ہے - شروع ہی سے اُسکے دل میں حج کے موقعوں اور نیز روزمرہ کے اِدھر اُدھر جانے پھرنے میں طرح طرح کے ہزاروں خیالات پیدا ہوتے تھے - مثلاً یہہ کہ میں کیا ہوں ؟ یہہ اتھاہ چیز جسکو لوگ دُنیا کہتے ہیں اور جسمیں میں موجود ہوں کیا ہے؟ زندگی کیا ہے؟ موت کیا ہے؟ ہمنے کس بات کا یقین کرنا چاہیئے ؟ اور کیا کرنا چاہیئے ؟ جبکا جبل حرا اور کوہ سینا کے بڑے بڑے پتھروں کے ڈھیروں اور سخت سُنسان ریتلے بیابانوں نے کچھ جواب نہ دیا - اور سر پر چپ چاپ چکر کھانے والے آسمان نے بھی مع اپنی نیلگوں روشنی والے ستاروں کے کچھ نہ بتایا مگر بتایا تو صرف اسی کی روح نے اور خُدا کے اِلہام نے جو ہمیں تھا،" ہمنے اِسلام کو دِیْنُ الْقَیِّم بتایا ہے - یعنی سیدھا - مستحکم اور ناقابلِ زوال دین - مگر اُسکی وجہ اور دلیل کا بتانا باقی ہے جسکو اب ہم بیان کرتے ہیں - پس واضح ہو کہ تمام انسان وحشی ہوں یا شہری - مہذّب ہوں یا نامہذّب - عالم ہوں یا جاہل - اگرچہ فطرتاً اِس بات کے جاننے اور یقین کرنے پر مکلّف ہیں کہ تمام موجودات کا خالق یا اُنکے وجود کا سببِ اخیر یا علتُ العِلَل کوئی ہے - اور یہہ عذر کہ ہمارے پاس اِس امر کا بتانے والا کوئی نہیں آیا اُنکو اس فرض سے سبکدوش نہیں کر سکتا - تاہم چونکہ یہہ امر اسقدر غامض اور باریک ہے اور عقلِ انسانی جو علت اس تکلیف کی ہے وہ ہر ایک کو فطرتاً برابر عنایت نہیں ہوئی - اور بعض اسبابِ خارجی مثلاً کسی قوم میں پیدا ہونے - اور اُنہیں میں پرورش پانے

اور ابتدا سے اپنے خیالات کے نقش رکھتے۔ اور انکو سچ سمجھتے یا بعض اشخاص کی نسبت حسن ظن پیدا کرتے۔ اور انکی رائے اور سمجھ پر بھروسہ کرتے ہے جو مقتضی الطبع ہونیکے لوازم ہیں۔ عقل انکی مقید اور مغلوب ہو جاتی ہے اسلیئے اگرچہ تقریباً تمام انسان اُس ذات کو موجود تصور کرتے ہیں۔ یعنی اِس امر میں کہ انکا خالق اور اُنکے وجود کا سبب اخیر کوئی ہے غلطی نہیں کرتے۔ مگر اُسکی تعیین و تصدیق میں اکثر سہو کر بیٹھتے ہیں اور کوئی کسی چیز میں کوئی کسی چیز میں الوہیت اور اُسکے مؤثر بالذات ہونے کا یقین کر لیتا ہے۔ اور اُسکی رضامندی حاصل کرنے یا خفگی سے بچنے کے خیال سے اُسکی پوجا اور پرستش کرتا ہے۔ اور اِس طرح سے گوناگوں مذاہب پیدا ہو جاتے ہیں۔ مگر انسان کا اصلی اور حقیقی مذہب صرف ایک ہی ہے۔ جسپر وہ پیدا کیا گیا ہے۔ یعنی اُس ذات مقدس کو جو تمام موجودات کی علت اخیر اور اُنکی خالق ہے۔ موجود اور یکہ و یگانہ اور تمام صفات کمال سے موصوف اور نقایص سے منزہ و مبرا جاننا۔ اور اُلوہیت کو صرف اُسی میں منحصر سمجھکر اُسکے سوا تمام ممکنات و مخلوقات کو ناقابل پرستش و عبادت سمجھنا۔ جیسا کہ فطرت انسانی کے اُس سب سے بڑے واعظ نے جسکے مبارک و محمود نام کی تعظیم و تکریم اسلام کا دوسرا رکن ہے فرمایا ہے "کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ حَتّٰی یَکُوْنَ اَبَوَاهُ هُمَا اللَّذَانِ یُهَوِّدَانِهٖ وَیُنَصِّرَانِهٖ وَیُمَجِّسَانِهٖ" یعنی ہر ایک بچہ اُسی دین پر پیدا ہوتا ہے جو اُسکا فطری اور طبعی دین ہے [یعنی توحید

کے دین پر جسکا دوسرا نام اسلام ہے] مگر ماں باپ کی صحبت اور تعلیم و تلقین اور اُن کے خیالات و اعتقادات کے سُنتے رہنے اور اُنکی سمجھ اور رائے پر بھروسہ کر لینے کی وجہ سے کوئی یَہُودِی ہو جاتا ہی کوئی نَصْرَانِی اور کوئی مَجُوسِی" اسلئیے اِس نادان پُتلے کے بنانے والے نے اپنی کمال مہربانی سے کہ تکلیف مالا یطاق نہو اسکو مذکورہ بالا فرض کو کسیقدر ہلکا کر دیا ہے۔ یعنی اُسکی عدم بجا آوری کی مکافات کو ایک دوسرے امر یعنی خُدا کے رسولوں کے انکار اور اُنکی نصیحتوں کے نہ ماننے اور جو اوامر و نواہی وہ پہنچائیں اُن پر عمل نہ کرنے سے متعلق کر دیا ہے۔ جیسا کہ اُسنے خود فرمایا۔ "مَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا" یعنی ہم عذاب دینے والے نہیں جبتک کسی پیغمبر کو نہ بھیج چکیں" اور اس غرض کے پُورا ہونیکے لئیے اگرچہ وقتاً فوقتاً اُسکے رسول دنیا میں آتے رہے جنھوں نے انسانوں کی حالت وحیثیت اور اُن کے فہم و لیاقت کے موافق اُنکو تعلیم و تلقین کی اور اسی میں اپنی عمریں صرف کر ڈالیں۔ مگر چونکہ وہ تعلیم کسی ایسی بُنیاد اور دلیل پر مبنی نہ تھی جو بخوبی تمام لوگوں کی سمجھ میں آ سکے اور وہ اُسکو نہ بھُول سکیں اسلئیے لوگوں نے یا تو اُسپر یقین ہی نہ کیا یا یقین کیا مگر پھر بھُول گئیے۔ اور اُسکی جگہہ اپنی ناسمجھی سے ایک اور ایسے امر پر یقین کر لیا جو خدا کی مرضی و منشا اور اُسکے رسُولوں کی تعلیم اور خود اُس امر کے برخلاف تھا جسپر خُدا نے انسان کو اُسکی فطرت کی رو سے مکلّف کیا ہے۔ مثلاً اُس قدّس

وہ اولوالعزم شخص کے حال پر غور کرو جو اپنی قوم کے ہزارہا آدمیوں کو سمند
میں سے محفوظ و مصئون سے نکالا تھا - اور انکا دشمن اپنے تمام لشکر سمیت
اُسمیں ڈوب گیا تھا - کہ باوجودیکہ اُسنے انکو ایسی بلاؤں و مصیبتوں سے
چھڑایا کہ جنکا دفعیہ امکان سے باہر تھا اور اب بھی وہ تاریخ جس
زیادہ سچی بات نہیں ہے پھر بھی اُنہوں نے سینے تصور ذہن سے
اُسپر یقین نکیا اور صاف کہدیا کہ جبتک تو خدا کو ہمارے سامنے نکرد
اور ہم اُسکو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہیں ہمکو تیرے کہنے پر یقین نہیں آتا
اور بعض لوگوں نے جو دل سے کچھ یقین کیا تھا وہ بھی پھر شبہ
میں پڑگئے - اور انہیں محسوس چیزوں کی طرف انکی طبیعتیں مایل ہوگئیں
جنکو اپنی ابتدائے پیدایش سے پوجتا دیکھتے رہے تھے یہی حالت
ایک اور پاک اور نہایت مسکین و غریب آدمی کی ہوئی جو ایک خدائیت
مگر نہایت سنگدل اور شدید التعصب قوم کی تہذیب نفس و اصلاح اخلاق
کے لیے آیا تھا کہ جب اُسنے انکی نالایق اور خلاف اخلاق باتوں پر ملامت
کرنی شروع کی تو انکی جان کے دشمن بنگئے اور قریب تین سال کے جد و جہد
میں مٹھی بھر آدمیوں کے سوا [جو وہ بھی اپنے ایمان پر پختہ نہ تھے
جیسا کہ ہم شروح الکھتے ہیں] کسی نے بھی اسکی بات کو نہ مانا اور کسی معجزہ
اور کرامت نے کوئی مفید اثر پیدا نہ کیا اور آخرکار کال وری نامی پہاڑی
پر [جو بیت المقدس کے جنوب کی جانب ہے] وہ واقعہ پیش آیا جسکا
ہم سب کو افسوس ہے - اور اُسکے دنیا سے اٹھ جانیکے بعد عجایب پرست

طبیعتوں نے اپنی نادانی سے خدا کو چھوڑ کر خود اُسی میں اُلوہیت کا یقین کر لیا - بلکہ سچ پوچھو تو وہ عجائبات ہی اُن کے دھوکے میں پڑنے - اور گمراہ ہو جانیکے باعث ہوے - پس کسقدر تعظیم و تکریم کا مستحق ہے - وہ سب سے بزرگ اور سب سے زیادہ واجب الادب انسان جو ایک اُمّی قوم میں پیدا ہوا تھا اور جسنے علّم ازلی سے پہلا سبق یہ حاصل کیا تھا " اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ - خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ - اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ - عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ " یعنی پڑھ [کتاب فطرت کو] اپنے پروردگار کا نام لیکر جسنے تمام مخلوقات کو بنایا - انسان جیسی چیز کو لہو کی ایک پھٹکی سے پیدا کیا - پڑھ اور تیرا پروردگار سب سے زیادہ کرم والا ہے جسنے سکھایا انسان کو قلم کے ذریعہ سے - سکھائیں انسان کو معاش و معاد کے متعلق وہ تمام باتیں جنکو وہ نہیں جانتا تھا - " کہ جب سب سے اخیر میں اِس بڑے کام کے انجام دینے کے لیئے اُسکی باری آئی تو خدا نے اُسکے سابقین کی ناکامیابی کے اسباب سے اُسکو مطّلع کر دیا اور اُسنے بقول فاضل شہیر مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب [کہ جنکی رائے میں جسقدر علوم و فنون صحیحہ کو ترقی ہوتی جائیگی اُسیقدر امور خارق عادت کا دائرہ تنگ ہوتا جائیگا اور اسوجہ سے ایک ایسا ثبوت جو ایک ایسے زمانہ کے لیئے کافی ہے جو تخیلات کی بنیاد پر کچھ کچھ باتیں گھڑ لے وہ علوم و فنون اور تحقیق و تدقیق کے زمانہ سے ٹھیک طور پر مطابق نہیں ہو سکتا "] اپنی رسالت کے اخلاقی

نمونوں کو عجزوں پر ترجیح دی اور اس طرح ہمارا ایک ایسے خیال کی بعض کو پہچان یا جو علوم و فنون کی روز افزوں ترقی اور فطرت انسانی کی مسلمہ کمزوری سے بالکل موافق ہے" اور خدا کی ہدایت سے اپنی تعلیم کی بنیاد ایسے بدیہی اور محکم اصول پر رکھی کہ جسمیں شک و شبہ اور تغیر و تبدل کا امکان ہی نہیں۔ یعنی مظاہر قدرت اور خود انسان کی فطرت پر چنانچہ خدا نے اسکی بان سے کہلایا۔

۱ - یَآاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ فِیْ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ - [سورۂ انفطار]

۲ - فَلْیَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ یَّخْرُجُ مِنْۢ بَیْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ - [سورۂ طارق]

۳ - اَوَلَمْ یَتَفَكَّرُوْا فِیْ اَنْفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ - * [سورۂ روم]

۴ - وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ - الآیہ

۵ - وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ط [ایضاً]

۶ - وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ط [ایضاً]

۷ - وَمِنْ اٰیٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ط ایضاً

۸ - وَمِنْ اٰیٰتِهٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیٖ

* قال الزجاج معناه الا للحق اے لاقامۃ الحق یعنی الدلالت علی الصانع - مجمع البیان

بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا - [سورة روم]

۹- وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ ۔ [ایضا]

۱۰ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرَاتٍ - [ایضا]

۱۱- اَللّٰهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ ۔ [ایضا]

۱۲- وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَسْكَنَّاهُ فِي الْأَرْضِ [سورة مومنون]

۱۳- فَأَنْشَأْنَا لَكُمْ بِهِ جَنَّاتٍ مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ لَكُمْ فِيهَا فَوَاكِهُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۔ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِلْآكِلِينَ - وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۔ نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۔ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ۔

۱۴- فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا ۔ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۔ لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۔ ذٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ - وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ [سورة روم]

۱- یعنی* اے اپنے خدا کو بھولنے والے آدمی. کس چیز نے تجھ کو تیرے رب کریم سے جس نے تجھ کو پیدا کیا پھر درست کیا پھر سڈول بنایا جس صورت کا چاہا بنا دیا۔

۲- پس دیکھے انسان کہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے؟ پیدا کیا گیا ہے اچھلتے پانی سے جو مرد کی پیٹھ اور عورت کی چھاتی کی ہڈیوں میں سے نکلتا ہے۔

* ان آیات شریفہ کا ترجمہ ہم نے بطور حاصل معنی کے کیا ہے پس کوئی غلطی کا شبہ نہ کرے - مؤلف

۳- "تم اپنے ہی دل میں کیوں نہیں سوچتے ؟ نہیں پیدا کیا خدا نے آسمان اور زمین کو مگر اپنی خالقیت کے ثبوت کے لئے"

۴- اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمکو مٹی سے پیدا کیا پھر اب تم انسان ہو جا بجا پھیلے ہوئے"

۵- اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہارے لئے تمہارا ہمجنس جوڑا پیدا کیا تاکہ اس سے دلکو چین رہے اور ایک عجیب قسم کی محبت اور دل کی گھلاہٹ تم میں رکھی"

۶- اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے آسمان اور زمین کا پیدا کرنا اور تمہاری بولیوں کا اور تمہاری رنگتوں کا مختلف ہونا"

۷- اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے رات کو تمہارا سو رہنا اور دنکو روٹی کے دھندے میں لگنا"

۸- اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمکو بجلی چمکا کر دکھاتا ہے جسمیں کڑک کا ڈر اور مینہہ کی للچاہٹ ہے اور اوپر سے پانی برساتا ہے پھر اس سے مری ہوئی زمین کو زندہ کر دیتا ہے"

۹- اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اسکے حکم سے تھمے ہوئے ہیں"

۱۰- اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ ہوا کو مینہہ کی خوشخبری دینے کے لئے بھیجتا ہے"

۱۱- "وہی تو ہے خدا جو ہوا کو چلاتا ہے پھر اس سے بادلوں کو ابھار لاتا ہے

پھر تمام آسمان میں جس طرح چاہتا ہے پھیلا دیتا ہے - پھر اُن کو تہ بتہ کر دیتا ہے - پھر تم دیکھتے ہو کہ اُن میں سے بوندیاں نکلتی ہیں"

۱۲- "اور آسمان سے اندازہ کے موافق مینہہ برساتا ہے پھر اسکو زمین پر ٹھہراتا ہے"

۱۳- "پھر اُس سے تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغ اُگاتا ہے - اور بہت سے میوے پیدا کرتا ہے جنکو تم کھاتے ہو - اور کوہ طور میں سے ایک قسم کا درخت اُگاتا ہے کہ جسمیں سے کھانے کے لئے تیل نکلتا ہے" [یعنی زیتون کا درخت جسکے تیل کو شام اور عرب وغیرہ مُلکوں کے لوگ گھی کی طرح بہت شوق سے کھاتے ہیں] "اور تمہارے لئے تو چوپایوں میں بھی بڑی نصیحت ہے - اُنکی چھاتیوں میں سے جو کچھ نکلتا ہے اُسکو تم پیتے ہو اور اُنسے اور بہت سے فائدے اُٹھاتے ہو - بعضے اُن میں سے تمہارے کھانے میں آتے ہیں اور اُنپر اور نیز کشتیوں پر لدے پھرتے ہو"

۱۴- "پس سیدھے دل سے اس دین پر قائم ہو جو خدا کا دین ہے جس پر اُسنے لوگوں کو پیدا کیا ہے [کیونکہ] جو کچھ خدا نے بنا دیا ہے اُسمیں اَدل بَدل ناممکن ہے - یہی ہے سیدھا نا قابل زوال دین مگر اکثر لوگ نہیں جانتے"

اللہ اکبر کیسا بدیہی اور موجّہ طریقہ استدلال کا ہے - اور کیسے

فصیح و بلیغ اور دلپر اثر کرنے والے پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے کہ انسان خواہ کیسا ہی ضدی اور ہٹیلا کیوں نہو تسلیم کرنیکے بغیر اسکو چارہ ہی نہیں جیسا کہ خود اُسکے بنانے والے نے فرمایا " لَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ " یعنی جو کچھ کہ آسمان اور زمین میں ہے اُسکو خدا کی خالقیت کو ماننا ہی پڑا ہے خوشی سے خواہ مجبوری سے اور اُسی کی طرف پھر جاتے ہیں " کیونکہ خود اُسکا وجود اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ اُن سب کا صانع یا اُن سب کے وجود کا سبب اخیر یا علت العلل کوئی ہے۔ اور معرفت الٰہی کے اسی نکتہ کو بتایا ہے جسنے یہہ فرمایا " مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ * " اور ان چیزوں کا جنکو ہم جان سکتے یا سمجھ سکتے یا خیال کر سکتے ہیں ایسی ترتیب اور ایسی مناسبت اور ایسے انتظام کے ساتھ ہونا کہ جس سے عقل حیران ہوتی ہے

---

* کئی برس ہوئے کہ ہمنے اس حدیث شریف نبوی کی شرح لکھی تھی۔ اور اُس کو خواب کے پیرایہ میں بیان کیا تھا اور " خواب معرفت " اُسکا نام رکھا تھا۔ جسکو مناسبت مقام کی وجہ سے یہاں لکھدینا مناسب معلوم ہوا اور وہ یہہ ہے۔

" رات جو میں اپنی ہستی سے کسیقدر بیخبر ہوکر سویا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک ایسے لق و دق بیابان میں موجود ہوں جسکی وسعت میں یہہ دُنیا مع اپنی تمام موجودات کے سما جاوے۔ لیکن یہہ تمام صحرا بے آب و علف اور غیر آباد نظر آیا اور ایسا کوئی بھی وہاں معلوم نہوا جس سے پوچھ سکوں کہ یہہ کیا مقام ہے۔ مگر دیتے سوچتے اپنے ہی دل نے کہا کہ ہو نہو یہہ صحراے عدم ہے کہ جسکے جنوب ہے نہ شمال مشرق ہے نہ مغرب۔ فوق ہے نہ تحت۔ اور ایسا سنسان ہُو کا مکان ہے

ہمکو یہہ بتاتا ہے کہ یہہ سب چیزیں آپ ہی آپ بسبب عمد گی کے ساتھہ نہیں ہوسکتیں۔ بیشک انکو کسی ناظر اُستاد نے سمجھ بوجھکر بنایا ہے جیسا کہ اُسنے اسکی دلیلیں کو خود اپنے پاک کلام میں نہایت آسان اور عام فہم طریقہ میں یوں بیان فرمایا " اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ

" اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ وَجَعَلَ بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ "

" اَمَّنْ یَّهْدِیْكُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ یُّرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًاۢ بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ" [سورہ نمل]

" لَوْ كَانَ فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ " [سورہ انبیاء]

[illegible]

کہ سوا ے نام اللہ کے کوئی بھی چیز موجود نہیں ہے [کَانَ اللّٰہُ وَلَمْ یَکُنْ مَعَهٗ شَیْئًا] میں اپنے دل کے ساتھہ یہہ باتیں کرہی رہا تھا کہ اتنے میں کہیں سے بے حرف و صوت ایک دو حرفی مگر نہایت پُر حکمت آواز [کلمہ جامعہ کن کی طرف اشارہ ہے] ہوی جسکے سُنتے ہی نہ معلوم کہاں سے اور کس طرح تمام زمین و آسمان۔ ستارے چاند۔ سُورج۔ آگ۔ پانی۔ ہوا اور تمام چرند و پرند حجر و شجر ایک دم کے دم میں آن موجود ہوے۔ اور وہ تمام صحرا جو سنسان پڑا ہوا تھا بھر گیا۔ اور اسقدر انواع و اقسام کی خلقت پیدا ہوگئی کہ اگر انکی شمار کے لیئے سمندروں کو دوات اور تمام دنیا کے درختوں کی شاخوں کو قلم بناؤں تو بھی صفحۂ آسمان پر نہ لکھ سکوں۔ یہہ حیرت انگیز تماشا دیکھکر مجھے ایسے تعجب نے گھیر لیا کہ جسقدر سوچتا اور معلوم کرنا چاہتا تھا اُسی قدر

یعنی " کسنے پیدا کیا آسمان و زمین اور کسنے برسایا تمہارے لیئے مینہہ پھر اُس سے نہایت پر رونق باغ اُگائے ۔ تمکو تو اُن کے اُگانے کی قدرت نہ تھی ؟ پھر کیا خُدا کے ساتھ کوئی دوسرا خدا ہے ؟ کسنے زمین کو تمہارے رہنے کی جگہہ بنایا ؟ اور کسنے اُسکے بیچ میں ندیاں بہائیں ؟ اور کسنے بنائے اُسکے [اپنے مرکز ثقل پر ٹلے رہنے کے] لیئے بوجھل پہاڑ ؟ اور کسنے بنایا دو سمندروں کے بیچ میں [زمین کو] آڑ ؟ پھر کیا خُدا کے ساتھ کوئی دُوسرا خُدا ہے ؟ کون تمکو اندھیرے جنگلوں میں اور سمندر میں رستہ بتاتا ہے ؟ کون [مینہہ برسنے سے پہلے] اپنی مہربانی کی خوشخبری دینے والی ٹھنڈی ہوا بھیجتا ہے ؟ پھر کیا خُدا کے ساتھ کوئی اور خُدا ہے ؟ اگر آسمان و زمین میں بہت سے خُدا ہوتے تو دونوں کا کارخانہ بگڑ جاتا "

هل اتی علی الانسان حین

میری حیرت زیادہ ہوتی تھی ۔ ابھی وہ حیرت کم نہوئی تھی کہ نہایت پُر جلال مگر نہایت محبت آمیز ایک اور آواز [کلمات طیبات " الستُ بربکم " کی طرف اشارہ ہے] ہوئی جسنے تمام عالم اور اہل عالم کو چونکا دیا ۔ اور جسکا ہر ایک نے اپنی اپنی زبان حال سے یہہ جواب دیا کہ " ہاں ۔ اے خداوند بیشک تو ہی ہمارا خالق اور پروردگار ہے ۔ تیرے سوا کوئی ہمارا خالق و مالک نہیں ہے " خیر یہہ سوال جواب تو ہو ہی رہے تھے ۔ مگر اب کسی نے پکار کر خاص مجھسے کہا کہ " کیا یہہ سچ نہیں ہے ؟ کہ ایک ایسا وقت بھی تجھ پر گزرا ہے جبکہ تیرا اس عالم میں نام و نشان تک نہ تھا ۔ اور ہمنے ہی تجکو ایک مختلط پانی سے پیدا کیا اور ایک مدت معین تک ایک خاص مقام میں رکھا ! پھر سُنتا ۔ سمجھتا ۔ بولتا چالتا

پس یہہ فطرت کا ایک بہت بڑا اور سربستہ راز تھا جو خدا نے انسانوںکی
ہدایت کے لیئے خاص نبیٔ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی قرآنی
کے ذریعہ سے ظاہر فرمایا اور اُس میں ایسی معجزانہ اور ربّانی تاثیر رکھی کہ بغیر اسکے
کہ کافروں کی بیہودہ و خلاف عقل خواہش کے موافق "زمین پھاڑ کر اُنکے
لیئے چشمہ بہائیں. یا اپنے لیئے کھجوروں یا انگوروں کا باغ اگائیں. اجسمیں

فلا تعلم نفس ما اخفی لہم من قرۃ اعین

بنا کر دنیا میں بھیجا اور جاتے کو وہ بات بھی بتا دی کہ جس سے ہماری مرضی کے موافق
اپنی زندگی بسر کر کے ہنستا کھیلتا آخر کار ہم تک پہنچ جاے - اور سدا ہمارے حضور
میں رہکر وہ وہ نعمتیں اور عیش و آرام پاے " جو نہ کبھی آنکھوں نے دیکھے اور
نہ کانوں نے سنے تھے اور نہ کبھی تیرے دلمیں اُنکا خیال تک آیا تھا " اور اسکا
تجکو پورا اختیار دیدیا کہ خواہ جو بات ہمنے بتائی ہے اُسکے موافق چلکر ہم تک پہنچ جاے
خواہ اُسکو بھول کر ہمارے حضور سے دور سدا کی محرومی اور ہیبت میں پڑ جاے -
[سورۂ انسان کے شروع کی آیتوں اور ایک حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے] میں یہہ آواز سنکر ادھر
اُدھر دیکھنے لگا تاکہ معلوم کروں کہ کون بولتا ہے. اور یہہ آواز کہاں سے آتی ہے
مگر ہرچند غور کیا اور اِدھر اُدھر دیکھا بھالا ! کوئی پکارنے والا دکھائی نہ دیا. اور
آخر کار معلوم ہوا کہ خود میرے ہی رونگٹے رونگٹے سے یہہ آواز آرہی ہے !
پھر تو میں سمجھا کہ تیری ہی زبان حال سے یہہ آواز آتی ہے ! اور تیری ہی زبان حال سے
اسکا جواب طلب ہے - اور خیال کیا کہ بے شک تیری فطرت کا یہی مقتضا ہے کہ تو اپنے
مخلوق و مملوک اور جسنے تجھے بنایا ہے [کیونکہ خود بخود تو تو بن ہی نہیں گیا] اُسکے
خالق و مالک ہونیکا اقرار کرے - اور صرف اُسی کو ہر ایک طرح کی تعظیم و تکریم کا مستحق جانے
اور اپنے تمام جسم اور تمام دل اور تمام جان سے صرف اُسکی تعظیم و تکریم بجالاے - اور وہ
بات جسکا بتا دیا جانا تجکو کہا گیا ہے یہی ہے - کہ جس سے تو اپنے خالق و مالک کے

زور سے نہریں بہتی ہوں۔ یا آسمان کا ایک ٹکڑا کافروں پر گر پڑے۔ یا خدا کو فرشتوں سمیت اُنکے روبرو لائیں! یا اپنے لیے خالص سونے کا گھر بنائیں! یا آسمان پر چڑھ جائیں! یا لکھی ہوئی کتاب اُنپر آسمان سے اتاریں جنکو وہ پڑھ سکیں" آپ نے انہیں مظاہرِ قدرت اور آثارِ فطرت کو جو

حضور میں پہنچ سکتا اور وہ نعمتیں اور خوشیاں جو یہ سب لیتے تیرے خالق نے نہایت فیاضی و مہربانی سے مہیا کی ہیں حاصل کر سکتا ہے۔ اور یقین ہوا کہ اب سے تیرہ سو [۱۳۰۰] برس پہلے جو اسرارِ فطرت کے ایک زبردست جاننے والے نے [دل و جانم فدائے نامش باد] یہہ فرمایا تھا" مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ" اُسکے ٹھیک یہی معنی ہیں اور اس زمانہ کے ایک محقق اسلام نے جو یہہ کہا ہے کہ" اَلْاِسْلَامُ هُوَ الْفِطْرَتُ وَالْفِطْرَتُ هِيَ الْاِسْلَامُ" اُسکا بھی یہی مدعا ہے۔ میں اپنی اس سمجھ اور یقین پر نہایت خوش تھا کہ اتنے میں اشارہ ہوا کہ ہمارے اس عاجز و ناچیز بندے کو ہماری تعظیم و تکریم کا طریقہ سکھاؤ تاکہ ہماری حضوری کے لائق ہو۔ اور جسطرح اسکا دل ہمارے تصور سے پاک ہوا ہے اسکا جسم بھی پاک ہو جاے۔ بس ایک چیز نے جو میں نے پہلے کبھی دیکھی تھی میرے دل میں چھپکر مجکو تمام آدابِ بندگی سکھاے۔ اور میں اُس معلمِ غیبی سے تعلیم پاکر یہہ کہتا ہوا کہ" اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ" اُسکی تعظیم و تکریم بجالانے کو روبقبلہ کھڑا ہو گیا اور سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص پڑھ کر اُس لایزال اور ناقابلِ فہم و ادراک ہستی کو جسکے وجود پر میرا رونگٹا رونگٹا گواہی دے رہا تھا نہایت ادب سے سجدہ کیا اور میرے یہہ کرتے ہی تمام حجاب اُٹھ گئے اور میں نے اپنے دل کے اندر ایک عجیب و غریب نورانی صورت دیکھی [حدیث شریف نبوی کیطرف اشارہ ہی جو فرمایا" يَا اَبَا ذَرٍّ اُعْبُدِ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ"] جو رنگ روپ شکل و صورت سے منزہ تھی جسکو دیکھتے ہی مجھپر ایک محویت اور بیخودی کی سی حالت طاری ہو گئی اور میں بے اختیار بول اُٹھا" میں نے پالیا میں نے پالیا" اور پھر آنکھ کھل گئی

ہر وقت انسان کے پیش نظر میں تبا بتا کر اور دکھا دکھا کر توحید کا وہ ناقابل جنبش اور سربفلک نشان قایم کیا کہ جسکے آگے نہ صرف ان خداؤں کے پوجنے والے مجوسیوں کے درفش کاویانی نے سر جھکایا۔ بلکہ تین خداوں کے ماننے والی عیسائیوں کی صلیب نے بھی سجدہ کیا* اور بقول سر ولیم میور "خدا کی وحدانیت اور غیر محدود کمالات اور ایک خاص اور ہر ایک جگہہ حاضر کی ہوئی قدرت کا مسئلہ آنحضرت کے معتقدوں کے دلوں اور جانوں میں ایسا ہی زندہ اصول ہو گیا جیسی کہ خاص آپکے دل میں تھا" حق یہہ ہے کہ توحید کے لازوال مسئلہ کی تلقین اور

* فاضل شہیر مسٹر گاڈفرے ہگنس صاحب لکھتے ہیں "شاید سلطنت فارس یعنی حصہ شرقی سلطنت روم کبھی پیشتر ایسی تباہ و خراب حالت میں نہوئی ہوگی جیسے ساتویں صدی کے آغاز میں ہوئی۔ بوجہ ضعف حکام روم انکی سلطنت کا کل ڈھانچ نہایت بگڑا تھا۔ اور پادریوں کی درشتی اور خرابی کے باعث عیسائی مذہب کے اس درجہ کا تنزل ہو گیا تھا کہ اب بمشکل قیاس میں آسکتا ہے۔ حتی کہ اگر اُس کا ثبوت کما ینبغی نہوتا تو اُسکا مطلق اعتبار ہی نہ کیا جاتا۔ بیشمار فریقوں کے نزاع اور عداوتیں درجہ نہایت کو پہنچ گئیں اتفاق باہمی کا کل ڈھانچ ہل گیا قصبوں اور شہروں میں خون بہنے لگا۔ حضرت عیسیٰ مسیح نے خوب پیشین گوئی فرمائی کہ "میں اپنے ساتھ صلح نہیں لایا بلکہ تلوار لایا ہوں"! بیوی کو خلاف خاوند سے! اور والدین کو فرزند سے ہو گیا! ہر خاندان میں تفرقہ برپا ہوا صلہ رحم جاتا رہا! اور منشاء ان سب انہا نزاعوں کا ایسے امور مذہبی تھے جو سفلانہ اور خفیف مگر دقیق اور غیر مفہوم تھے۔ اسوقت ایک دور دراز اور غیر معروف گوشہ عرب میں جو ان ملکی نزاعوں سے فاصلہ پر تھا جنسے سلطنت روم تہ و بالا ہوئی جاتی تھی دین محمدی پیدا ہوا جسکی قسمت میں تھا کہ جیسے طوفان ہوا روئے زمین کو صاف کر دیتا ہے اُسی طرح وہ بھی سلطنتوں اور سیاستوں اور رسوم کو اپنے آگے دھرے اور انکو ایسا متفرق کردے جیسے خاک کا ڈھیر ہوا کے آگے منتشر ہو جاتی۔

مؤلف عفی عنہ

اگرچہ بقدر ضرورت اور موافق فہم اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں کے اور انبیا علیہم السلام نے بھی کی تھی - مگر جس کاملیت سے اسکو آنحضرت نے شایع فرمایا وہ خاص آپ ہی کا حصہ تھا - جیسا کہ میرے نہایت مکرم و معظم دوست جناب آنرایبل سر سید احمد خان بہادر - کے - سی - ایس - آئی سلمہم اللہ تعالی نے اپنی لاجواب کتاب "خطبات احمدیہ" کے خطبہ چہارم میں نہایت خوبی سے بیان کیا ہے - فرماتے ہیں کہ "تین چیزوں میں وحدت کے یقین کرنے سے خدا کی وحدانیت پر کامل طور سے یقین ہوسکتا ہے وحدت فی الذات - وحدت فی الصفات - وحدت فی العبادت - وحدت فی الذات کے یہہ معنی ہیں کہ خدا کے ساتھ کوئی دوسرا شخص یا کوئی شے شریک نہیں ہے - وہ وحدہ لاشریک لہ ہے اور نہ کوئی شے اُسکے مشابہ ہے - نہ آگ نہ پانی نہ ہوا - وحدت فی الصفات کے یہہ معنی ہیں کہ جو صفتیں خدا کی ہیں وہ دوسرے میں نہیں اور نہ دوسرے میں ہوسکتی ہیں اور نہ دوسرے سے متعلق ہوسکتی ہیں - وحدت فی العبادت کے یہہ معنی ہیں کہ نہ کسی دوسرے کی عبادت کرنا نہ کسی دوسرے کو عبادت کے لایق سمجھنا - اور نہ وہ افعال جو خاص خدا کی عبادت کے لئے مخصوص ہوں کسی دوسرے کے لیئے بجا لانا جیسے سجدہ کرنا روزہ رکھنا نماز پڑھنا وغیرہ - اِن تینوں وحدتوں میں سے پہلی دو وحدتوں کو اور تیسری وحدت کے پہلے حصہ کو اوسط طور پر [جو نہ ناقص تھا کیونکہ نجات کے لیئے کافی تھا اور نہ کامل طور پر تھا - کیونکہ وحدت کا پورا کمال اُس زمانہ کے لوگوں کی سمجھ کے

لایق نہ تھا] یہودی مذہب نے بیان کیا - اور تیسری وحدت کے اخیر
حصّوں کو جن وحقیقت اُس وحدت کا کمال ہے مطلق ذکر ہی نہیں کیا -
اسلام نے پہلی دو وحدتوں کو بھی " لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ " فرما کر کامل کیا - اپنی آگ
جو موسٰی نے دیکھی خدا تھا - اور نہ آواز " إِنِّي أَنَا اللهُ " کی جو موسٰی نے سنی
خدا تھا - اور نہ وہ نیک اور برگزیدہ شخص جسکو یہودیوں نے صلیب پر چڑھایا
خدا ہو سکتا تھا - اسلام نے تیسری وحدت کو ایسے کمال پر پہنچایا جسکے
سبب ایمان والوں کے دلوں میں بجز خدا کے اور کچھ نہیں رہا جسکی تصدیق
" إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ " سے ہوتی ہے - اسلام میں یہی کمال
ہے - اور اسی کمالیت کی وجہ سے خدا نے فرمایا " اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ
دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا " انتہے تولہ
اب جس شخص نے اُس زمانہ کی تاریخ ملک عرب کو پڑھا ہوگا - و
اُن انواع واقسام کے لغو و بیہودہ مذاہب وادیان کی حقیقت کو معلوم کیا ہوگا
جو جزیرہ نما عرب اور اُسکے آس پاس کے ملکوں میں رائج اور موجود تھے
اور اُن سخت توہمات* اور جہالت و ناشایستگی اور بے علمی و بے تہذیبی اور جور و
ظلم اور قتل و خونریزی اور کینہ پروری و انتقام گیری اور غایت درجہ کی ذلیل مادّہ
پرستی اور فسق و فجور اور خود رائی و خودسری اور تکبر و تجبر کی کمینہ عادات سے
جس میں قوم عرب صدیوں سے ڈوبی چلی آتی تھی واقفیت حاصل کی
ہوگی اور اُن سخت مذہبی اختلافوں اور جھگڑوں اور قضیوں کی کیفیت سے آگاہ

* اُس زمانہ کے اہل عرب کے توہمات کی کیفیت معلوم کرنی ہو تو خطبات احمدیہ کے خطبہ ثانیہ کو دیکھو - مؤلف

ہوا ہوگا جو عیسائی اپنے پیغمبر کی اُلوہیت و ابنیت کے بیہودہ و خلافِ عقل مسئلہ کی تحقیق و تدقیق میں کرتے تھے اور جو مسئلہ اُن کے نزدیک اُن تمام اعمالِ صالحہ سے اہم و اعظم تھا جنکا حکم جناب مسیح نے فرمایا تھا اور اُن بیہودہ و ناپاک و قابلِ تنفر کہانیوں اور انکی تصویروں اور مورتوں اور تہواروں اور تقریبوں اور رسوم سے جنکی بابقول مسٹر گاڈفرے ہیگنس صاحب اُن خراب باتوں پر تھی جنکو بت پرستی کا فضلہ کہنا چاہئے - اور جنمیں نہ صرف ایشیا و افریقہ بلکہ یونان اور روم - بلکہ تمام فرنگستان کے عیسائی مستغرق تھے - اور جو بقول مسٹر ہیگنس پیشوایان مذہب بلکہ خود پوپ روم کے بخواد تحریک سے عمل میں آتی تھیں واقفیت حاصل کی ہوگی پھر اُس عظیم الشان و حیرت انگیز اصلاح اور روحانی و اخلاقی تعلیم و تہذیب سے واقف ہوا ہوگا جو بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وعظ سے ایک معین اور محدود عرصہ کے اندر ظہور میں آئی اُسکا دل یقیناً گواہی دیگا کہ قرآن مجید بیشک ایک اثر ہے آثارِ الٰہیہ میں سے کہ جسنے نہ صرف طرح طرح کے مخلوق پرستوں سے خالق کے وجود اور اُسکی وحدانیت کا اقرار حاصل کیا - بلکہ اُن بھٹکے ہوئے خدا پرستوں کو بھی جو ایک انسان کو خدا سمجھ رہے تھے اور اُسکی کُنہ حقیقت اور صفات پر لڑتے مرتے تھے اور طرح طرح کے مشرکانہ و مخرّب اخلاق رسوم و افعال میں منہمک تھے یہہ کہکر ایک واقعی اور حقیقی خدا بتا دیا "یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا الْحَقَّ - اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗ اَلْقٰھَآ اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْہُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَۃٌ - اِنْتَھُوْا خَیْرًا لَّکُمْ - اِنَّمَا اللّٰہُ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ

سُبْحَانَہٗ اَن یَّکُوْنَ لَہٗ وَلَدٌ۔ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا[۵۱] یعنی۔ اے کتاب والو اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو اور نہ کہو خدا پر سوا سچی بات کے [یعنی سکو ماسب زن و فرزند نہ کہو] اسکے سوا کچھ نہیں کہ عیسیٰ مسیح مریم کا بیٹا پیمبر ہے خدا کا۔ اور اسکا کلمہ ہے کہ ڈالا اسکو خدا نے مریم کی طرف [یعنی کہا اسکو[۵۲] کہ تیرے بیٹا پیدا ہوگا] اور ایک جان ہے خدا کی طرف سے پس ایمان لاؤ اللہ اور اُسکے رسولوں پر اور نہ کہو کہ خدا تین ہیں [اس بُری بات کے کہنے سے] باز رہو کہ یہہ تمہارے لیئے بہتر ہے۔ خدا تو صرف ایک ہی خدا ہے وہ پاک ہے اِس سے کہ ہووے اُسکے لیئے کوئی بیٹا۔ اُسی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے۔ اور کافی ہے خدا کارساز" [یعنی خدا میں اور انسان میں انسان کی نجات کے لیئے کسی واسطہ اور وسیلہ کی ضرورت نہیں جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ خدا باپ اور انسان میں عیسیٰ مسیح واسطہ اور وسیلہ ہیں] چنانچہ پروفیسر مارس صاحب لکھتے ہیں کہ " کوئی چیز عیسائیان روم کو اُس ضلالت و غوایت[۵۳] کی خندق

---

۵۱ ہمارے تمام علماے مفسرین نے عیسائیوں کے عقیدہ کی ناواقفی کیوجہ سے اس جملہ کے معمولی معنی لکھدیئے ہیں مگر خدا نے اپنے کلام کی صحیح تفسیر مجکو سمجھائی والحمد للہ علی ذلک

۵۲ کما یقال اَلْقَیْتُ اِلَیْکَ کَلِمَۃً حَسَنَۃً اے قُلْتُ۔ [مجمع البیان]

۵۳ مسٹر ہیگنس صاحب نے یونیورسٹی اکسفورڈ کے مشہور واعظ ریورینڈ ڈاکٹر وہیٹ کے سرمن و یعظ سے اُس زمانہ کے عیسائیوں اور دین عیسوی کی حالت حسب ذیل نقل کی ہے " اُس کمبخت زمانہ میں عیسائیوں کے بہت خفیف اور بیہودہ فرقے بنتا،

سے جسمیں وہ گر پڑے تھے نہیں نکال سکتی تھی بجز اُس آواز کے جو سرزمین عرب میں غار حرا سے آئی۔ اعلاء کلمۃ اللہ جس سے یونانی انکار کرتے جاتے تھے اُسی آواز نے دُنیا میں کیا ۔ اور ایسے عملی پیرایہ میں کیا کہ جس سے بہتر ممکن نہ تھا ٭ اور ایک سیدھا سادہ اور پاک وصاف مذہب دنیا کو سکھایا کہ جسمیں بقول فاضل محقق گاڈ فرے ہگنس صاحب " نہ پاک پانی ہے نہ تبرک نہ مُورت نہ تصویر نہ سینٹ اور نہ خدا کی ماں سے اُسپر داغ لگتا ہے

[illegible]

جماعتوں میں منقسم ہوکر خودسری سے باہم نزاع اور کینہ سے ایک دوسرے کو ایذا رسانی کرنے لگے - رائے میں ناقص اور عمل میں خوار ہو گئے - اور یہیں رجب یہ لوگ بجز نام اور ظاہری اقرار مذہبی کے اور کچھ نہ رکھتے تھے - عیسائی کلیسا کی ہسا کرکے کوئی علامت باقی تھی - نہایت خراب اصول اور بیہودہ رائیں عموماً جاری تھیں علم کے مفید موقعوں میں جہالت اور نیکی کی نہایت عمدہ ترغیب کے عوض میں بیہودگی تھی اور راستی کے لیئے ایک مزعوم جوش تھا - جسمیں جاہلانہ اغلاط کی آمیزش تھی اور رایوں کے باب میں وہ نزاع قلبی تھا جسکو کوئی نہ فیصل کرسکے - اور جرایم کے ارتکاب میں ایک عام اور عجیب اتفاق پیدا ہوا تھا جس سے حذر کرنا سب کے لیئے فرض اور مفید تھا - ولیوں کی مورتیں کہ جنہوں نے مذہب کے مشتہر کرنے میں محنت کی تھی اور شہیدوں کی ہڈیاں جو اُسکے استحکام میں مرے تھے اُسوقت پادریوں کی حکمت عملی اور وہمی لوگوں کی جہالت سے مذہبی پرستش کے لیئے مناسب اشیا قرار دیگئی تھیں - دہمی جوش کی سخت تندی نے ملایم سے ملایم طبیعت کے خیالات کا چراغ گُل کردیا قوانین کا وقار بے سیاستی سے پامال اور شکستہ ہوگیا - اور مشرقی شہروں میں خون کا ابلہ آگیا - ٭ الف عفی عنہ

٭ دیکھو کتاب تنقید الکلام مصنفہ سید امیر علی صاحب ایم اے سی - آئی ای بیرسٹر ایٹ لا - باب (۱۷) مؤلف عفی عنہ

اور نہ ایسے مسائل اُسمیں ہیں کہ ایمان بدون عمل کے مؤثر ہو اور نزع کے وقت
کی توبہ کام آسے - اور غایت درجہ کی عنایات اور مغفرت اور خفیہ اقرار بکار آمد
ہوں - جنکا نتیجہ یہہ ہے کہ اوّل اُس دین کے پیروؤں کو بگاڑیں اور پھر مقتدائیں
کے حوالہ کریں جو واقع میں اُن مسائل سے بھی بدتر اور ناچیز بات ہے" اور جسکی
نسبت یہی صاحب اپنی کتاب کے ایک اَور مقام پر لکھتے ہیں کہ "جب
بہت سے طول و طویل اور عسیر الفہم عیسائی مذہبوں پر خیال کیا جاتا ہے تو شاید
ایک فلاسفر دین اسلام کی خوبی اور سادگی اور بے تکلفی اور سریع الفہم ہونے پر
آہ کرکے پچتاے کہ میرا مذہب ایسا کیوں نہوا کہ میں ایمان لایا ایک اللہ پر
اور اُسکے رسول محمد صلعم پر - یا یوں کہو کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ
یا یہہ کہ میں ایمان لاتا ہوں اللہ پر اور اُن مسائل پر جو خُدا تعالی کے باب
میں محمد صلعم نے تعلیم فرماے" اور جسکے باب میں ایک مشہور و معروف
فرانسیس فاضل ایم دی سینٹ ھلیر نے یہہ لکھا ہے کہ "اِسلام میں
کوئی بات مشتبہ یا قدرت کی باتوں سے بڑھکر بطور اعجوبہ کے نہیں ہے -
مذہب اسلام خود اِس بات کے مخالف ہے کہ وہ کسی پردہ میں پوشیدہ
کیا جاے - اور اگر اتبک اُسمیں چند شبہات موجود ہیں تو اسکا الزام مذہب
اسلام پر نہیں ہے - کیونکہ وہ ابتدا ہی سے ایسا صاف اور سچا ہے جتنا کہ
ہونا ممکن ہے" اور جسکی نسبت مسٹر جان مالکم اپنی نہایت قابل قدر
تاریخ ایران میں فرماتے ہیں کہ "ہیچ چیز عالی تر و نیکوتر از عقیدہ اہل اسلام
در توحید نمی شود ازاں رو کہ از ہر طرف رو بہ یکے دارند - چنانچہ از آیات و اخبار

و آثار و اشعار و اقوال و افعال شان ہمہ ظاہر ست " اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ "

"ہر جا کہ نظر کردم سیماے تو می بینم " او تعالیٰ را مخصوص و شائستہ بندگی

می دانند و بس ۔ و ہیچیک را از مخلوقات درین باب با وے شریک و

سہیم نمی سازند "

اِس موقع پر کہ قرآن مجید اور اسلام کی بدولت عیسائیوں کے ضلالت

دغوایت کی خندق سے نکلنے کا ذکر آگیا ہے ہم اُس مضمون کو یہاں بلفظہ

نقل کئے بغیر نہیں رہ سکتے جو خطبات احمدیہ کے عالیقدر مصنّف نے کتاب

مذکور کے خطبہ چہارم میں اس باب میں ارقام فرمایا ہے ۔ اور وہ یہہ ہے

" چوتھے حصّہ میں ہم اُن فائدوں کا بیان کرتے ہیں جو اسلام کی

بدولت خاص عیسائی مذہب کو پہنچے ہیں ۔ دُنیا میں مذہب اسلام سے

زیادہ کوئی مذہب عیسائی مذہب کا دوست نہیں ہے ۔ اور اسلام نے

کسی مذہب کو اسقدر فائدے نہیں پہنچائے ہیں جسقدر کہ عیسائی مذہب

کو پہنچائے ہیں ۔ مذہب عیسائی کی بُنیاد اُس نیک اور حلیم شخص سے ہے

[یعنی حضرت یحیےٰ پیغمبر سے] جو خدا کا رستہ درست کرنے آیا تھا ۔ اور پھر

بالکل دار و مدار اُس عجیب شخص پر ہے جسکو لوگوں نے اتنا بزرگ و مقدس سمجھا

کہ خدا یا خدا کا بیٹا مانا [یعنی حضرت عیسےٰ پر] مذہب اسلام ہی کا یہہ احسان

عیسائی مذہب پر ہے کہ وہ نہایت مستقل ارادہ اور نڈر دل اور نہایت

استوار ثابت قدمی سے عیسائی مذہب کا طرفدار ہوا ۔ اور یہودیوں سے

مقابلہ کیا ۔ اور علانیہ اور دلیرانہ اس بات کا اعلان کیا کہ "جان دی باپٹسٹ"

یعنی حضرت یحییٰ بلاشبہ سچے پیغمبر اور حضرت عیسیٰ بیشک عبداللہ اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ تھے - پس کونسا مذہب اس بات کا دعویٰ کرسکتا ہے کہ وہ عیسائی مذہب کے حق میں اسلام سے زیادہ مفید ہے اور اسنے عیسائی مذہب کی حمایت میں اسلام سے زیادہ کوشش کی ہے - جو سب سے بڑی خرابی حواریوں کے بعد عیسائی مذہب میں پیدا ہوگئی وہ تثلیث فی التوحید اور توحید فی التثلیث کا مسئلہ تھا - اور یہہ ایک ایسا مسئلہ تھا جو اس لازوال سچ کے بھی متناقض تھا - اور اُن خاص نصیحتوں کے بھی برخلاف تھا جو حضرت عیسیٰ نے فرمائی تھیں - اور حواریوں نے انجیل میں لکھی تھیں یہہ امر اسلام کی لازوال عظمت کا باعث ہے کہ اُسی نے خدائے واحدہٗ جلالہٗ کی پرستش کو پھر جاری کیا - اور اُس خالص مذہب کو پھر سرسبز کیا - جسکی خود تلقین حضرت عیسیٰ نے کی تھی - اسلام ہمیشہ اُس زمانہ کے عیسائیوں کو اُن کی غلطیوں سے متنبہ کرتا رہا اور اب بھی کرتا رہتا ہے - اسلام نے عیسائیوں سے اُسی سچے مذہب کے قبول کرنے کی استدعا کی جسکا وعظ حضرت مسیح نے کیا تھا جیسا کہ قرآن میں آیا ہے " قُلْ یَا اَهْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْـًٔا " بہت سے عیسائیوں کی اسلام کی روشنی سے آنکھیں کھل گئیں اور اُس ذلیل حالت سے خبردار ہوے جسمیں وہ مُبتلا تھے - اور اُنہوں نے پھر اُسی رتبہ کے حاصل کرنے کی کوشش کی جو پہلے اُنکو حاصل تھا - یعنی اُنہوں نے صرف قرآن کی ہدایت سے تثلیث کے عقیدہ کو غلط سمجھا اور خدا کو وحدہٗ لاشریک لہ اور

عیسیٰ مسیح کو خدا کا مقدس بندہ مانا جو عین مسئلہ مذہب اسلام کا ہے۔ چنانچہ وہ فرقہ اب موجود ہے۔ اور نہایت معزز لقب [یونیٹیرین] یعنی موحدین عیسائی سے معزز ہے۔ اگر یہہ عقیدہ تھوڑی دیر کے لیئے دنیا میں سے اُٹھا لیا جاوے تو مسٹر ... کی یہہ رائے عیسائیوں کے حال پر بالکل منطبق ہو جاویگی کہ " اگر سینٹ پیٹر یا سینٹ پال ویٹیکن یعنی پوپ کے محل میں آیا ہیں تو غالباً وہ اُس دیوتا کا نام دریافت کرینگے جسکی پرستش الہٰی پر اسرار رسومات کے ساتھ اُس عظیم الشان عبادت گاہ میں کیجاتی ہے۔ ایکسفورڈ یا جنیوا میں جاکر انکو چنداں حیرت نہوگی مگر پہا میں جاکر سوال وجواب کا پڑھنا۔ اور جو کچھ صادق القول مفسروں نے انکی تحریرات اور ان کے مالک کے کلمات کی تفسیر کی ہے اُسپر غور کرنا پڑیگا۔"

جو فائدے اسلام نے عیسائی مذہب کو پہنچایا ہے اُن میں سب سے بڑا فائدہ یہہ ہے کہ اُسنے عیسائیوں کو پوپ کے بے انتہا اختیارات ناجائز سے نجات دی۔ اور عیسائیوں میں ایک زندگی کی روح پھونکدی تمام عیسائی پوپ کو حضرت عیسیٰ کا پورا با امتیاز نائب سمجھتے تھے! اور اُسکو معصوم جانتے تھے! جیسے کہ اب بھی بہت سے فرقے عیسائیوں کے سمجھتے ہیں! اُن کا یقین تھا اور بعضوں کا اب بھی یقین ہے کہ دوزخ اور اعراف اور بہشت کے دروازوں کے کھولنے کا پوپ کو بالکل اختیار ہے! پوپ گناہگاروں کے گناہونکو بخشدینے کا دعویٰ رکھتا ہے!

پوپ کو پورا اختیار تھا کہ جس ناجائز چیز کو چاہے جائز کر دے! درحقیقت پوپ بلحاظ اُن اختیارات کے جو اُسکو حاصل تھے اور جن اختیاروں کو وہ کام میں لاتا تھا کسی طرح حضرت عیسٰی سے کم نہ تھا - بلکہ دو چار قدم آگے بڑھا ہوا تھا!
قرآن ہی نے عیسائیوں کو اس خرابی سے مطلع کیا - اور جو برائیاں اس سے پیدا ہوتی ہیں اُنکو بتلایا اور جابجا عیسائیوں کو اِس غلامانہ اطاعت پر ملامت کی اور اُن کو سمجھایا کہ اس رسوائی اور بے عقلی کی اطاعت کو چھوڑیں - اور خود آپ اپنے لیئے سچ کی جستجو کریں - چنانچہ خدا نے قران مجید میں فرمایا -
قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ -
یعنی اے کتاب والو یعنی عیسائیو آؤ ایک بات پر کہ ہم میں اور تم میں یکساں ہے - اور وہ بات یہ ہے کہ ہم خدا کے سوا اور کسی کو نہ پوجیں اور نہ ہم کسی چیز کو اُسکے ساتھ شریک کریں - اور نہ بنا دیں ہم ایک دوسرے کو یعنی [پوپوں اور بڑے بڑے پادریوں کو] پروردگار خدا کے سوا"
اور پھر دوسری جگہہ فرمایا" اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَٰهًا وَاحِدًا لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ یعنی عیسائیوں نے اپنے پادریوں اور درویشوں کو پروردگار بنا لیا خدا کے سوا اور مسیح ابن مریم کو بھی اور اُنکو سوائے اسکے اور کچھ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ خدائے واحد کی عبادت کریں کہ صرف وہی خدا ہے نہ اور کوئی - خدا پاک ہے اُس چیز

*سے کہ شریک کرتے ہیں" جب یہہ آیت نازل ہوئی تو عدی بن حاتم
جو اسوقت عیسائی تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے
اور اُن کے گلے میں سونے کی صلیب پڑی ہوئی تھی۔ آنحضرت نے
فرمایا کہ اے عدی اس بُت کو اپنے گلے سے نکال پھینک۔ چنانچہ
اُنہوں نے نکال ڈالی۔ جب وہ پاس آئے تو آنحضرت قرآن کی یہہ آیت
پڑھتے تھے کہ " عیسائیوں نے اپنے پادریوں اور درویشوں کو پروردگار
بنالیا خدا کے سوا" جب پڑھ چکے تو عدی نے عرض کیا کہ ہم تو اُن کی
پرستش نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا یہہ نہیں ہے کہ وہ حرام کر دیتے ہیں
اُس چیز کو جسے خدا نے حلال کیا پھر اسکو حرام سمجھتے ہو اور حلال کر دیتے ہیں اُس چیز کو جسے خدا نے
حرام کیا پھر اُسکو حلال سمجھتے ہو۔ عدی نے کہا ہاں یہہ تو ہے آنحضرت نے فرمایا۔ بس یہی ہے اُنکا پوجنا۔
ایک مدت تک عیسائی اسلام کو عداوت سے دیکھا کئے اور اُسکے
ہر ایک مسئلہ سے بے سمجھے نفرت کرتے رہے مگر بعض نیک دل عیسائیوں
نے کچھ تھوڑی بہت غور سے اُسکو دیکھا اور کالون اور لوتھر مقدس کے
کے دل پر اُسکا کچھ کچھ اثر ہوا جبکہ ان دونوں نے قرآن مجید کی اس قسم کی آیتوں کو
پڑھا جسمیں پوپ کو اور پادریوں کو خدا کے سوا دوسرا خدا یا چھوٹا خدا ماننے

---

* جارج سیل نے قرآن کے ترجمہ میں [جلد اول صفحہ ۲۲۳] لکھا ہے کہ یہودیوں
اور عیسائیوں پر بُت پرستی اور دیگر الزاموں کے سوا حضرت محمدؐ نے یہہ الزام
لگایا ہے کہ وہ اپنے قسیسوں اور رہبانوں کی حد سے زیادہ اطاعت کرتے
ہیں جنھوں نے اس بات کا قرار دیا کہ کون سی چیز حلال ہے اور کون سی حرام اور خدا کی
تعمیل کو ملتوی کر دینا اپنے اختیار میں لیا ہے۔" مؤلف عفی عنہ

کی مذمت تھی - تو وہ سمجھے اور اُس سچے مسئلہ نے اُنکے دل پر اثر کیا - اور جیسے کہ قرآن نے ہدایت کی تھی وہ سمجھے کہ ہر شخص فی الواقع آپ اپنا پوپ اور پادری ہے - وہ چلائے تھے کہ "پالیا پالیا" اور اُسی وقت پوپ کی غلامی سے آزاد ہوئے اور غلامانہ اور ذلیل حالت سے جسمیں وہ خود اور اُن کے تمام ہم مذہب مبتلا تھے نکل آئے اور صاف صاف اُسکے برخلاف وعظ کرنے کو کھڑے ہو گئے - جبکی بدولت ہم لاکھوں عیسائیوں کو پروٹسٹنٹ مذہب میں دیکھتے ہیں - اگر اسلام مذہب عیسائی کو یہہ نعمت نہ بخشتا تو آج تمام دُنیا کے عیسائی ایسے ہی بُت پرست ہوتے جیسے کہ اب تک رومن کیتھلک فرقہ کے لوگ بت پرست ہیں - اور حضرت مسیح کی مجسّم مُورت صلیب پر لٹکتی ہوئی کے آگے سجدہ کرتے ہیں - پس عیسائی مذہب پر یہہ کتنا بڑا احسان اسلام کا ہے - جو کہ درحقیقت لُوتھر مُقدّس نے مذہب اسلام سے یہہ ہدایت پائی تھی اسلیئے اُسکے مخالف علانیہ اُسپر یہہ الزام لگاتے تھے کہ وہ دل سے مُسلمان تھا - * تاہم اُسنے اپنی کوششوں کو نہیں چھوڑا

* جینی برارڈ نے پوپ کی طرف سے جرمنی کے رفارمروں کے اور خصوص لُوتھر مُقدّس کے ذمّہ یہہ الزام لگایا تھا کہ وہ عیسائیوں میں مذہب اسلام کو جاری کرتے اور تمام پادریوں کو اُس مذہب میں لانے کی کوشش کرتے ہیں - مراکنتی کی یہہ رائے ہے کہ مذہب اسلام میں اور لُوتھر کے عقیدہ میں کچھ بہت فرق نہیں ہے چنانچہ دونوں کا جوش بُت پرستی کے برخلاف ہے اُسپر غور کرو مارٹینس الفانسس والڈس کہتا ہے کہ تیرہ نشانیاں اس بات کے ثابت کرنے کو موجود ہیں کہ اسلام میں اور لُوتھر کے مذہب میں ایک رتی بھر کا

اور آخر کار اُس عظیم الشان اصلاح کرنے پر کامیاب ہوا جو عموماً مذہب پروٹسٹنٹ یا رفارمیشن کے نام سے مشہور ہے اور طبیعت انسانی کو تمام غلامیوں کی بدترین غلامی سے [جو ایک مرشدانہ غلامی تھی] آزاد کر دیا۔ ہمکو یقین ہے کہ اگر لوتھر مقدس زندہ رہتے تو ضرور وہ مسئلہ تثلیث کے بھی مخالف ہوتے اور اسلام کی ہدایت سے خدا کی وحدانیت کے مسئلہ کو بھی جو درحقیقت حضرت عیسیٰ نے بھی یہی مسئلہ تلقین کیا تھا لوگوں میں پھیلاتے اور آخر اُس نبی آخر الزمان پر یقین کرتے جسنے ایسی ایسی بڑی غلطیوں سے عیسائی مذہب کو بچایا تھا۔ پس مذہب عیسوی کو ہمیشہ اسلام کا احسانمند رہنا چاہیئے " انتہی کلامہ سلمہ اللہ تعالےٰ۔

[illegible]

بھی تفاوت نہیں ہے۔ حضرت محمد صلعم نے بھی انہیں باتوں کیطرف اشارہ کیا ہے جو یہہ مرتد [پیروان لوتھر] کرتے ہیں۔ اُنہوں نے [حضرت محمد صلعم نے] روزوں کا وقت تبدیل کر دیا اور یہہ لوگ [پیروان لوتھر] تمام روزوں سے نفرت کرتے ہیں [ایک شخص نے اسکی تائید میں یہہ کہا تھا کہ قرآن میں بھی روزوں کی چنداں تاکید نہیں ہے بلکہ بعوض روزہ کے غریبوں کو کھانا کھلا دینا لکھا ہے اُسی کی پیروی سے لوتھر نے روزوں سے نفرت اختیار کی تھی۔ پس لوتھر کا مذہب اور اسلام کا مسئلہ درحقیقت ایک ہی تھا] اُنہوں نے اتوار کی جگہہ جمعہ کو سبت قرار دیا اور یہہ کسی تہوار کو نہیں مانتے۔ [اُسی شخص نے اُسکی تائید میں کہا کہ اسلام نے بھی درحقیقت سبت کا کوئی دن نہیں ٹھہرایا۔ وہ جمعہ کو بھی سب کام کرتے ہیں پس اُسی کی پیروی لوتھر کرنے کی تھی]۔ اُنہوں نے ولیوں کی پرستش کو رد کیا اور لوتھر کے فرقہ کے لوگ بھی ایسا ہی کرتے ہیں حضرت محمد کسی کو اصطباغ نہیں دیتے تھے اور کالون بھی اُسکو ضروری نہیں سمجھتا۔ اُن دونوں نے طلاق کو جایز رکھا ہے۔ وعلی ہذالقیاس۔ (منتخب از کوارٹرلی ریویو نمبر ۲۵۴)

تہذیب روحانی کے دوسرے رکن یعنی معاد کو بھی قرآن مجید نے اس عمدگی اور کاملیت سے بیان فرمایا ہے کہ اسکی نظیر اور انبیا علیہم السلام کی کتابوں میں نہیں پائی جاتی - چنانچہ حضرت موسیٰ کی پانچوں کتابوں میں سے [جو توریت کہلاتی ہیں] ہم کسی ایک میں بھی قیامت اور حشر نشر کا کچھ ذکر نہیں پاتے - اور نہ مرنیکے بعد روح کی حالت کا کچھ بیان دیکھتے ہیں - انکی تعلیم کا دارومدار صرف دنیاوی امور پر ہے - مثلاً نیکی کی جزا دشمن پر فتح پانا - اولاد کا ہونا - عمر کا بڑا ہونا - مفلسی سے نجات پانا بتایا ہے - اور بدی کی سزا مرنا - قحط پڑنا - وبا کا ہونا - افلاس کا ہونا اور اسی قسم کی اور مصیبتوں کا آنا بیان ہوا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت بنی اسرائیل میں امور عقلی و روحانی کے ادراک کا مادہ نہ تھا* اور غالباً یہی وجہ تھی کہ حضرت

* سب سے پہلے جو قوم آخرت کی قایل ہوئی تھی یا سب سے پیشتر جس قوم نے انسان کے چال چلن کے اصول کو اس مسئلہ پر مبنی کیا تھا وہ اہل مصر تھے - وہ لوگ تناسخ ارواح کے قائل تھے - اور اسکے ساتھ عذاب و ثواب آخرت کے معتقد تھے - ان کا اعتقاد یہہ تھا کہ انسان قبر میں صرف اسلیئے جاتا ہے کہ پھر زندہ ہوگا اور جب دوبارہ زندہ ہو چکتا ہے تو ایک تازہ حیات پاتا ہے اور آفتاب کے ساتھ رہتا ہے جو خالق اشیا او مسبب الاسباب ہے - اور انسان کی روح کو آفتاب کی مانند غیر فانی سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ روح بھی آفتاب کی طرح دورہ کیا کرتی ہے - انکا عقیدہ تھا کہ تمام اجسام زیر زمین جاتے ہیں مگر ان کے دوبارہ زندہ ہونے کا یقین نہیں ہے اور جو مرجاتا ہے اسائرس (مصریوں کے سب سے بڑے دیوتا کا نام ہے) اور اسکے بیالیس ۴۲ نائب بازپرس کرتے ہیں اور جو لوگ گنہگار قرار پاتے ہیں وہ بالکل فنا ہوجاتے ہیں - اور نیک آدمی گناہان صغیرہ سے پاک ہوکر داخل بہشت ہوتے ہیں -

کلّمہم اللّٰہ اُنکو بقاے روح اور قیامت اور جزا و سزاے اُخروی کا مسئلہ نہ سمجھا سکے اور صرف دُنیاوی بیم و اُمید اور خوف و رجا کے ذریعہ سے اُن کے اخلاق کو ترقی دینے پر مجبور ہوے۔ مگر جوں جوں زمانہ ترقی کرتا گیا اُدن دنوں بنی اسرائیل میں توحید ذات و صفات باری کے اعتقاد کی طرح قیامت اور جزا و سزا کا اعتقاد بھی پھیلتا گیا۔ چنانچہ حضرت یحیٰ اور حضرت مسیح کی بعثت کے زمانہ میں ایک فرقہ کے سوا جو صدوقی کہلاتا تھا یہودی علی العموم حیات بعد الموت اور جزا و سزاے اُخروی کے قائل تھے۔ مگر اُسکی کیفیت میں مختلف الراے تھے۔ یعنی فروسی فرقہ کے لوگ عذاب و ثواب کو جسم اور جان دونوں سے متعلق سمجھتے تھے۔ اور اسینی فرقہ والے [حضرت یحیٰ اسی فرقہ کے لوگوں میں سے تھے] اُسکو صرف روحانی مانتے تھے۔ پس حضرت روح اللہ کے لیے پہلے ہی سے رستہ صاف تھا اور آپکا اس مسئلہ کو ایسے طور پر بیان کر دینا کافی تھا جو مذکورہ بالا فرقوں کے خیالات کا جامع یعنی روحانیت و جسمانیت دونوں کو لیے ہوے ہو۔ چنانچہ انجیل کے تقریباً ہر ایک صفحہ سے ہمارے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے۔ اور صاف صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ جناب ممدوح نے جو کچھ اس باب میں فرمایا ہے وہ دونوں فرقوں کے

حاشیہ: اور اُسائرس کی رفاقت میں اطعمۂ لذیذ کھاتے ہیں۔ بنی اسرائیل کا قیام مصر میں اتنے عرصہ تک رہا کہ خواہ مخواہ خیال ہوتا ہے کہ اُن میں بھی آخرت اور عذاب و ثواب اُخروی کا عقیدہ شایع ہوگا مگر نہایت تعجب ہے کہ توریت مقدس اس خیال سے بالکل خالی ہے۔ مؤلف عفی عنہ

خیالات کو ملحوظ رکھکر فرمایا ہے - مثلاً انجیل متّی کے پانچویں اور بائیسویں باب میں منقول ہے کہ مومنین آخرت میں خداتعالیٰ کے دیدار سے مشرّف ہوں گے - اور یہہ کہ وہ فرشتوں کی مانند ہوں گے - یعنی بھوک پیاس اور اور خواہشہائے نفسانی سے مُبّرا ہوں گے - مگر اسی کتاب کے آٹھویں باب میں لکھا ہے کہ " بہتیرے پورب اور پچھم سے آئینگے اور ابرہام اور اسحاق اور یعقوب کے ساتھ آسمان کی بادشاہت میں بیٹھینگے - اور بادشاہت کے فرزند [یعنی غیر ایماندار بنی اسرائیل] باہر کے اندھیرے میں ڈالے جائینگے وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا " اور تیرہویں[۱۳] باب میں لکھا ہے " اور انہیں آگ کے تنور میں ڈالدینگے وہاں رونا اور دانت پیسنا ہوگا " اور پچیسویں[۲۵] باب میں ہے " تب بادشاہ [یعنی حضرت مسیح] انہیں جو اُسکے دائیں ہیں کہیگا آؤ میرے باپ کے مبارکو اور اُس بادشاہت کو جو بنائے عالم سے تمہارے لئے تیّار کی گئی ہے میراث میں لو - اور بائیں طرف والوں سے بھی کہیگا اے ملعونوں میرے سامنے سے چلے جاؤ اُس ہمیشہ کی آگ میں جو ابلیس اور اُسکے فرشتوں کے لیئے تیّار کی گئی ہے " اور اسی کتاب کے چھبیسویں[۲۶] باب کی اُنتیسویں[۲۹] آیت اور انجیل لوقا کے تیرھویں[۱۳] باب کی اُنتیسویں[۲۹] اور بائیسویں[۲۲] باب کی تیسویں[۳۰] آیت سے ظاہر ہوتا ہے "کہ اہل بہشت حضرت روح اللہ اور اور انبیا علیہم السّلام کے ساتھ بیٹھکر ایک میز پر کھائیں اور پئینگے اور انگوری شراب پینے کو ملیگی " اور اسی انجیل کے سولھویں[۱۶] باب کی چوبیسویں[۲۴]

اور چھبیسویں آیتوں سے اہل جہنم کا آگ میں جلنے کے علاوہ پیاس کے عذاب میں مبتلا ہونا بھی ثابت ہوتا ہے" اور حزقی ایل کے نویں باب کی چوالیسویں اور اڑتالیسویں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ "دوزخ میں آگ کے علاوہ سانپ بھی ہوں گے" مقدس یوحنا نے بہشت و دوزخ کی جو تصویر اپنے مکاشفات میں دکھائی ہے اسکا بھی یہی حال ہے کہ مادیت اور روحانیت دونوں رنگوں سے رنگی ہوئی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں "اُسنے مجھسے کہا کہ ہو چکا۔ میں الفا اور اومیگا۔ ابتدا اور انتہا ہوں۔ اُسکو جو پیاسا ہے آب حیات کے چشمہ سے مفت پینے دونگا۔ پر ڈرنے والوں اور بے ایمانوں اور نفرتیوں اور خونیوں اور حرامکاروں اور جادوگروں اور بت پرستوں اور سب جھوٹوں کا حصہ اُسی جھیل میں ہوگا جو آگ اور گندھک سے جلتی ہے۔ یہہ دوسری موت ہے۔ اور ایک اُن سات فرشتوں میں سے جنکے پاس وہ سات پیالے تھے جنمیں پچھلی سات آفتیں بھری تھیں۔ میرے پاس آیا اور مجھسے کہا کہ ادھر آ میں تجھے دلہن یعنی برّے [حضرت مسیح مراد ہیں] کی جورو دکھاؤنگا۔ اور مجھے روحانی طور پر ایک بڑے اور اونچے پہاڑ پر لیگیا اور شہر بزرگ یروشلیم کو آسمان پر سے خدا کے پاس سے اترتے دکھایا اُسمیں خدا کا جلال تھا اور اُسکی روشنی سب سے بیش قیمت پتھر کی مانند اُس یشم کی سی تھی جو بلور کی طرح شفاف ہو۔ اور اُسکی بڑی اور اونچی دیوار تھی اور اُسکے بارہ دروازے اور دروازوں پر بارہ فرشتے اور لکھے

ہوئے نام تھے جو بنی اسرائیل کے بارہ فرقوں کے ہیں - پورب کو تین دروازے اُتر کو تین دروازے - دکھن کو تین دروازے اور پچھم کو تین دروازے - اور شہر کی دیوار کی بارہ نیویں اور اُنپر برّے کے بارہ رسولوں کے نام تھے - اور جو مجھسے بول رہا تھا اُسکے ہاتھ میں سونے کی ایک جریب تھی - تاکہ شہر اور اُسکے دروازوں اور اُسکی دیوار کو ناپے - اور شہر چوکونا بسا ہے اور اُسکی لمبان اِتنی ہے جتنی اُسکی چوڑان اور اُسنے شہر کو جریب سے ناپ کے ساڑھے سات سو کوس پایا - اُسکی لمبائی اور چوڑائی اور اونچائی یکساں تھی - اور اُسنے دیوار کو ناپا اور ایک سو چوالیس ہاتھ پایا آدمی کے ناپ کے موافق جو فرشتہ کا تھا - دیوار یشم کی بنی تھی اور شہر خالص سونے کا شفاف شیشہ کی مانند تھا - اور شہر کی دیواروں کی نیویں ہر طرح کے جواہر سے آراستہ تھیں - پہلی نیو یشم کی - دوسری نیلم کی - تیسری شبچراغ کی - چوتھی زمرد کی - پانچویں عقیق کی - چھٹی لعل کی - ساتویں سُنہرے پتھر کی - آٹھویں فیروزہ کی - نویں زبرجد کی - دسویں یمانی کی - گیارہویں سنگ سنبلی کی - بارہویں یاقوت کی تھی - بارہ دروازے بارہ موتی تھے - ہر دروازہ ایک ایک موتی کا - اور شہر کی سڑک خالص سونے کی تھی شفاف شیشہ کی مانند -

✦ ✦ اور اُس نے آب حیات کی ایک صاف ندی بلور کی طرح شفاف جو خدا اور برّے کے تخت سے نکلتی تھی مجھے دکھائی اور اُس شہر کی سڑک کے بیچ اور ندی کے وارپار زندگی کا درخت تھا جو بارہ دفعہ پھلتا اور ہر مہینے

میں پہلا پھل دیتا ہے - اور درخت کے پتّے قوموں کی شفا کیواسطے
ہیں - اور پھر کوئی لعنت نہوگی اور خدا اور برّے کا تخت اُسمیں ہوگا - اور
اُسکے بندے اُسکی بندگی کرینگے - اور اُسکا مونہہ دیکھینگے - اور اُسکا نام اُنکے
ماتھوں پر ہوگا - اور وہاں رات نہوگی - اور وہ چراغ اور سورج کی روشنی کے
محتاج نہیں کیونکہ خداوند خدا اُنکو روشن کرتا ہے - اور وہ ابدالآباد بادشاہت
کرینگے -

مگر محمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم جس قوم میں مبعوث ہوے
اُسکی حالت بنی اسرائیل کی حالت سے بالکل مختلف تھی - وہ انسان کے
وجود کو ایک درخت یا ایک جانور کے وجود سے زیادہ نہیں سمجھتے تھے
اور خیال کرتے تھے کہ وہ پیدا ہوتا ہے اور بڑھتا ہے اور ایک حد پر پہنچکر
تنزل پکڑتا ہے اور مرجاتا ہے - جس طرح کہ کوئی ادنی جانور مرجاتا ہے -
اور جانوروں ہی کی مانند بالکل نیست و نابود ہوجاتا ہے - وہ نفس ناطقہ یا روح
کے وجود سے قطعاً بیخبر تھے اور یہہ سمجھتے تھے کہ انسان کا خون بجز انسان
کی سانس کے اور کچھ نہیں اور روح محض ایک ہوا اُسکے جسم کے اندر ہے
اُنکا عقیدہ تھا کہ مقتول آدمی کے سر میں سے ایک چھوٹا سا پرند جانور پیدا ہوتا ہے
اور جبتک کہ اُسکا بدلہ نہیں لیا جاتا (یعنی اُسکے قاتل کو قتل نہیں کیا جاتا) یہہ
جانور اُسکی قبر پر یہہ کہکر چیختا رہتا ہے " اِسْقُوْنِیْ اِسْقُوْنِیْ " یعنی مجھے
پانی پلاؤ پانی پلاؤ - اُنکا یہہ بھی عقیدہ تھا کہ مُردہ کی ہڈیاں گل گلاکر آخرکار یہہ
جانور بنجاتی ہیں - اس عجیب جانور کو وہ صَدِیٰ اور ھَامَہ کہتے تھے اور

ایسے احمق تھے کہ یہہ سمجھتے تھے کہ یہہ جانور بڑھکر ایک اُلّو کی برابر ہوجاتا ہے
دیکھو لبید شاعر اپنے ممدوح کے مرثیہ میں کہتا ہے۔ ۵

"فَلَیْسَ النَّاسُ بَعْدَكَ فِیْ نَقِیْرٍ + وَمَا هُمْ غَیْرُ اَصْدَاءٍ وَهَامٍ"

اُنکو مطلقاً اسکا خیال نہ تھا کہ اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی بھی ہوگی۔ اور انسان کو اُس سب سے بڑے بادشاہ کی عدالت میں حاضر ہونا اور اپنے اعمال وافعال کا جواب دینا پڑیگا۔ جسکی سلطنت ازلی وابدی ہے۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ جب آخرت اور جزا و سزا کا نام سُنتے تو نہایت متعجب ہوکر کہتے "ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِیْدًا" [قرآن مجید سورۂ بنی اسرائیل] "ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِیْنُوْنَ" [سورۂ صافات] "ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ" [سورۂ واقعہ] "ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ" [سورۂ سجدہ] "ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِی الْحَافِرَةِ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً" [سورۂ نازعات] یعنی۔ کیا جب ہوجائینگے ہم چند ہڈیاں اور ریزہ ریزہ۔ کیا ہم پھر اُٹھائے جائینگے نئے پیدا ہوکر؟ ۔ کیا جب ہم مرجائینگے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجائینگے۔ کیا بدلہ دئیے جائینگے [یعنی اعمال کی جزا و سزا ہمکو دیجائیگی] ؟ کیا جب ہم مرجائینگے۔ اور ہوجائینگے مٹی اور ہڈیاں۔ کیا ہم پھر اُٹھائے جائینگے ؟ کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی [اُٹھائے جائینگے] ؟ کیا جب ہم زمین میں گم ہوجائینگے :۔ [یعنی گل گلا کر مٹی ہوکر اُسمیں ملجائینگے] تو کیا ہم ایک نئی پیدائش میں آئینگے؟

کیا ہم لوٹائے جائینگے پچھلے پاؤں ؟ کیا جب ہم ہونگے ہڈیاں گلی ہوئی ؟ اور بڑے اصرار سے کہتے تھے۔ " اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ " [سورۂ انعام] " اِنْ هِیَ اِلَّا مَوْتَتُنَا الْاُوْلٰی وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِیْنَ " [سورۂ دخان] مَا هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا یُهْلِکُنَا اِلَّا الدَّهْرُ " [سورۂ جاثیہ] یعنی یہہ زندگی کچھ نہیں مگر صرف یہی دُنیا کی زندگی اور ہم پھر اُٹھنے والے نہیں۔ یہہ موت [یعنی روحانی موت] کچھ نہیں۔ مگر یہی پہلی [یعنی دنیا کی] موت اور ہم پھر زندہ کیئے جانے والے نہیں۔ یہہ زندگی [یعنی مرکر پھر جینا] بالکل نہیں۔ مگر ہماری یہی دُنیا کی زندگی۔ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور صرف زمانہ ہی ہمکو مارتا ہے [نہ اَور کوئی] اور کمال نادانی سے یہہ بیہودہ حجّت پیش کرتے تھے " اِئْتُوْا بِاٰبَائِنَا اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ " [سورۂ جاثیہ و دُخان] یعنی ہمارے پُرکھوں کو لے آؤ اگر تم سچّے ہو۔ اور اسی پر اکتفا نکرتے تھے۔ بلکہ جو لوگ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے واقف نہ تھے اُنکو بطور ایک اُعجوبہ کے یہہ کہا کرتے تھے " هَلْ نَدُلُّکُمْ عَلٰی رَجُلٍ یُّنَبِّئُکُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ کُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّکُمْ لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ " [سورۂ سبا] یعنی۔ کیا ہم تمکو ایک ایسا شخص بتائیں جو تمکو یہہ بتاتا ہے کہ جب تم بالکل ریزہ ریزہ کیئے جاچکے ہوگے [یعنی تمہارا ذرہ ذرہ مٹی میں ملچکا ہوگا] تو تم بیشک نئے سرے سے پیدا ہوگے " اور پھر اُن سے پوچھتے تھے " اَفْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ " یعنی۔

آیا اسنے خدا پر بہتان باندھا ہے یا اسکو جنون ہے ؟ [جو ایسی خلاف عقل بات کہتا ہے] غرضکہ وہ صرف اس جسم اور اس ہیئت کذائی ہی کو انسان جانتے تھے۔ نفسِ ناطقہ یا روح کے وجود کے قائل نہ تھے۔ اور نہ اُسکے اعمال اور نہ اُسکی ذمہ داریوں سے واقف تھے۔ اور یہی وجہ ہے یہہ سمجھتے تھے کہ جب آدمی مرگیا اور مٹی مٹی میں اور پانی پانی میں اور ہوا ہوا میں ملگئی اور جسم سڑ گل کر معدوم ہوگیا۔ تو عذاب و ثواب کیسا اور کس پر - اب ہر ایک شخص سمجھ سکتا اور غور کرسکتا ہے کہ جن لوگوں کے خیالات ایسے پست اور تنگ و تاریک ہوں۔ اور اُنہوں نے پشت ہا پشت سے اِنہیں خیالات میں نشو و نما پائی ہو اُنکو یہہ یقین دلانا کہ اس جسمِ خاکی کے اندر ایک ایسی چیز بھی ہے جو فنا ہونے والی نہیں اور وہ اپنے افعال و اعمال کی جواب دہ اور ذمہ دار ہے۔ اور پھر عذاب و ثواب کو جو عقلی اور روحانی حقیقتیں ہیں اُنکے ذہن نشین کرنا کسقدر مشکل کام تھا۔ لیکن اُس اُمّی مگر فطرت اللہ کے سب سے بڑے واعظ کے فضل و کمال کو دیکھنا چاہیئے جسکا نام نامی محمدؐ ہے کہ اُسنے اپنی اُمت کے لوگوں کی ناقابلیت کی وجہ سے اس باریک و دقیق مسئلہ میں حضرت کلیم کی طرح سکوت اختیار نفرمایا۔ اور نہایت آسان اور عام فہم دلیلوں اور تمثیلوں سے اُسکو لوگوں کے ذہن نشین کیا۔ اور جزا و سزا کی حقیقت کو ایسے فصیح و بلیغ اور مؤثر و دلنشین طریقوں اور پیرائیوں میں بیان فرمایا کہ بہشت و دوزخ کو گویا آنکھوں سے دکھا دیا۔ اور اس طرح پر ایک ایسی مُردہ دل قوم میں جو

بقول سر ولیم میور "روحانیت کے اعتبار سے خدا باپ کسقدر مدت سے بے حس وحرکت پڑی ہوئی تھی" اپنے کلام جان بخش سے حیات ابدی کی ایک تازہ روح پھونکدی - چنانچہ ذوقنس صاحب جو ایک نامور مورخ ہیں لکھتے ہیں کہ "شادی وغم۔ عشق ومحبت، ودہشت وتعجب کے وہ عظیم الشان اظہارات جنکی کچھ خفیف سی صدائیں اب ہمارے کان میں آتی ہیں محمدؐ کے زمانہ میں پوری پوری آواز رکھتے تھے اور محمدؐ کو سب سے زیادہ فصیح وبلیغ لوگوں سے صرف برابری ہی کرنی نہیں پڑی تھی بلکہ انپر فوق لیجانا پڑا تھا - اور اپنے کلام کی فصاحت وبلاغت کو اپنے دعوی رسالت کی دلیل گردانا پڑا تھا - محمدؐ کے پیشتر کے شعرا نے عاشقانہ اشعار بہت کہے تھے - چنانچہ عنترہ نے جسکے عشق کا حال ایک بہت مشہور داستان میں لکھا ہے - اور امرء القیس نے جسکو محمدؐ نے پیشوائے شعرائے عرب مگر رہنمائے اہل جہنم بتایا ہے - نہایت عالی اور آبدار مضامین عشقیہ نظم کیئے - اور شراب وکباب اور معشوقان ماہوشں وسیمیں تن کی تعریف میں فصاحت وبلاغت کے دریا بہا دیئے - مگر محمدؐ نے عاشقانہ مضامین نظم نہیں کئے - نہ کوئی عاشقانہ غزل کہی - نہ اس دنیائے فانی کے رنج وراحت - نہ عرب کی شمشیر آبدار وشتر بے مہار - نہ عرب کے رشک وحسد اور خواہش انتقام نہ کسی قوم وقبیلہ کے آبا واجداد کی شجاعت وجوانمردی نظم کی - نہ کوئی ایسا مضمون بیان کیا جس سے معلوم ہو کہ اُسکے نزدیک وجود بشر کی کوئی حقیقت

ہی نہیں اور انسان کے لیئے مطلقاً فنا ہو جانا ہی ہے - الغرض اُسنے لوگونکو
شعر و سخن نہیں سکھایا - بلکہ اسلام سکھایا - اور کیونکر سکھایا کہ زمین و آسمان کو
شق کر کے جنت و نار کو مجسم کر کے دکھا دیا " * انتہے قولہ جسکا نتیجہ یہہ ہوا
کہ وہی ہیئے کے اندھے عرب جنکو صرف یہہ دنیا ہی سوجھتی تھی اور
آیندہ کے حال سے بالکل بیخبر تھے اپنی اپنی استعداد و قابلیت کے موافق
مدارج ایمان و ایقان اور اذعان و عرفان میں ایسے ترقی کر گئے اور نور معرفت
سے اُنکی آنکھیں ایسی روشن ہو گئیں کہ بعض نفوس عالیہ - قیامت اور جو کچھ کہ
اُس عالم میں پیش آنے والا ہے - اُسکو اسی عالم میں دیکھنے لگے - چنانچہ
امام العرفا و سید الاوصیا حضرت علیؑ مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنا نے
جو خلیفہ برحق اور مظہر اتم جناب رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے
علم و حکمت ** اور ایمان و معرفت کے ہیں علانیہ کہدیا " لَوْ كُشِفَ الْغِطَاءُ

* دیکھو رسالہ کوارٹرلی ریویو جلد ۱۲۷ - نمبر ۲۵۴ لندن سنہ ۱۸۶۹ء مؤلف

** حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ " اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا " یعنی
فرمایا رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے " کہ من شہر علمم علیم درست " " اَنَا
دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا " یعنی فرمایا آنحضرت نے کہ میں حکمت آلہیہ کا گھر
ہوں اور علیؑ اُسکا دروازہ ہے (دیکھو کتاب مشکوٰۃ و جامع ترمذی وغیرہ
باب مناقب علیؑ علیہ السلام)
جناب مقدس مرتضوی کے فضائل و کمالات کا اعتراف نہ صرف اُن کے
کفش بردار مومنوں اور مسلمانوں ہی کو ہے - بلکہ مخالفوں اور غیر مذہب والوں نے
بھی بڑے شد و مد سے اُسکا اعتراف کیا ہے - دیکھو ہائی کورٹ بمبئی کے
فاضل جج مسٹر جسٹس آرنولڈ نے اڈوکیٹ جنرل بنام محمد حسین خوجہ

مَا ازْدَدْتُ یَقِیْنًا " یعنی اگر یہہ حجاب جسمانی اُٹھ جاوے تو بھی میرا یقین کچھ نہین بڑھنے کا - یعنی خدا کے وجود اور احوال آخرت کی نسبت جو یقین اور اطمینان قلبی اور لوگوں کو اس دنیا سے گزرنیکے بعد حاصل ہوگا وہ مجکو اسی عالم میں حاصل ہے - اور آپ کے اصحاب میں سے ذِعلب نامے ایک شخص نے جو یہہ سوال کیا کہ " ھَلْ رَأَیْتَ رَبَّكَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ " یعنی - کیا آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے یا امیر المومنین " تو آپنے فرمایا " اَفَاَعْبُدُ مَا لَا اَرٰی " یعنی پھر کیا مین اُسکی پرستش کرتا ہوں جسکو دیکھتا نہیں - اور جب اُسنے عرض کیا کہ " کَیْفَ تَرَاہُ " یعنی آپ اُسے کیونکر دیکھتے ہیں - تو غایت درجہ کی تنزیہ و تقدیس اور حکمت و معرفت سے بھرا ہوا یہہ جواب دیا " لَا تُدْرِکُہُ الْعُیُوْنُ بِمُشَاھَدَۃِ الْعِیَانِ وَلٰکِنْ تُدْرِکُہُ الْقُلُوْبُ بِحَقَائِقِ الْاِیْمَانِ " یعنی آنکھیں خدا کو کھُلم کھُلا نہیں دیکھ سکتیں مگر دل ایمان کی حقیقتوں سے اُسکو دیکھ لیتے ہیں - یعنی جب انسان کا دل ماسوی اللہ کی کدورتوں سے پاک و صاف ہوکر آینہ کی مانند مُجلّٰی و شفّاف ہوجاتا ہے - یہانتک کہ اُسکو اپنے وجود سے بھی ذہول اور بیخبری ہوجاتی ہے - تو نور جلال و جمال الٰہی اُسمین چمکنے لگتا ہے اور انسان میں اور خدا میں کوی پردہ اور حجاب نہیں رہتا - اور وہ ایمان و

کے مشہور مقدمہ میں جو ایک نہایت عالمانہ فیصلہ لکھا تھا اُسمیں یہہ لکھا ہے " الغرض علیؑ کی شہادت سے سب مسلمانوں میں ایک تہلکہ عظیم پڑگیا - علیؑ کو سب لوگ دل سے دوست رکھتے تھے اور وہ اِسی قابل تھے - اُس زمانہ میں بھی جبکہ شجاعانِ عرب شہرۂ آفاق تھے - ضرغامِ آلِ ابوطالب اسد اللہ الغالب

معرفت کے اُس درجہ کو پہنچ جاتا ہے - جسکو رویت اور دیدار سے تعبیر
کیا جا سکتا ہے - یعنی ایک ایسا رُوحانی مکاشفہ حاصل ہو جاتا ہے کہ گویا
خدا کو انکھوں سے دیکھ لیا - ذٰلِكَ دَرُّ مَنْ قَالَ ۵ "حجاب و پردہ ندارد
نگار من ما - تو خود حجاب خودی حافظ از میان برخیز" پس محدث جلیل
مُحَمَّدْ بن اِسْمَاعِیل بُخاری اور مُسلم نے جو جریر بن عبد اللہ
سے یہہ روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا -
" اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ عِيَانًا " یعنی - بیشک قریب ہے کہ تم
اپنے پروردگار کو ظاہر طور پر دیکھو گے - اور ایک روایت میں ہے -
" اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ " یعنی جس طرح تم اس
چاند کو دیکھ رہے ہو قریب ہے کہ اُسی طرح اپنے پروردگار کو دیکھو گے
اور ایسی ہی اَور چند روایتیں جو رویت کے باب میں کتاب مشکوٰۃ
میں منقول ہیں اگر صحیح ہوں تو اُنکا مدعا بھی یہی مکاشفہ روحانی ہے جو کامل المعرفت
مومنین کو عالم آخرت میں نہایت اتم واکمل طور پر حاصل ہوگا - نہ اَور کچھ کیونکہ
رویت بصری تو عقلاً ناممکن ہے - اور نص صریح قرآنی اور حدیث صحیح نبوی کے
بھی برخلاف ہے - چنانچہ خدا تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے " لَا تُدْرِكُهُ
الْاَبْصَارُ " یعنی - یہہ ظاہر کی آنکھیں اُسکو [یعنی ذات مقدس الٰہی کو] نہیں

بقیہ حاشیہ صفحہ [illegible]

اُن کا لقب تھا - اور اشجع العرب اُن کو کہتے تھے - شجاعت - حکمت - ہمت
عدالت - سخاوت اور زہد و تقوے میں علیؑ کا عدیل و نظیر تاریخ عالم میں کمتر نظر آتا ہے
[ماخوذ از لارڈ یونٹ بمبئی جلد دوازدہم] مؤلف عفی عنہ

دیکھ سکتیں اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا - جیسا کہ مشکوٰۃ کے اسی باب میں روایت مُسلم آنحضرت کے خادم خاص اَبُوذَر سے منقول ہے کہ انہوں نے آپ سے عرض کیا کہ "ھَلْ رَاَیْتَ رَبَّکَ" یعنی - کیا آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے ؟ تو آپ نے فرمایا "نُورٌ اَنّٰی اَرَاہُ" یعنی - خدا تو نور ہے میں اسکو کیونکر دیکھ سکتا ہوں - یعنی بقول طیبی شارح مشکوٰۃ " نور اُسکا حجاب ہے کیونکہ نور کا کمال دیکھنے کا مانع ہوتا ہے" جیسے آفتاب کا نور جو خدا کی مخلوقات میں سے ایک ادنی مخلوق ہے اُسکی ذات کی رویت کا مانع ہے پس خدا جو نور اور روشنی کا بھی خالق ہے اُسکو یہ ظاہری آنکھیں کیونکر دیکھ سکتی ہیں " مَا لِلتُّرَابِ وَرَبِّ الْاَرْبَابِ "

ہمارے اس بیان کے پڑھنے کے بعد ہر ایک منصف مزاج شخص [اگر کوئی ایسا شخص ہو] یہ فتوی دینے میں تامل نہ کریگا کہ جس کتاب کی تعلیم روح کو ابدی ترقی دینے والی اور نتیجے ایسے عظیم الشان معجز ہیں کہ اگر اُن کو ابرائے اکمہ واحیائے موتی سے تعبیر کیا جائے تو مبالغہ نہیں ہے - اور جو لطافت زبان وحسن بیان کے اعتبار سے اپنی نوع میں یکہ ویگانہ اور کامل تر و اعلی تر ہے - وہ کسی ایسے وجود کا کلام نہیں ہو سکتی جو خود ہی اپنی فطرت میں ناقص و عاجز اور مرکب عن الخطاء والنسیان ہے بلکہ اُسکا مصدر وہی کامل الذات اور ہمہ قدرت ہستی ہونی چاہیئے جو تمام زمین و آسمان - اجرام و اجسام ارواح واشباح - کی خالق - اور اندھیرے کو اجالا -

اوجاٸے کو اندھیرا۔ معدوم کو موجود۔ موجود کو معدوم۔ زندوں کو مردہ اور مُردوں کو زندہ کردینے پر قادر ہے۔ کیونکہ کامل شٸے کا صدور کامل ہی سے ہو سکتا ہے ناقص سے نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ بشپ ھِڈّ لٹن جو ایک عالم و فاضل شخص تھا کہتا ہے کہ ” یونانی توریت اور انجیل سے بالکل جہالت اور وحشیانہ پن ظاہر ہوتا ہے۔ اور جملہ عیوب سے جنکا کسی زبان میں پایا جانا ممکن ہے بھری ہوئی ہیں۔ مگر ہمکو از روے فطرت کے خود بخود یہہ توقع ہوتی ہے کہ الہامی زبان کا سلیس و لطیف اور عمدہ و پراثر ہونا چاہیٸے اور اُسکا عام کلام کی قوت اور اثر سے بھی متجاوز ہونا ضرور ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی کے ہاں کوئی چیز ایسی نہیں ہو سکتی جسمیں کسی قسم کا نقص ہو۔ خلاصہ یہہ کہ ہمکو افلاطُون کی سی لطافت اور سِسرو کی سی بلاغت کا متوقع ہونا چاہیٸے “ اور اسی اصول پر مبنی ہے وہ دعوی جو قرآن مجید کی اُن آیتوں میں کیا گیا ہے جو ہم اپنی اس کتاب کے شروع میں لکھ آٸے ہیں۔ اور جن میں سے ایک آیت یہہ ہے۔

” قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا “

عرب جاہلیت دیوؤں اور خبیث ارواحوں کو مانتے تھے تمام خیالی اور وہمی اور فرضی صورتیں جو بیابانوں یا پُرانی مسمار و منہدم عمارتوں میں اُنکو نظر آتیں [جنگل کہ تنہا آدمی کے خیال میں اکثر صورت بنجاتی ہے] اُن سب کو مختلف قسم کی خبیث ارواحیں تصور کرتے تھے۔ نیک اور بد

جنات میں عقیدہ رکھتے تھے - اُنکی مختلف صورتیں اور شکلیں مقرر کی تھیں
اور مختلف نام رکھے تھے - اُن کے نزدیک بعض جنات ضعف جسم انسان
کا سا اور بعض جسم روحانی رکھتے تھے - اُن کو جنگلوں اور پہاڑوں میں انسانوں
سے مخفی رہنے والے جانتے تھے - اور شہر اور زبردست و قوی ہیکل
لمبا تڑنگا خیال کرتے تھے - اور اُن کی پرستش کرتے تھے - اُن میں جنوں کے
وجود کا یقین ایسا چھیل رہا تھا کہ یہہ سمجھتے تھے کہ ہر ایک جنگل میں جن رہتے
ہیں - چنانچہ جب سفر کو جاتے یا شکار کے لیئے کسی جنگل میں اُترتے تو اُس
جنگل یا میدان کے جنوں کے سردار سے پناہ مانگتے اور کہتے "اَعُوذُ
بِعَظِیمِ ھٰذَا الوَادِی" اُنہوں نے عبقر نام ایک خیالی شہر
قرار دے رکھا تھا اور سمجھتے تھے کہ اُسمیں بہت کثرت سے جن رہتے
ہیں - اور ہر ایک عمدہ و عجیب چیز کو اس خیال سے اُنکی طرف منسوب کرتے
تھے کہ گویا وہ جنوں کی بنائی ہوئی ہے - غرضکہ وہ جنوں کو اعلی سے
اعلی اور مشکل سے مشکل چیز کے بنا لینے پر قادر سمجھتے تھے - شعرا کا
یہہ اعتقاد تھا کہ ایک ایک جن اُنکے اختیار میں رہتا ہے اور جسقدر بڑا
شاعر ہوتا ہے اُسیقدر زبردست جن اُسکا محکوم ہوتا ہے - دیکھو موسی
بن جابر شاعر اپنی تعلی میں کہتا ہے " وَمَا نَفَرَتْ جِنِّی وَمَا فُلَّ
مِبْرَدِی" یعنی میرا جن بدک نہیں گیا اور نہ میرا سوہان ہی بیکار ہوگیا ہے
- پس خدا تعالی نے قرآن مجید کے الہامی اور ربانی الاصل ہونیکے
دعوے کو موکد کرنیکے لیئے اپنے رسول کو فرمایا کہ [بعض کافر جو یہہ کہتے

ہیں کہ ہم چاہیں تو قرآن کی مثل لا سکتے ہیں؟" تو اُن سے کہدے کہ آدمی تو کیا اگر جن بھی (جنکو تم اپنے خیال میں چنیں و چناں سمجھتے ہو) تمہاری مدد کے لیئے متفق ہو جائیں تو بھی کوئی ایسا کلام نہ لا سکینگے جو اسرار حقیقت و معرفت اور علم و حکمت و مکارم اخلاق و اصول عامہ سیاست سے بھرپور اور حسن بیان و لطافت زبان اور اثر قوت میں قرآن کی مانند ہو" اور تاریخ گواہ ہے کہ عرب جاہلیت باوجود اُس غایت مرتبہ کی عداوت و مخالفت کے جو بانی اسلام علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام سے رکھتے تھے - اور اُس علی واکمل درجہ کی دستگاہ کے جو فصاحت و بلاغت میں اُنکو حاصل تھی - اور اُس انتہا کی جد و کد اور اصرار و استبداد کے جو آنحضرت کے دعوی رسالت کی تکذیب اور قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے کی تردید میں کرتے تھے قرآن مجید کی ایک چھوٹی سی چھوٹی سورہ کی مانند بھی نہیں لا سکے - اور اُن کا وہ سب سے بڑا اور نامی گرامی شاعر جو اَنَا ولاغیری کا دم بھرتا تھا - اور جسکا نام لبید تھا سورہ بقرہ کی چند آیتوں کو پڑھکر بے اختیار چلا اُٹھا کہ خدا اور اُس شخص کے سوا جسپر وحی نازل ہوتی ہو کوئی انسان ایسا کلام نہیں کر سکتا - اور فوراً شرک و بت پرستی کو چھوڑکر خدا پرست مسلمان ہو گیا - چنانچہ جارج سیل صاحب اپنے ترجمہ قرآن کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ " یہ بات علی العموم مسلّم ہے کہ قرآن قریش کی زبان میں جو جملہ اقوام عرب میں شریف ترین و مہذب ترین قوم ہے انتہا کی لطیف اور پاکیزہ زبان میں لکھا گیا ہے - لیکن اور زبانوں کی بھی کسیقدر آمیزش ہے - گو وہ آمیزش بہت ہی قلیل ہے

وہ الکلام عربی زبان کا نمونہ ہے۔ اور زیادہ سچے عقیدہ کے لوگوں کا یہہ قول ہے اور نیز اس کتاب سے بھی ثابت ہے کہ کوئی انسان اسکا مثل نہیں لکھ سکتا کو بعض فرقوں[۵۱] کی نجاست رائے ہے] اور اسی واسطے انسے لاز وال معجزہ قرار دیا ہے جو مردہ کے زندہ کرنے سے بڑھکر ہے - اور تمام دنیا کو اسکے ربانی الاصل ہونیکا ثبوت دینے کے لیئے اکیلا کافی ہے۔ اور خود محمدؐ نے بھی اپنی رسالت کے ثبوت کے لیئے اسی معجزہ کی طرف رجوع کیا تھا اور بڑے بڑے فصحاے عرب کو اسوقت کہ اس زمانہ میں اس قسم کے ہزارہا آدمی موجود تھے جنکا محض یہہ شغل اور حوصلہ تھا کہ طرز تحریر اور عبارت آرائی کی لطافت میں لایق و فایق ہوجائیں] علانیہ کہا بھیجا تھا کہ اسکے مقابلہ کی ایک سورہ ہی بنادو - اس بات کے اظہار کیواسطے کہ اس کتاب کی خوبی تحریر کی ان ذی لیاقت لوگوں نے فی الواقع تعریف و توصیف کی تھی جنکا اس کام میں مبصر ہونا مسلم ہے منجملہ بیشمار مثالوں کے ایک مثال کو بیان کرتا ہوں - لبید بن ربیعہ عامری جو محمدؐ کے زمانہ میں سب سے بڑے زبان آوروں میں سے تھا اسکا ایک قصیدہ[۵۲] خانہ کعبہ کے دروازہ پر چسپاں تھا [یہہ رتبہ نہایت اعلیٰ تصنیف کے لیئے مرعی تھا] اور کسی شاعر کو اسکے مقابل میں کسی اپنی

---

[۵۱] بعض فرقوں کی جگہہ بعض شخصوں کہنا مناسب تھا۔ مؤلف عفی عنہ

[۵۲] مشہور و معروف قصاید "سبعۂ معلقہ" میں سے چوتھا قصیدہ وہی ہے جسکا ذکر مسٹر سیل نے اپنے اس بیان میں کیا ہے - مؤلف عفی عنہ

تصنیف کے پیش کرنے کی جرأت نہوتی تھی - لیکن جبکہ تھوڑے ہی عرصہ
کے بعد قرآن کی دوسری سورہ [بقرہ] کی آیتیں اُسکے مقابلہ میں لگائی
گئیں تو خود لبید [جو اُس زمانہ میں مشرکین میں سے تھا] شروع ہی
کی آیت پڑھکر بحر تحیّر میں غوطہ زن ہوا - اور فی الفور مذہب اسلام قبول کیا
اور بیان کیا کہ ایسے الفاظ صرف نبی ہی کی زبان سے برآمد ہو سکتے ہیں"
اور متصلاً لکھتے ہیں کہ " قرآن کا طرز تحریر عموماً خوشنما اور روان ہے
بالخصوص اُس جگہہ کہ جہاں وہ پیغمبرانہ وضع اور توریتی جملوں کو نقل کرتا ہے
وہ مختصر اور بعض مقامات میں مبہم ہے - اور ایشیائی ڈھنگ کے
موافق پر حیرت صنعتوں سے مرصع - اور روشن اور پُر معنی جملوں سے
مزین ہے - اور اکثر جگہہ اور علی الخصوص اُس مقام پر جہاں کہ اللہ تعالے
کی عظمت اور اوصاف کا بیان ہے نہایت عالی مرتبہ اور رفیع الشان ہے"
پس مسٹر گبن کا یہہ لکھنا کہ " آنحضرت جوش مذہبی یا خود پسندی کی
تحریک سے اپنی رسالت کی صداقت کو اپنے قرآن کی خوبی پر منحصر کرتے ہیں
اور دلیری کے ساتھ یہہ دعوی کرتے ہیں کہ انسان اور ملایک دونوں میں
سے کوئی تو اُسکے ایک صفحہ کی مانند بنا دے - اور پھر خود ہی بڑے زور
سے یہہ کہتے ہیں کہ ایسا بے نظیر کلام صرف اللہ تعالی ہی کی طرف سے
ہو سکتا ہے" - اور نیز یہہ کہنا کہ " یہہ دلیل نہایت استحکام کے ساتھ
ایک محو عقیدت عرب کی طرف خطاب کی گئی ہے جسکی طبیعت وجد
میں آکر ایمان سے آنے اور کان خوش آیند الفاظ کو سنکر مسرت اندوز ہونیکے

لیئے موزوں ۔ اور جسکی سبب علمی انسانی ذہانت کے ایجادوں کا مقابلہ کرنے سے قاصر ہے" صریحاً تاریخ سے چشم پوشی کرنا ہے - کیا اُن ہزارہا فصحا و بُلغا میں جنکا بقول مسٹر سیل "محض یہہ شغل اور جو صد تھا کہ طرز تحریر او عبارت آرائی کی لطافت میں لائق و فائق ہوجائیں" کوئی بھی ایسا تھا ؟ جو ایک ایسے شخص کا کہ جو کیسی کتب میں نہیں بیٹھا - نہ کسی اُستاد سے پڑھا - اور نہ کسی شاعر سے شعر کہنا سیکھا مقابلہ کرتا اور قرآن کی طرح کے چند چھوٹے چھوٹے فقرے لکھکر اُسکے اس بڑے دعوی کو جو مسٹر گبن کے نزدیک "جوش مذہبی یا خودپسندی کا نتیجہ تھا" رد کر دیتا - اور اِس طرح سے اپنی قوم اور اپنے خداؤں کو اس آفت سے بچالیتا جو آخر کار اُس ناصح امین کی بات نہ ماننے سے جو نہایت دلسوزی و ہمدردی اور ہمجنسی کے جوش سے صرف اُن ہی کے بھلے کی خاطر اُنکو نصیحت کرتا تھا اُنپر پڑی - اور جبکہ باوجود اُسکے بار بار کے اِس دعوے کے کوئی فصیح سے فصیح اور بلیغ سے بلیغ اُسکی تردید نہیں کر سکا اور وہ لوگ لفظی مقابلہ کو چھوڑ کر تیر و شمشیر کے ساتھ مقاتلہ پر مجبور ہوئے تو صاف ثابت ہے کہ یہہ ایک ربانی کرشمہ تھا جسنے تمام فصحا و بلغاے عرب کو قرآن کے مقابلہ میں ناچار اور عاجز کر دیا تھا اور خدا کا یہہ فرمانا بالکل سچ تھا اور ہے کہ " قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْجِنُّ وَالْاِنْسُ [الی آخر الآیۃ]

عیسائی مصنفوں نے جنمیں سے ایک سر ولیم میور بھی ہیں بڑی جد و جہد کے بعد اپنے نزدیک قرآن مجید میں یہہ عیب نکالا ہے کہ اُسکے قصص و احکام اور بیانات میں بے ربطی ہے - چنانچہ گبن استہزاً

لکھتا ہے کہ " یورپ کا کافر قرآن کے قصص اور مواعظ اور بیان کی بے انتہا ناموزون بے ربطی کو جس سے شاذ ہی کوئی تصور یا خیال پیدا ہوتا اور جو کبھی تو ایسا پست ہے گویا زمین پر لوٹتا ہے اور کبھی ایسا بلند ہے کہ گویا بادلوں کے پار ہو جاتا ہے بے صبری کے ساتھ پڑھتا ہے " اور اگرچہ اُسنے اسکی وجہ نہایت انصاف سے خود ہی بیان کر دی ہے کہ " طرز بیان کی فصاحت و بلاغت ترجمہ کے ذریعہ سے یورپ کے کافر تک نہیں پہنچ سکتی " مگر ہم پر فرض ہے کہ اسکو کسیقدر تفصیل کے ساتھ بیان کریں تاکہ ناظرین کو معلوم ہو جاوے کہ مخالفین کے بیانات میں کہانتک سچائی ہے -

واضح ہو کہ قرآن مجید اپنی اصل موثر و دلربا صورت میں فرنگستان میں نہیں پہنچا بلکہ اُس شکل میں وہاں پہنچا ہے جسکا خاکہ مسٹر گاڈفرے ہیگنس نے عمدہ طور پر ان الفاظ میں کھینچا ہے کہ " اگر عبرانی کتب مقدسہ کا ترجمہ اس طرح پر شایع کیا جاوے کہ ہر لفظ قابل تبدیل متین اور شایستہ معنی سے ذلیل اور غیر مہذب معنی میں بدل دیا جاوے - اور ہر آیت کا مضمون کسی جوڑ توڑ اور ناقابل برداشت غلط ترجموں اور غلط تاویلوں کے ساتھ مصنف پر معیوب معنی پہنانے کا ذریعہ بنایا جاوے - اور ایک بیقدر اور خراب شرح اُسکے ساتھ لگا دی جاوے تو اس ذریعہ کا کسیقدر تصور بند ھ سکتا ہے کہ جسکی وساطت سے قرآن کی اشاعت یورپ میں ہوئی " اور چند اور مشہور و معروف عیسائی مصنفوں نے بھی اسکی تائید کی ہے

چنانچہ مانشیور سیواری جو ایک فرانسیسی مترجم قرآن ہے مانشیور ڈو رایر [یہہ شخص گورنمنٹ فرانس کی طرف سے مصر میں کانسل تھا اور زبان عربی و ترکی جانتا تھا] کے ترجمہ کی نسبت لکھتا ہے کہ "اگر قرآن جو تمام ایشیائی ملکوں میں عبارت کے کمال اور قوت خیالات کے مجد و اجلال میں اعلی مرتبہ پر ہے ڈو رایر کے ترجمہ میں پایہ نامرتب اور سست و بے مزہ بیان کہ جس سے طبیعت دق ہو جاے معلوم ہو تو یہہ الزام اُس طرز پر لگانا واجب ہے جو ڈو رایر نے اس ترجمہ میں اختیار کی۔ یہہ کتاب زبور داؤد کی مانند جدا جدا آیتوں میں ہے۔ یہہ طرز تحریر جو نبیوں نے اختیار کی اس غرض سے تھی کہ نثر میں زندہ خیالات اور نظم کے استعارے اور محاورات بیان میں آ سکیں ڈو رایر نے بلا لحاظ متن کے سب آیتوں کو ملا دیا۔ اور اُن کو ایک بیان مسلسل کر دیا۔ اور اس عیب کے رفع کرنے کو لمبی تفسیریں اور بیکار عبارتیں بیچ میں ملا دیں جس سے اسکے خیالات کی شان اور عبارت کی فریبندگی بالکل جاتی رہی اور اصل کی تعریف ناممکن ہو گئی اس ترجمہ سے کوئی نہیں خیال کر سکتا کہ قرآن عربی زبان میں وحید و فرید ہے"

اور اسی ترجمہ کی نسبت سیل صاحب لکھتے ہیں کہ " اسکے ہر صفحہ میں غلطیاں ہیں۔ اور اکثر تبدل اور حذف و زیادتی کی ایسی خطائیں ہیں جو اس قسم کی تصنیف میں معاف و معذور نہیں ہو سکتیں"

قرآن مجید کا ایک اور ترجمہ جو فادر لیوئیس مراکشی نے کیا اور حامل المتن

مع حاشیہ چھاپا گیا - اُسکی نسبت "مانشیور سیواری" لکھتا ہے کہ "اس
فاضل راہب نے جسنے چالیس برس ترجمہ اور تردید کرنے میں صرف
کیئے صحیح طریقہ کا برتاؤ کیا - یعنی متن کے موافق آیتوں کی تقسیم کی مگر ترجمہ لفظی
کر ڈالا - اسنے قرآن کے مضمون کو نہیں بیان کیا - بلکہ اسکو لاطینی وحشی زبان
میں پریشان کر دیا ہے - اور کو اصل عبارت کی سب خوبیاں اس ترجمہ سے
جاتی رہیں - تاہم اس ترجمہ کو ڈوراییر کے ترجمہ پر ترجیح ہے"

مراکشی نے جو ایک نہایت متعصب شخص تھا ایک رسالہ بھی اسلام
کی تردید میں اس ترجمہ کے ساتھ چھاپا تھا - اُسکے طرز استدلال کی نسبت مسٹر
سیل لکھتے ہیں کہ " جو حاشیے اسنے لگائے وہ تو بڑے فائدے
کے ہیں - مگر اسکی تردید جسکی وجہ سے کتاب کی ضخامت بہت بڑھ گئی - وہ
بہت ہی کم یا کسی کام کی نہیں - کیونکہ اکثر ناکافی اور گاہ گاہ گستاخانہ ہے"

پہلا انگریزی ترجمہ جو مسٹر الکزنڈر راس نے کیا وہ ڈوراییر کے
ترجمہ کا ترجمہ ہے اور اسیلئے وہ خرابی اسمیں بھی ہے جو ڈوراییر کے ترجمہ
میں ہے - البتہ دوسرا ترجمہ جو مسٹر جارج سیل نے کیا کسیقدر اچھا ہے
مگر وہ عیب جسکی شکایت سیواری نے کی ہے اور بے لطف مناسبت
وارتباط آیات کو کھو دیا - جسکے باعث سے پڑھنے والوں کو "ایک بے مزہ
پھیکی اور الجھاؤ کی تقریر معلوم ہوتی ہے" اُس میں بھی موجود
یعنی آیتوں کی تفریق نہیں کی اور تمام کتاب کو ایک بیان مسلسل
کر دیا ہے -

غرضکہ اس قسم کے ترجموں[۵۸] کے ذریعہ سے قرآن مجید یورپ میں پہنچا ہے
اور مسلمانوں کو تو خدا نے توفیق ہی نہیں دی کہ خود دوسری زبانوں میں ترجمہ
کرتے اور مختلف ملکوں میں شایع کرتے۔ اور اس طرح پر قرآن مجید کا اصلی

---

۵۸ فہرست مندرجہ ذیل سے یہ ظاہر ہوگا کہ بارھویں صدی عیسوی سے ایکر اسوقت تک
یورپ کی کس کس زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ ہوا ہے۔

شمار	مترجم کا نام	زبان		سنہ
(۱)	رابرٹ ریٹن ین مس	لاطن	----	سنہ ۱۱۴۳ء
(۲)	انڈریا ار اوابینی	اندلس	----	
(۳)	جوهانس انڈریاس	ایرگونین*	----	سنہ ۱۵ء
(۴)	انڈریو ڈورایر	فرنچ	----	سنہ ۱۶ء
(۵)	الگزنڈر راس	انگریزی	----	
(۶)	لیوئیس مراکشی	لاطن	----	سنہ ۱۶۹۸ء
(۷)	جارج سیل	انگریزی	----	سنہ ۱۷۳۴ء
(۸)	میگرلن	جرمن	----	سنہ ۱۷۷۲ء
(۹)	سیواری	فرنچ	----	سنہ ۱۷۸۳ء
(۱۰)	واهل	جرمن	----	سنہ ۱۸۲۸ء
(۱۱)	گارسن ڈی ٹاسی	فرنچ	----	سنہ ۱۸۲۹ء
(۱۲)	کاسمرسکی	ایضاً	----	سنہ ۱۸۴۰ء
(۱۳)	المان	جرمن	----	سنہ ۱۸۴۰ء
(۱۴)	جے۔ ایم راڈویل ایم اے	انگریزی	----	سنہ ۱۸۶۱ء

---

* ایروگونیا اسپین کے ایک صوبہ کا نام ہے وہاں کی زبان کو ایرگونین کہتے ہیں یعنی منسوب بہ ایروگونیا۔ مؤلف

حسن وجمال لوگوں کو دکھاتے مگر بقول سعدی کہ "حاجت مشاطہ نیست روے دلآرام را" اُسنے خود ہی اپنے روے روشن سے نقاب اُٹھا کر دہ ربانی تجلی کی کہ اُن ہی لوگوں میں سے جو اُسکے مخالف اور منکر تھے حقیقت بین اہل نظر کو اپنا والہ و شیدا کر لیا "وہ ہزار دل سے اُسکے خداداد حسن وجمال اور فضل وکمال پر فریفتہ ہوگئے اور بے اختیار اُنکی زبان پر آگیا کہ وہ از سرتا پا صداقت اور ہر قسم کے اوصاف کا معدن و مخزن ہے - چنانچہ مسٹر طامس کارلائل مرحوم جو اس صدی کے نہایت مشہور و معروف فضلا میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ" میرے نزدیک قرآن میں سچائی کا جوہر اُسکے تمام معنی میں موجود ہے جسنے اُسکو وحشی عربوں کی نظر میں بیش بہا کردیا تھا - سب سے اخیر یہہ کہا جاسکتا ہے کہ یہہ کتاب یعنی قرآن سب سے اول اور سب سے اخیر جو عمدگیاں ہیں وہ اپنے میں رکھتا ہے اور ہر قسم کے اوصاف کا بانی ہے بلکہ در اصل ہر قسم کے وصف کی بنا صرف اُسی سے ہوسکتی ہے؛ *

مسٹر گاڈفرے ھیگنس جو وہ بھی علم و فضل اور بے تعصبی و انصاف پسندی میں بڑے عالی رتبہ شخص ہیں لکھتے ہیں کہ " مسیح کی انجیل کی طرح قرآن غریب آدمی کا دوست اور غمخوار ہے - بڑے آدمیوں کی نا انصافی کی ہر جگہہ مذمت کرتا ہے - وہ آدمیوں کی باعتبار مدارج کے توقیر نہیں کرتا - یہہ امر اُسکے مصنف کی [خواہ وہ عرب کے نامی پیغمبر محمد ہوں خواہ

* دیکھو کتاب ھیروز اینڈ ھیروز درشپ - لکچر دویم - مؤلف عفی عنہ

اُنکے خلیفہ عثمان] لازوال نیکنامی کا باعث ہے کہ اُسمیں ایسا ایک بھی
کلمہ نہیں بتلایا جاسکتا ہے کہ جسمیں پولیٹکل خوشامد و رواداری کی طرف ذرا سا
بھی میل ہو جیساکہ ویسٹ منسٹر ریویو میں منصفانہ رائے دیگئی ہے کہ "اگر خودمختار
وجابر ایشیائی فرمانرواؤں کو اُنکے ارادے سے کوئی چیز کبھی روک سکتی ہو تو
وہ غالباً قرآن کی ایک بے تکلف آیت کسی ذی جرأت واعظ کی زبانی ہوگی"
مسٹر جان ڈیون پورٹ جو یہہ بھی ایک بڑے عالم اور غیر متعصب
شخص ہیں فرماتے ہیں کہ " منجملہ اُن بہت سی اعلیٰ درجہ کی خوبیوں کے جو
قرآن کے لیئے واجب طور پر باعث فخر و ناز ہوسکتی ہیں دو خوبیاں نہایت
بیّن ہیں۔ یعنی اوّل تو اُسکا وہ مؤدبانہ اور ہیبت و رعب سے بھرا ہوا طرزِ بیان
جو ہر ایک مقام پر جہاں خداتعالیٰ کا ذکر یا اُسکی ذات کی طرف اشارہ ہے
اختیار کیا گیا ہے۔ اور جسمیں خداوند عالم کو اُن جذبوں اور اخلاقی نقصوں سے
منسوب نہیں کیا جو اِنسان میں پاے جاتے ہیں۔ دوسرے اُسکا اُن تمام
خیالات و الفاظ اور قصّوں سے مبّرا ہونا جو فحش اور خلاف اخلاق اور
نامہذب ہوں حالانکہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ یہہ عیوب توریت
وغیرہ کتب مقدسہ یہود میں بکثرت پاے جاتے ہیں۔ فی الحقیقت
قرآن اِن سخت عیوب سے ایسا مبّرا ہے کہ اُسمیں خفیف سی خفیف
ترمیم کی بھی ضرورت نہیں اور اوّل سے آخر تک پڑھ جاؤ تو اُس میں
کوئی بھی ایسا لفظ نہ پاؤگے جو پڑھنے والے کے چہرہ پر شرم و حیا کے
آثار پیدا کرے۔ قرآن میں ذات باری کی تعریف نہایت مشرح اور صاف ہے

اور جو مذہب اُسنے اپنی ان خوبیوں کے ساتھ قایم کیا ہے وہ وحدانیت الٰہی کا نہایت پختہ اور شدید یقین ہے - اور بجاے اِسکے کہ اللہ تعالےٰ کو فلسفیانہ طور پر صرف ایسا مُسبّب الاسباب مان لیا جاے جو اِس عالم کو مُقرّرہ قوانین پر چلاکر خود ایسی شان و عظمت کے ساتھ الگ ہے کہ اُس تک کوئی شے نہیں پہونچ سکتی - قرآن کے رو سے وہ ہر وقت حاضر و ناظر ہے - اور اُسکی قدرت کاملہ ہمیشہ اس عالم میں عامل اور متصرّف ہے ہے - علاوہ ازیں اسلام ایسا مذہب ہے جسکے اُصول میں کوئی امر متنازع فیہ نہیں اور چونکہ اُسمیں کوئی ایسا مُعمّا نہیں ہے جو سمجھ میں نہ آے اور زبردستی قبول کرنا پڑے اسلیئے وہ لوگوں کے خیالات کو ایک سیدھی سادی اور ایسی پرستش پر قائم رکھتا ہے جو تغیّر پذیر نہیں ہے حالانکہ تیز و تند اور اندھا دھند جوش مذہبی نے پیروان اسلام کو اکثر اوقات آپے سے باہر کردیا ہے - اور سب سے اخیر بات یہہ ہے کہ مذہب اسلام ایسا مذہب ہے کہ جس سے ولیوں - شہیدوں اور تبرّکات اور تصویروں کی پرستش اور ناقابل فہم باتیں اور حکیمانہ باریکیاں اور راہبوں کی تجرید و تعذیب نفس بالکل خارج کردی گئی ہے - چنانچہ اِسلام میں ایسے ثبوت موجود ہیں جن پر خیال کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسکے بانی نے ماہیت اشیا اور اُس زمانہ کی قوموں کی حالت اور نیز اِس امر پر کہ مسائل مذہبی عقل سے کیونکر مطابق ہوسکتے ہیں ایک دیرینہ اور عمیق غور کے بعد اپنے مذہب کی بنا ڈالی ہے اور اسوجہ سے یہہ کچھ محل تعجب نہیں ہے کہ اسلامی طور کی پرستش اہل کعبہ

کی بُت بندگی اور صابئین کی پرستش اجرام فلکی اور زردشتیوں کی آتش پرستی پر غالب آگئی"

قرآن مجید کے تبدیل مضامین وتفنّن بیان کی نسبت کہ جو سرولیم میور کی مخالفانہ ومتعصبانہ نگاہ میں "گونجنے والی اور سامعہ خراش ابتر خام بے سری طرز بیانی۔ طول کلام۔ الجھاوٹ۔ نہایت خام وبھل" معلوم ہوتی ہے۔ مسٹر دوئش لکھتے ہیں کہ "ان تبدیلات مضامین میں جو مثل برق کے تیز وطرار ہیں اس کتاب کی ایک نہایت بڑی خوبصورتی پائی جاتی ہے۔ اور گوئٹھے [ایک مشہور ترین جرمن فاضل ہے] کا یہ قول بجا ہے کہ "جسقدر ہم اسکے قریب پہنچتے ہیں یعنی اسپر زیادہ غور کرتے ہیں وہ ہمیشہ دور کھچتی جاتی ہے یعنی زیادہ اعلیٰ معلوم ہوتی ہے۔ وہ بتدریج فریفتہ کرتی ہے پھر متعجب کرتی ہے اور آخر کار فرحت آمیز تحیّر میں ڈالدیتی ہے"

پس دیکھو کہ ایک ہی شے مختلف آنکھوں کو کیسی مختلف نظر آتی ہے سعدی علیہ الرحمہ نے سچ کہا ہے ۔ "چشم بداندیش کہ برکندہ باد عیب نماید ہنرش درنظر"

اور یہی مؤرخ اپنے آرٹیکل کے ایک اور مقام پر لکھتا ہے کہ "ہم دفعتًا از راہ ترجیح اس عجیب کتاب کی ماہیت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جسکی اعانت سے عربوں نے سکندر اعظم کے جہان سے بڑا جہان اور رومۃ الکبریٰ کی سلطنت سے وسیع تر سلطنت فتح کرلی اور جسقدر زمانہ کہ سلطنت روم کو اپنی فتوحات کے حاصل کرنے میں درکار ہوا تھا اسکا

دسواں حصہ بھی انکو نہ لگا - ایسی کتاب جسکی آغاز سے جملہ اہی سامیں یہی لوگ بحیثیت

سلاطین یورپ میں آئے تھے جہاں کہ اہل فنیشیا [شام و فلسطین] تاجرونکی

حیثیت سے اور یہود پناہ گیروں یا قیدیوں کی طرح پر آئے تھے یہی لوگ مع ان

پناہ گیروں کے یورپ کو انسانیت کی روشنی دکھانیکے لیئے آئے تھے - یہی لوگ

جبکہ تاریکی چھا رہی تھی - یونان کی مردہ عقل اور علم کو زندہ کرنے اور اہل مغرب اور اہل

مشرق کو فلسفہ - طب ہیئت اور نظم لکھنے کا خوشنما اور دلچسپ فن سکھانے اور علوم جدیدہ

کی بنا ڈالنے اور ہم لوگونکو غرناطہ (گرینڈا) کی تباہی کے دن پر ہنسنے کیلیئے رلانیکو آئے تھے"

ریورینڈ راڈویل صاحب اگرچہ قرآن مجید کی نسبت چند

بے اصل در غلط الزامات قائم کرتے ہیں - مگر اسپر بھی خلاف توقع انکے

قلم سے ایسا کچھ نکل گیا ہے جسکو آنحضرت اور قرآن مجید ... دریا معجزہ کہنا

چاہیئے - چنانچہ فرماتے ہیں کہ " محمدؐ کی زندگانی کا مدعا توحید الٰہی کا اعلان

کرنا تھا اور وہ بیشک اسمیں کامیاب ہوگیا - جسقدر کہ نہایت صحیح تاریخی واقعات

پر نظر کرنے سے ہمکو محمدؐ کی سیرت سے اصلی واقفیت حاصل ہوتی ہے

اسیقدر مراکشی - پریڈو اور دیگر مصنفین کی سخت کلامی اور بدزبانی

ہم پر غلط ثابت ہوتی ہے - اور یہہ کہنا حقیقت الامر کے زیادہ قریب

ہوگا کہ وہ بیشک ایک اعلی درجہ کا شخص تھا - اگرچہ کچھ نقص بھی رکھتا تھا -

اور ایک سچا واعظ تھا - اگرچہ غلطی میں پڑا ہوا تھا - مگر اسکی بہت سی غلطیوں

اور نقصوں کی وجہ اسکے زمانہ کی حالت تھی - اور ضرور ہے کہ جس مذہب کا

وہ اصل بانی تھا اسمیں سچائی اور نکوئی کے اصول بھی ہوں ورنہ یہہ معما

حل ہونا مشکل ہے کہ اُسکی تعلیم کا اثر جسکو بے شبہ اُسکے پیرووں کے
فتحمند ہتھیاروں نے بہت تیز کردیا اس وقت تک کہ تقریباً تیرہ صدیاں
گزرچکی ہیں ہمارے زمانہ کے پندرہ کروڑ آدمیوں میں جو کُل دُنیا کے چھٹے
حصہ سے زیادہ ہیں کس طرح قائم رہا - یہ بھی مان لینا ضرور ہے کہ قرآن
نے جس طور پر خدا کی ذات کی تعریف بلحاظ اُسکی وحدانیت اور تمام جہان
کا پروردگار اور عالم الغیب اور قادر مطلق ہونیکے بیان کی ہے اُسکے لئے
وہ نہایت اعلیٰ درجہ کی تعریف کا مستحق ہے اور یہہ بھی مان لینا واجب ہے
کہ قرآن کو صرف خدائے واحد پر نہایت پُرجوش اور گہرا یقین ہے -
اور گو کہ اُسمیں متوہمانہ تخیلات اور کہانیاں بھی ہیں اور طفلانہ آداب و رسوم
مذہبی کی بھی تعلیم کرتا ہے - اور ظلم و جور اور غلامی و تعدد ازدواج کی بھی
اجازت دیتا ہے - مگر باوجود ان باتوں کے اُسمیں ایک نہایت اعلیٰ
درجہ کی عمیق سچائی ہے جو ایسے الفاظ میں بیان کی گئی ہے جو باوجود
اختصار کے قوی اور کثیر الدلالۃ اور ملہمانہ حکمت سے بھرے ہوئے
ہیں اور اُسنے ثابت کردیا ہے کہ اُسمیں ایسے اُصول موجود ہیں جن پر
نہایت قوی قومیں اور گو مستقل اور قیام پذیر بادشاہتیں تو شاید نہیں مگر
مُلک فتح کرنے والی سلطنتیں ضرور قائم ہوسکتی ہیں - اگرچہ اسلام بہت
سی باتوں کے لحاظ سے ایک ناکامیابی ہے لیکن یہہ زیادہ تر قرآن
ہی کی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ ایک بے آب و علف جزیرہ نما کے باشندے
جنکے افلاس کی برابری صرف اُنکی جہالت ہی کرسکتی تھی نہ صرف ایک

نئے مذہب کے پُرجوش اور سچے پیرو بنگئے بلکہ عمرؓ اور بہت سے اور
لوگوں کی طرح اُسکے بزور شمشیر پھیلانے والے ہوگئے۔ وہ لوگ
مملکتوں کے بانی اور شہروں کے آباد کنندہ اور [جتنے کتب خانے
انہوں نے خراب* کیئے تھے اُن سے زیادہ] کتب خانوں کے جمع کرنیوالے
ہوگئے۔ اور فسطاط۔ بغداد۔ قرطبہ [کا ڈروا] اور دہلی کو
وہ قوت ہوئی کہ عیسائی یورپ کو کپکپا دیا۔ اور اس طرح سے قرآن

* چند سال ہوئے کہ اس الزام کی تردید میں دو نہایت محققانہ نوٹ پرچہ تہذیب الاخلاق
۱۲۹۱ ہجری میں چھپے تھے۔ جنمیں سے ایک تو ہمارے مخدوم دوست مولوی
چراغ علیخان بہادر مخاطب بہ اعظم یار جنگ سلمہ اللہ تعالیٰ عہدہ دار
سرکار آصفیہ حیدرآباد کے پرزور قلم کا نتیجہ تھا۔ اور دوسرا اخبار
پانیر الہ آباد کے قابل ایڈیٹر کی تحقیق و تدقیق کا ثمرہ۔ جو اخبار پانیر مطبوعہ
آٹھویں اکتوبر ۱۸۷۵ء سے نقل کیا گیا تھا۔ جنکو دلچسپ سمجھکر ہم بلفظہ یہاں
لکھدینا مناسب سمجھتے ہیں۔

مولوی چراغ علیخان صاحب بہادر لکھتے ہیں کہ " معلوم نہیں
مصنف نے [یعنی مسٹر راڈویل نے] کس حادثہ پر اشارہ کیا ہے۔ لوگوں
کے ذہن اُس طرف جائینگے کہ اسکندریہ کے کتب خانہ کی ویرانی جو عمروؓ بن
العاص کے ہاتھ سے خلیفہ ثانی کے حکم سے ہوئی۔ مگر اہل یورپ میں اب یہ
عام رائے ہے کہ یہ قصہ دروغ محض اور بے بنیاد ہے۔ چیمبرز کے انسائکلو
پیڈیا جلد اول میں اسکندریا کے کتب خانہ کے بیان میں لکھا ہے کہ وہ متعصب
عیسائیوں کے ایک گروہ نے بسرکردگی ارک بشپ تھیافلیس حملہ کرکے ۳۹۱ء

جسمیں یہہ وسیع قوت پائی جاتی ہے اور جسمیں ایسے اصول ہیں کہ جو اس قوت کے ظہور کا منبع ہیں۔ اس قابل ہے کہ اُسکی قدر بیش بلحاظ ایک مجموعہ قوانین اور سلسلہ تعلیم مذہبی کے اُن تبدیلیوں کے اندازہ سے ہونی چاہیئے جو اُسنے اُن لوگوں کی عادات و اعتقادات میں کیں جنہوں نے اُسکو طوعاً خواہ کرہاً قبول کیا" وَالْفَضْلُ مَا شَہِدَتْ بِہِ الْاَعْدَاءُ

تین سو اکانوے عیسوی میں جو پیٹر ... کے بتخانہ کو ڈھا دیا اور غالباً وہاں کے علمی خزانہ یعنی کتب خانہ کو بھی برباد کیا۔ اور یہہ اُسوقت میں ہوا کہ کتب خانہ کی تباہی شروع ہوئی نہ سنہ چھ سو تیس عیسوی میں عرب کے ہاتھوں سے خلافت عمر میں۔ وہ قصہ جسمیں یہہ ہے کہ عربوں کو بہت سی کتابیں جو چھ مہینے تک حمام گرم کرنے کے لیئے کافی ہوں وہاں مل گئی تھیں تمسخریہ کے طور پر مبالغۃً بیان کیا گیا ہے۔ مؤرخ اُروسیوس جسنے اِس مقام کو بعد ازاں کہ عیسائیوں نے اسے خراب کر ڈالا تھا ملاحظہ کیا لکھتا ہے کہ "اُسنے اُسوقت کتب خانہ کی صرف خالی الماریاں دیکھیں" مسلمانوں میں تاریخی واقعات میں تسامح اور تساہل بہت ہوئی ہے سوچ سے بے تُکے اُڑجاتے ہیں۔ شاید اس قصہ کی ابتدا عبد اللطیف [ولادت ۱۱۶۲ء وفات ۱۲۳۱ء] صاحب تاریخ مِصر سے ہوئی ہو اِسکے بعد ابوالفرجیوس [ولادت ۱۲۲۶ء] [وفات ۱۲۸۶ء] عیسائی مؤرخ ارمنی اُسقف کے ذریعہ سے بہت شہرت ہوئی۔ اور احمد المقریزی القاہری [ولادت ۱۳۶۰ء] [وفات ۱۴۴۲ء] اور ابن خَلْدُون وغیرہ مورخوں نے مقلدانہ نقل کیا۔ مگر یوطی کیوس مِصری بِطْریق اسکندریہ [ولادت ۸۷۶ء] [وفات ۹۴۰ء] اور جارج الماسین مِصری مؤرخ [ولادت ۱۲۲۳ء] [وفات ۱۲۷۳ء] اِن

اَب ہم اپنے دوست مسٹر گبن سے جو یہہ کہتا ہے کہ "اگر قرآن

کی تحریر استعداد انسانی سے بڑھکر ہے تو ہومر کی ایلیڈ اور دی ماستھینز

کی فیلپکس کس برتر عقل کی طرف منسوب کرنی چاہیئے" یہہ سوال کیئے

بغیر نہیں رہ سکتے کہ کیا ہومر اور دی ماستھینز کے زمانہ کے یونانیوں

نے اپنی زبان کو ایسی ترقی دی تھی اور اُسمیں ایسا کمال بہم پہنچایا تھا جیسا کہ

صاحب قرآن علیہ و آلہ صلوات الرحمن کے زمانہ کے اہل عرب نے اُسکو

ترقی دی تھی اور اُسمیں کمال بہم پہنچایا تھا؟ اور کیا ہومر اور دی ماستھینز نے

اپنی کسی ایسے دعوے کے اثبات کے لیئے جیسا کہ صاحب قرآن کا

دعوی رسالت و نبوت تھا اپنی ایلیڈ یا فیلپکس کو دلیل گردانا تھا؟ [کیونکہ

دونوں عیسائی قدیم و جدید مورخوں اور ملک اسماعیل ابو الفدا [ولادت ۶۷۳

[وفات ۱۳۳۱] مسلمان مورخ اور ملیراوزدن نے اِس امر کا ذکر نہیں کیا۔ اور

اڈورڈ گبن [ولادت ۱۷۳۷] [وفات ۱۷۹۴] اور الگزنڈر ھمبولٹ

جرمن مورخ نے بڑی قوت سے انکار کیا ہے [دیکھو تاریخ تدم جلد ششم

صفحہ ۳۳۶ مطبوعہ ۱۷۶۲۔ اور جلد دوئم کتاب کاسمس صفحہ ۸۲ مطبوعہ ۱۸۶۴]

مجھے ایک حیرت ہے کہ جبکہ کتب خانہ اسکندریہ ۳۲۳ء میں جلگیا تھا

تو نسخہ کوڈکس اسکندریہ جو قبل ہجرت کا لکھا ہوا کہلاتا ہے کیونکر بچ رہا ہوگا!

صاحب اخبار پانیر لکھتا ہے کہ "ٹولمی سوٹر اور اُسکے جانشین فیلا

ڈلفس نے مقام برُوشیم میں جو اسکندریہ کے امیروں کے رہنے کی

جگہہ تھی بادشاہی محل کے پاس ایک کتب خانہ قائم کیا جسمیں چار لاکھ کتابیں تھیں

اور ٹولمی بادشاہوں نے مقام سراپیم میں ایک دوسرا کتب خانہ بھی بنایا تھا

معجزہ کے لیئے تحدّی یعنی معارضہ کا طالب ہونا شرط ہے] و قوم کو مخاطب کر کے علانیہ یہہ کہا تھا کہ اگر تمام جن و انس متفق ہو جائیں تو بھی کوئی ایسی کتاب نہ لا سکینگے جیسی کہ ایلیڈ یا فیلیکس ہے؟ اور کیا اُنکی قوم کے لوگوں کو اُن سے اُس درجہ کی عداوت و مخالفت اور اُن کے دعوے کی تردید و تکذیب میں جدّ و کد اور اصرار و استبداد تھا جیسا کہ صاحب قرآن کی قوم کو اُس سے عداوت و مخالفت اور اُسکے دعوے کی تردید و تکذیب میں جدّ و جہد اور اصرار و انکار تھا؟ اور کیا اُنکا کوئی نامی گرامی فرید و حید شاعر ایلیڈ یا فیلیکس کی چند سطریں پڑھکر بے اختیار بول اُٹھا تھا کہ "اُس شخص کے سوا جسپر وحی نازل ہوتی ہو کوئی شخص ایسا کلام نہیں کر سکتا"

جسمیں تین لاکھ کتابیں تھیں - پس اِن دونوں کتب خانوں میں بادشاہوں کی جمع کی ہوئی سات لاکھ کتابیں تھیں مگر ذی فہم آدمی اِن کتابوں کی تعداد کو زیادہ سمجھکر ضرور گھٹا دینگے اِن ہی کتب خانوں کے لیئے ٹولمی فیلاڈلفس کے حکم سے توریت و زبور اور صحف انبیا کا عبری زبان سے ستّر عالموں کی نگرانی میں یونانی زبان میں ترجمہ ہوا تھا جو سپٹوایجنٹ کہلاتا ہے - جب جولیس سیزر نے اسکندریہ کا محاصرہ کیا اُسوقت مقام بروتیم بالکل جلگیا - اور پہلا کتب خانہ بھی تمام و کمال اُسکے ساتھ برباد ہوگیا - اِس نقصان کے دُور کرنے کو مارک اِنٹنی نے کلیوپاترا کو وہ کتابیں دیدیں جو یومینز بادشاہِ پرگمس نے جمع کی تھیں - اور جو تعداد میں دو لاکھ تھیں - غالباً یہہ کتابیں بروشیم میں رکھی گئیں - سنہ عیسوی کی پہلی تین صدیوں تک بروشیم میں اسکندریہ کے علم و ہنر کا چرچا رہا مگر کہتے ہیں کہ شہنشاہ آریلین کے عہد میں دوسری دفعہ یہہ کتب خانہ برباد ہوا مگر جو بات کہ مشہور ہے وہ یہہ ہے

تفصیل... [illegible]

اور پھر بلا کسی طرح کے جبر و اکراہ یا ترغیب و تحریص کے اپنا دیرینہ و آبائی
عقیدہ چھوڑ کر ھومر یا دی ماستھنیز کے قول پر ایمان لے آیا تھا ؟ اور
کیا اُنکی قوم کے فصحا و بلغا ایلیڈ یا فیلپکس کے زبانی اور لفظی معارضہ
و مقابلہ سے عاجز آکر اپنے خداؤں کے بچانیکے لئے تیر و شمشیر کے
ساتھ مجادلہ و مقاتلہ پر مجبور ہوئے تھے ؟ اور کیا اُن کی ان کتابوں میں توحید
ذات و صفات باری کے باب میں ایسی بے نظیر و عقل انسانی سے
بڑھکر تعلیمیں ہیں جیسی کہ قرآن میں ہیں اور جنکا اعتراف اُنکو بھی ہے؟
اور کیا اُن کی یہہ کتابیں اپنے مقصد و مدعا میں ایسی کامیاب ہوئی ہیں
جیسا کہ قرآن کامیاب ہوا ؟ اور کیا اُن میں ایسی طاقت و قوت ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

کہ آریلین کے عہد کے بعد سراپیم کا کُتب خانہ اسکندریہ کا خاص کُتب خانہ ہوگیا
تھا - عیسائی مذہب نے ایک دوسرا صدمہ علم کو پہنچایا - یعنی تھیوفلس اسکندریہ
کے بشپ نے جو جیروم کا دوست اور کریساسٹم کا دُشمن تھا سراپیس کا
مندر جلادیا اور کُتب خانہ بھی ضایع ہوجانے سے نہ بچا - تھیوفلس کے بھتیجے سینٹ
سَرِل نے کہ وہ بھی اسکندریہ کا بشپ تھا ھاے پیشیہ کا ایسا تعاقب
کیا کہ اُسکی خوفناک موت ہوئی - اور جو کچھہ یونانی فلسفہ اسکندریہ میں
باقی تھا - وہ سب اُسکے ساتھ برباد ہوگیا - چند وصلیاں جنکو ٹولمی بادشاہ اور
یومینز بادشاہ پرگمس نے جمع کیا تھا اہل عرب کے ہاتھ سے برباد ہونے کو باقی
رہگئی تھیں - جب فیلاڈلفس نے کتابیں جمع کیں اُس زمانہ سے قریب اٹھہزار برس
کے عرصہ گزرا تھا کہ سیزر نے نصف سے زیادہ کتابیں جلادی تھیں - اسکندریہ
کے حاکموں کے زمانہ میں باقی کتابیں سب منتشر و برباد ہوئیں - جو بقیہ

جو قرآن کی طرح ایک جہان کے جہان کو ہر ایک طرح کی مخلوق پرستی
اور ضلالت وگمراہی سے نکالکر تیرہ سو برس سے [۱۳۰۰] زیادہ عرصہ تک نہایت
مضبوطی و صدق دل کے ساتھ اپنی پیروی پر قائم رکھ سکیں اور انکی تعلیم
ابتک اسی زور و قوت کے ساتھ کام کر رہی ہو جیسا کہ قرآن کی پاک و مقدس
تعلیم دنیا کے مختلف حصوں میں کام کر رہی ہے۔ اور ہر روز صدہا بلکہ ہزارہا
آدمی بلا کسی قسم کے خوف یا طمع اور لالچ کے اپنا آبائی مذہب چھوڑکر اُس کا
اتباع قبول کرتے جاتے ہیں اور اگر ایسا نہیں ہے اور ایلیڈ صرف
ایک فصیح نظم اور فیلپکس صرف چند بلیغ سپیچیں و تقریریں ایتھنز والوں کو یونانیوں
کو لڑانے والوں کی لڑائی کے لیئے ابھارا یا فیلپ بادشاہ مقدونیہ کے

کتابیں لُٹکے برباد کرنے کا خلیفہ عمرؓ نے حکم دیا۔ لیکن اگر کُل سامان مع کتابوں کے
کے فتحیاب کے مذہبی جوش سے برباد ہوئی ہوں تو بھی ان کی نسبت
بے دلیل بات جو یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو کسی چیز کے سیکھنے کی پروا نہ تھی
کہ اُسکے ساتھ انکی مذہبی کتابوں کی تعلیم بھی نسبتاً دشوار ہے کیونکہ
عیسائی مذہب کے جہادیوں نے ترق پولی کا کتب خانہ جسمیں تین لاکھ
تیس لاکھ کتابیں تھیں جلا دیا۔ اسپین کے لوگوں نے میکسیکو میں امریکا
والوں کی تصویری تحریرات کے انبار کے انبار جلا دیئے۔ کارڈینل زمینیز
نے گرینڈا یعنی غرناطہ میں اسی ہزار عربی زبان کی قلمی کتابیں جلا دیں
باایں ہمہ یورپ میں دنیوی علوم کی کچھ بھی حقارت نہیں ہوئی۔ اور نہ عرب والوں
نے اسکو حقیر سمجھا۔ بیشک خلیفہ عمر کو کتابوں کی کچھ پروا نہ تھی اور نہ اسکو
لکھنے پڑھنے میں کچھ توغل تھا۔ مگر اسی کا نائب عمرو جس نے مصر کو فتح کیا

خلاف پر آمادہ کرنا تھا تو میرے معزز دوست ایکا یہہ لکھنا کہ "اگر قرآن کی تحریر استعداد انسانی سے متجاوز ہے الی آخرہ" اُن فضایل یگانہ سے بیخبری اور ناواقفی کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے جو قرآن مجید کی ذات مقدس کے لیے گویا بمنزلہ روح و رواں ہیں - اور جو اُسکا اپنے طرز میں یکہ و یگانہ اور کامل النوع اور الہامی الاصل ہونا ثابت کرتے ہیں - اور جو ہمنے مذکورہ بالا آیہ شریفہ کی تفسیر میں مشروحاً بیان کردیئے ہیں - پس جو کتاب اُن اوصاف کمال کی جامع نہو اور اُسکے آثار و نتایج ایسے حیرت انگیز و دایم الاثر اور عظیم الشان نہوں جیسے کہ قرآن مجید کے آثار و نتایج ہیں تو میرے معزز دوست وہ صرف اپنی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے قرآن کے دعوے یکتائی و بے مثلی اور من اللہ ہونے کو رد نہیں کرسکتی - خواہ وہ ھومر کی

جان فلوپونس کا بڑا دوست تھا جو صرف و نحو کا مشہور عالم تھا اور اسی بات سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض اہل عرب کی طبیعت آزاد خیالوں کی طرف ابتدا ہی سے راغب تھی - اُنہوں نے محمد کے دین کو جسمیں خدا کی وحدانیت ہے قبول کیا اور کعبہ کی بت پرستی کو چھوڑا اور علم ادب اور فلسفہ کی راستی کو کامیابی کے ساتھ دریافت و تلاش کرتے گئے - ابتدا میں خلیفہ علیؓ اور معاویہ علم ادب کے معین و مددگار ہو چکے ہیں - یونانی حکما کی کتابوں کا عربی زبان میں ترجمہ ہوا اور یہی لوگ علم کیمیا و علم ہیئت و نجوم و علم جبر و مقابلہ کے بانی تھے - اسکندریہ کی چند کتابیں جلنے سے علم کو جو کچھ نقصان پہنچا تھا اُسکو اُنہوں نے پورا کردیا - کہتے ہیں کہ خلیفہ مامون کئی سو اُونٹ بغداد سے قلمی کتابوں کے لادکر لایا تھا اور شہنشاہ میکل سے قسطنطنیہ کے کتب خانوں میں سے ایک کتب خانہ

عرب کی ترقی [illegible]

ایلیڈ یا دی ماستھیز کی فیلپکس ہی کیوں نہو افسوس تم زندہ نہیں ہو
اگر زندہ ہوتے اور مجھسے قرآن مجید کے ان فضائل خمسہ کی حقیقت کو
سمجھ لیتے تو مجھے تمہاری سب بے تعصبی و حق پسندی سے یقین ہے کہ تم
اُسکے الہامی اور ربانی الاصل ہونیکو ضرور تسلیم کرتے اور پھر مخالفین
اسلام سے مخاطب ہوکر اونچی آواز سے یہہ کہتے "لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ
وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ
لِبَعْضٍ ظَهِيرًا"

اِس موقع پر کہ اسلام کی دائم الاثر و غیر منقطع اور روزافزوں تاثیرات
کا ذکر آگیا ہے ہم اُس مضمون کو نقل کیے بغیر نہیں رہ سکتے جو مسٹر آئزک ٹیلر

لیا اور ٹولمی کے ایک رسالہ [یعنی علم ہیئت کی مشہور کتاب مجسطی] کا جو ان ہی
کتابوں میں تھا عربی زبان میں ترجمہ کیا۔[۵۱] قاہرہ کے فتح ہیٹ کتب خانہ میں ایک
لاکھ کتابیں تھیں۔ منجملہ اُن کے صرف علم ہیئت و نجوم و علم طب کی کتابوں کا
شمار چھ ہزار پانسو تھا۔ اسپین کے خلیفوں کے بڑے کتب خانہ میں چھ لاکھ
کتابیں تھیں اور علاوہ اسکے اُندلوویا میں ستر عام کتب خانے تھے۔
بخارا کے ایک سلطان نے عرب کے ایک حکیم کو طلب کیا۔ لیکن اُس حکیم
نے بدیں وجہ جانے سے انکار کیا کہ اُسکی کتابیں لیجانے کو چار سو اونٹ بھی
کافی نہوتے۔ تمام اہل عرب کی سلطنت میں تاتار سے لیکر اسپانیہ تک مدرسے

---

۵۱ یہہ غلطی ہے بطلیموس کی اس کتاب کا ترجمہ خلیفہ مامون کے باپ ہارون رشید کے
وزیر یحییٰ بن خالد برمکی نے عربی زبان میں کرایا تھا۔ لاطینی زبان کا ترجمہ جو
یورپ میں شایع ہوا وہ اسی عربی ترجمہ کا ترجمہ تھا۔ مؤلف عفی عنہ

نے جو مشہور و معروف فضلائے یورپ سے ہیں اور کینن کا عہدہ رکھتے ہیں۔ جو بشپ وغیرہ کی طرح ایک اعلیٰ مذہبی عہدہ ہے قصبہ وولورہمپٹن کی چرچ کانگریس کے روبرو افریقہ میں اسلام کی ترقی کی بابت پڑھا تھا۔ اور جو اخبار سینٹ جیمس گزٹ لندن مطبوعہ آٹھویں اکتوبر سنہ ۱۸۸۷ء میں چھپا تھا اور نیز وہ چٹھی جو صاحب موصوف کے بیان کی تائید میں مسٹر جوزف طامسن نامی ایک سیاح افریقہ نے چودھویں نومبر سنہ مذکور کو لندن ٹائمس کے اڈیٹر کے نام لکھی تھی۔

کینن ٹیلر نے اپنے آغاز کلام میں یہہ بیان کیا کہ "ہم کو یہہ اقرار کرنا چاہئے کہ اسلام دنیا کے ایک بڑے حصہ پر بطور ایک واعظ مذہب کے نسبت مذہب عیسوی کے زیادہ تر کامیاب ہے۔ نہ صرف بت پرستی سے اسلام پر ایمان لانے والے بہ نسبت عیسائی مذہب پر ایمان لانے والوں کے

قائم کئے گئے یورپ میں پہلا مدرسہ طب کا بمقام سلرنو اہل عرب نے قائم کیا۔ اور اہل عرب ہی نے بمقام سیول علم ہیئت و نجوم کے متعلق ستاروں کے دیکھنے کو پہلے پہل رصد خانہ بنایا۔ تمام زمانہ متوسط کی جہالت و تاریکی کے وقت صرف اہل عرب ہی کا ذہن متحرک رہا۔ پس یہہ کہنا بڑی جہالت اور ناواقفیت کا ثبوت ہے کہ اہل عرب نے اسکندریہ میں پانچ لاکھ سے زیادہ کتابیں جلا دیں اور اسلئے وہ دنیوی علوم کے مخالف رہے۔ انہوں نے کتابیں ہرگز نہیں جلائیں۔ بلکہ جسقدر قبول کیا جاتا ہے اس سے بہت زیادہ مسلمان علم کے مؤید ہوئے ہیں۔" انتہے کلامہ

مؤلف عفی عنہ

[حاشیہ: عرب کی علمی ترقیات]

زیادہ نہیں بلکہ مذہب عیسائی بعض ملکوں میں درحقیقت اسلام کے سامنے
سے ہٹتا جاتا ہے - اور مسلمان قوموں کو معتقد بنانے کی کوششیں ظاہرا
بالکل ناکامیاب ہوتی ہیں - اور صرف یہی نہیں کہ ہم اپنا داؤں قدم نہیں
جما سکتے ہیں بلکہ ہم اپنے آپکو بچانے میں بھی ناکامیاب ہوئے ہیں
مذہب اسلام اسوقت مراکو سے جاوا تک اور زنگبار سے چین تک
پھیلا ہوا ہے - اور وسط افریقہ میں عجب تیزی سے پھیلتا جاتا ہے
- وہ سلسلہ وار بحر روم سے خط استوا تک پھیلا ہوا ہے - اور بڑی
تیزی سے جنوب کی طرف بڑھتا جاتا ہے - ہندوستان میں یورپین
شائستگی جو ہندو مذہب کو دور کر رہی ہے وہ اسلام کے لیئے
ایک رستہ تیار کر رہی ہے - ساڑھے چھبیس کروڑ میں سے پانچ کروڑ آدمی
ہندوستان میں اسوقت مسلمان ہیں اور افریقہ میں آدھے سے
زیادہ - مذہب عیسوی اپنی گرفت میں خوب مضبوط نہیں ہے - اور
ہندوستان اور افریقہ میں اسلام کے سامنے سے ہٹتا جاتا ہے
اور جمیکا میں حبشی جو کہ صرف نام کے عیسائی ہیں اوبی ایزم[۵۱] کو قبول کرتے
جاتے ہیں - اور یہہ کہا جا سکتا ہے کہ افریقہ کی ایک قوم جو کہ ایکدفعہ اسلام
قبول کر لیتی ہے پھر کبھی بت پرستی اختیار نہیں کرتی اور عیسائی مذہب کو
قبول کرتی ہے "

کینن ٹیلر نے آگے اس امر کی آزمائش کے طور پر کہ اسلام کے
اصولوں میں ایسی کیا بات ہے کہ جو اسکو نئے معتقد بنانے اور ان کو

[۵۱] بھوت پریت اور خیالی چیزوں کی پرستش کو اوبی ایزم کہتے ہیں - مؤلف عفی عنہ

اُسپر قائم رکھنے کی عجیب طاقت دیتی ہے یہہ بیان کیا کہ "یہہ اقرار
کرنا چاہیئے کہ اگرچہ اِسلام اعلیٰ درجہ کی مہذّب قوموں کے بالکل ناموافق
ہے۔ مگر وہ وحشی قوموں کے مہذّب بنانے اور ترقی دینے کی
بہت زیادہ قابلیّت رکھتا ہے۔ وہ ترقی کی جانب ایک قدم ہے۔
لیکن بہت زیادہ اونچا قدم نہیں ہے۔ مذہب عیسائی بہت ہی زیادہ
روحانی اور بہت ہی زیادہ عالیشان ہے۔ اِسلام نے تہذیب پھیلانے
میں مذہب عیسائی سے بہت زیادہ کوشش کی ہے۔ میں اقرار کرتا
ہوں کہ مَیں مِشنریوں کے بیانات سے کسیقدر بدگمان ہوں۔ لیکن
انگریزی عُہدہ داروں یا اور سیّاحوں کے جو پادری نہیں ہیں مثل
ٹن بُوپ۔ ھینسی۔ گیلٹن۔ پال گریو۔ طامس۔ ریڈ کے عملی نتائج کے
بیانات کو ملاحظہ کرو جبکہ اُسکو یعنی اِسلام کو ایک حبشی قوم نے قبول
کیا ہے۔ بُت پرستی۔ جنّات پرستی۔ مخلوق پرستی یعنی جاندار اور
غیر جاندار چیزوں کی پرستش۔ مردم خواری۔ انسانی قربانی۔ اطفال کُشی
جادوگری فوراً دُور ہوجاتی ہیں۔ باشندے کپڑے پہننے لگتے ہیں۔
نجاست کی جگہہ صفائی ہوجاتی ہے۔ اور وہ ذاتی شرف اور سلف ریسپکٹ
حاصل کر لیتے ہیں۔ مہمان نوازی ایک مذہبی فرض ہوجاتا ہے اور شراب خواری
بہت کم رہ جاتی ہے۔ اور جُوا متروک ہوجاتا ہے۔ بیحیائی کے ناچ
اور عورت مرد کے ناجائز میل جول بند ہوجاتے ہیں۔ عورتوں کی پاکدامنی
نیک خصلت خیال کیجاتی ہے۔ محنت کاہلی کی جگہہ حاصل کر لیتی ہے۔ ذاتی

اختیار کی جگہ قانون دخل کر لیتا ہے۔ انتظام اور پرہیزگاری پھیل جاتی ہے خاندانی خصوصیتیں اور جانوروں اور غلاموں پر بیرحمی کا امتناع ہوتا ہے۔ انسانیت اور مہربانی اور یگانگی کا خیال سکھلایا جاتا ہے۔ کثرت ازدواج اور بندہ گری ٹھیک طور سے ترتیب دیجاتی ہے۔ اور اُنکی برائیاں کم کیجاتی ہیں۔ کُل دنیا میں اسلام سب سے زیادہ قومی گروہ شراب نہ پینے والوں کا ہے اور بمقابلہ اُسکے یورپ کی ترقی سے گویا شراب خواری اور گنہگاری کا پھیلاؤ اور اُس جگہہ کی قوم کا تنزل مراد ہے۔ حالانکہ اسلام کسی کم درجہ کی تہذیب نہیں پھیلاتا۔ جسمیں پڑھنے اور لکھنے کا علم عمدہ لباس پہننا۔ ذاتی صفائی۔ راست گوئی اور سلف رسپکٹ (شرف ذاتی) شامل ہیں۔ اُسکے بُرائی سے روکنے اور تہذیب پھیلانیکے اثر بے حد عجیب ہیں "۔ انتہٰے قول

کینن ٹیلر اگرچہ بالطبع عیسای مذہب کو سب سے زیادہ سچا اور عمدہ مذہب خیال کرتے ہیں تاہم اُنہوں نے اسلام کی نسبت جو نہایت عجیب و غریب اعترافات کئے ہیں ہم اُنکے لیئے اُنکے نہایت دلی شکر گزار ہیں۔

کینن ٹیلر نے اپنے اِس مضمون کے مشتہر ہونیکے بعد لنڈن ٹائمنس کے اڈیٹر کو جو ایک چٹھی لکھی تھی اُسمیں یہہ لکھا تھا کہ " میرا وہ پہلا فقرہ جسپر بہت اعتراض ہوئے ہیں یہہ ہے کہ " ایشیا اور افریقہ میں مذہب اسلام بطور ایک واعظ مذہب کے بہ نسبت

عیسائی مذہب کے زیادہ کامیاب ہے اور ہماری کوششیں مسلمانوں کو عیسائی بنانے میں بے سود ثابت ہوئی ہیں" میں اولاً اپنی بحث ہندوستان سے شروع کروں گا جہاں کے باشندوں کی نسبت تقریباً صحیح اطلاع ہمارے سامنے موجود ہے۔ اٹھارہ سو اکہتر و اکاسی کے درمیان یعنی دس برس میں ہندوستان کے مسلمانوں کی آبادی میں جو زیادتی ہوئی ہے وہ قریب بانوے لاکھ چالیس ہزار کے ہے ۹۲۴۰۰۰۰ - یعنی قریب پچیس ۲۵ فیصدی کے حساب سے - اُس قدرتی زیادتی کو جو معمولاً پیدائش کی زیادتی اور موت کی کمی سے ہوئی ہے اگر ہم محسوب نہ کریں تو وہ نو مسلم جو ہندو اور عیسائی مذہب چھوڑ کر اِسلام اختیار کرتے ہیں اُنکی تعداد قریب چھ لاکھ سالانہ کے ہے - مسلمانوں کے ہاں تنخواہ دار واعظ نہیں ہیں اور نہ کوئی اُن میں بڑی جماعت اس قسم کی ہے - جو اپنے مذہب کے پھیلانے میں کمربستہ ہو - پس یہہ بڑی تعداد نومسلموں کی کچھ تو پُرجوش مسلمانوں کی بالانفراد کوششوں اور کچھ مذہب اِسلام کی حقیقی کششوں کا نتیجہ ہے - برخلاف اسکے عیسائیوں کو باوجود اُس تمام رُعب وداب کے جو اُن کو ایک ہم مذہب گورنمنٹ کے ہونے سے حاصل ہے - اور باوجود اُس رقم کثیر اخراجات کے جو مشنری سوسائٹیوں پر صرف ہوتی ہے کُل تعداد اُن نئے عیسائیوں کی بڑی کھینچا تانی سے دسواں حصہ نومسلموں کی تعداد کا ہے"

اِس سے آگے کینن ٹیلر نے اپنے اِس بیان کی تفصیل کی ہے جو غیر ضروری سمجھکر چھوڑ دی گئی ہے -

مسٹر جوزف ٹامسن لکھتے ہیں" چونکہ مینے مشرقی اور متوسط
اور مغربی افریقہ میں مختلف طور سے حالات دیکھے بھالے ہیں جہاں
کہ مینے مذہب عیسوی اور مذہب اسلام کو حبشیوں کے ساتھ ملا ہوا
دیکھا ہے اسلیئے میں اپنے خیالات کے سُنے جانیکا استحقاق رکھتا ہوں
- آپ کے بعض کارسپانڈنٹوں نے یہہ بیان کیا ہے کہ " مشرقی افریقہ
اور وادی نیل میں تم مذہب اسلام کو اُسکی سچی رنگتوں میں بردہ فروشی اور
ذلت اور جبر کے تمام طریقوں کے ساتھ ملا ہوا دیکھتے ہو " اس سے
زیادہ بے بُنیاد بیان خیال میں نہیں آسکتا - میں بلا تامّل یہہ بات کہتا
ہوں [اور میں مشرقی اور وسط افریقہ کے حالات کے ایک زیادہ تر وسیع
تجربہ کی رو سے بہ نسبت اُسکے جیسا کہ آپ کے کسی کارسپانڈنٹ کو حاصل ہے
گفتگو کرتا ہوں] کہ اگر بردہ فروشی ترقی پر ہے تو اُسکا سبب یہہ ہے
کہ مذہب اسلام اِن مُلکوں میں جاری نہیں کیا گیا ہے - اور اسکی سب سے زیادہ
قوی وجہ یہہ ہے کہ مذہب اسلام کے شایع ہونیسے یہہ مُراد ہوتی کہ
بردہ فروشی کا انسداد لازم آتا - حبشیوں کو مذہب اسلام کا وعظ اس
وجہ سے نہیں کیا جاتا ہے کہ مسقط کے عرب اپنے غلاموں کے
پکڑنیکے مقامات کو قائم رکھنا چاہتے ہیں - اسکے برخلاف عمل کرنیسے
وہاں کے باشندوں کو مثل مسلمان بھائیوں کے سمجھنا پڑتا جہاں کہ انکو
غلاموں کے پکڑنے کی اُمید تھی - اِسی طریقہ میں آپ یقین کرلیں کہ ہمارے
بہت سے عیسائی تاجر اپنی تجارت کے مقامات میں اپنے مذہب کے

مشنریوں کے داخل ہونے کی نسبت نہایت سخت مزاحمت کرتے اگر
یہہ بات ثابت نہوتی کہ دیسی باشندوں میں مذہب عیسوی کا اعتقاد
جین شراب کے صرف کثیر کے ساتھ کچھ تناقض نہیں رکھتا ہے - لیکن بعض
اوقات کسی قوم کے مذہب کی نسبت مغالطہ کا ہونا جبکہ وہ بخوبی سمجھ میں نہ آئے
آسان ہے - علاوہ اسکے بڑے فخر کے ساتھ یہہ اشارہ کیا گیا ہے کہ
" محمدؐ کا مذہب براعظم افریقہ کے مشرقی حصہ میں نہیں پھیلتا ہے "
یہہ بالکل صحیح ہے میں نے ابھی ایک قوی وجہ بیان کی ہے - اور ایک
دوسری اہم وجہ بھی موجود ہے - اسلام مثل مذہب عیسوی کے ایک
غیر قوم کے ذریعہ سے دیسی باشندوں میں پھیلایا جاتا ہے - اور یہہ
ایک ایسی قوم ہے جو ہر طرح پر اُن سے برتر ہے اور جو انکو وحشی آدمی قرار
دیتی ہے - مسقط کے عرب اور حبشی کے درمیان ایک وسیع کھاڑی ہے
اور وہ اُسکے عبور کرنیکے واسطے کوشش نہیں کرتا ہے - اور حبشی اُس
قوم سے اس طرح پر علیحدہ ہونے کی وجہ سے اُسکے مذہب یا اُسکے طریقوں
کے سیکھنے کے واسطے کوشش نہیں کرتا ہے - لیکن جس حالت میں کہ میں
بلا تامل اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ مشرقی وسط افریقہ میں بردہ فروشی اسوجہ
سے ترقی پر ہے کہ وہاں مذہب اسلام جاری نہیں ہے تو میں اسی طرح
دعوے کے ساتھ یہہ بات کہتا ہوں کہ اس مذہب نے جسکو لوگ اسقدر
بُرا بھلا کہتے ہیں وہاں ایک بڑا فائدہ پہنچایا ہے - یعنی اُسنے شراب کی
تجارت کو پھیلنے نہیں دیا ہے - زنجبار میں سلطان اس تجارت کو نہیں

روک سکتے ہیں - کیونکہ عیسائی قوموں نے تجارت کے باب میں کسی قید کے قایم کرنے کی نسبت اعتراض کیا تھا - مگر خوش قسمتی سے سلطان ممدوح کو اپنے خاص مُلک میں ابتک اپنے مذہب کے قواعد کے جاری کرنے میں زیادہ تر اختیار رہا ہے - اور اس طرح پر اُنہوں نے اُن کالے آدمیوں کی بداخلاقی کے روکنے میں جو بہ آسانی بہک جاتے ہیں بڑی مدد دی ہے - مگر چونکہ اب جرمنی کی "شایستگی کے رہنما" اس مُلک میں وارد ہونے لگے ہیں اسلیئے اس بات کا دیکھنا باقی ہے کہ یہہ حالت کب تک قایم رہیگی - اب مغربی افریقہ اور وسط سودان کی طرف جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہم وہاں بالکل اِسکے برخلاف حالت دیکھتے ہیں - یعنی یہاں اِسلام بطور ایک زندہ جاندار قوت کے جاری ہے - اور اپنے ابتدائی زمانہ کے جوش اور مستعدی سے بھرا ہوا ہے اور نیز وہ اُس قسم کی عجیب کامیابی کے ساتھ جو اُسکے ابتدائی زمانہ میں پائی جاتی تھی اور شخصوں کو اپنا معتقد بناتا ہے - یہاں اُسکا وعظ برابر صحرالیون کے بازاروں میں اور وادیِ نائیگر کی ذلیل مردم خوار قوموں میں کیا جاتا ہے جس ناواجب طریقہ میں مذہب عیسوی کے حامی بردہ فروشی کی بُرائیوں کو مذہب اسلام کے ذمہ لگانیکے واسطے کوشش کرتے ہیں اُسیکے ساتھ وہ بذریعہ قوت اور زور کے اُس کامیابی کی نسبت جو اسلام کو مغربی وسط افریقہ میں حاصل ہوئی ہے اصلی واقعات کو چھپاتے ہیں !!! چونکہ وہ کسی خوبی کو بجز اُسکے جو اُنکو مذہبی ذریعوں سے معلوم ہو اور کسی خوبی کو نہیں پہچان سکتے ہیں اسلیئے وہ افریقہ کے باشندوں کے حق میں اُسکی ترقی کو بطور ایک ہولناک

مصیبت اور آفت کے قرار دینا چاہتے ہیں وہ بیان کرتے ہیں [جیسا کہ بچپن سے اُنہیں سکھلایا گیا ہے] کہ مذہب اسلام صرف آگ اور تلوار کے ذریعوں سے شایع ہو سکتا ہے۔ وہ نہایت خوشی سے اُس غریب خوف زدہ حبشی کی تصویر کھینچتے ہیں جو سر بزانو کھڑا ہوتا ہے اور اُسکے پیچھے اُسکے جھونپڑے میں آگ لگی ہوتی ہے۔ اور اُسکی عورتوں اور بچّوں کو جنگلی کرد لو(؟) میں پھانسی لگی ہوتی ہے خونخوار آدمی غلام بنانیکے لیے کھینچے پھرتے ہیں اور ایک شیطان صورت مُسلمان برہنہ شمشیر لیئے ہوئے اُسکے سر پر کھڑا ہوتا ہے۔ اور یہہ بات کہتا ہے کہ وہ "موت قبول کرے یا قرآن" یہہ ایک پُرانا خیال اس بات کا ہے کہ مذہب اِسلام کس طرح پر جاری کیا جاتا ہے اور مَیں خیال کرتا ہوں کہ یہہ ایک ایسا خیال ہے جو پچھلی نسلوں سے چلا آتا ہے۔ خوش قسمتی سے مُجھکو بطور خود اور مختلف طریقہ میں حالات کے مشاہدہ کرنے کا ایک موقع حاصل ہوا ہے۔ متوسط سوڈان اور مغربی سوڈان میں مذہب اسلام کی سب سے بڑی فتوحات صُلح جُو اور سادہ ذریعوں سے حاصل ہوئی ہے۔ یعنی زمانہ گزشتہ میں فلانی گلہ بانوں کے ذریعہ سے اور زمانہ حال میں مستعد اور اُولُوالعزم حنا یا نیوپ کے تاجر کے ذریعہ سے بارہویں صدی کے قریب سے گلہ بان اپنے مذہب کو جھیل چیڈ سے بحر انطلانطک تک پھیلانے میں مصروف رہے ہیں اور اِسکا نتیجہ یہہ ہوا ہے کہ پچھلی صدی کے خاتمہ پر تمام مُلک میں چھوٹی چھوٹی مسلمانی جماعتیں قائم ہو گئیں۔ وہ بت پرستی کی اطاعت ترک کرنے اور خُدا کی وحدانیت کا اعلان

کرنیکے واسطے صرف ایک رہنما کے محتاج تھے چنانچہ ۱۹ صدی کے شروع
میں فودیو رہنما پیدا ہوا اور ایک نہایت قلیل عرصہ میں مذہب اسلام ملک کے
ایک وسیع حصہ میں بطور حکمران مذہب کے جاری ہوگیا - دراصل وحشی قوموں
میں ایسا جوش پیدا کیا جس نے نہایت حیرت انگیز نتیجے پیدا کئے ہیں پچھلے
برسوں میں مذہب اسلام کی اشاعت کا خاص ذریعہ جیسا کہ میں سابق میں بیان
کر چکا ہوں قوم حبشیا یا نوبیہ کا تاجر رہا ہے یہہ حبشی جو اپنے کام کے تقدس
کی بدولت - ایک قوم میں اپنے خاص طور سے سیکڑوں میل کے فاصلے
اندر گھس جاتا ہے اور وہ وحشی بت پرست کے ساتھ اسی طرح ملتا ہے
جیسے کہ خاص اپنی نسل کے آدمی کے ساتھ - اور وہ اسی مکان میں سوتا
اور رہیں کھانا کھاتا ہے - وہ ہر ایک مقام پر اپنا مذہب ساتھ لیجاتا ہے
اور اسکی خاص خوبیاں خارج از قیاس اور فضیلت مسائل کے باعث سے
تاریک نہیں ہوتی ہیں - وہ اسیقدر مسائل جانتا ہے جنکو اسکا بت پرست
بھائی سمجھ سکتا ہے یا انکی پیروی کرسکتا ہے - یہہ تاجر ایک مہینہ یا
چھ مہینے یا سال بھر وہاں رہتا ہے - اور اس عرصہ میں لوگ اسکے عمدہ
کپڑوں کی نہایت تعریف کرتے ہیں - اور اسکی تقلید کرنا شروع کرتے ہیں
وہ کوئی بات ایسی نہیں دیکھتے ہیں جسکے حاصل کرنے کی انکو توقع نہو سکے اور
اسکے مذہب میں کوئی بات ایسی نہیں ہوتی ہے جسکو وہ نہ سمجھ سکتے ہوں - اس
طریقہ میں شائستگی اور اسلام کے بیج جابجا بیشمار وحشی قوموں میں پڑ گئے
ہیں - یہانتک کہ ملک میں سیکڑوں کارخانوں کی آواز برابر گونجتی ہے - اور

صبح اور دوپہر اور شام کو کلمہ اسلام بلند ہوتا ہے - اور جو زانو ساتوں ہیں
پتھروں کے روبرو جھکتے تھے وہ اب خدا کے روبرو جھکتے ہیں - اور
وہ ہونٹ جو ایک بھائی کے گوشت کے مزہ سے خوش ہوتے تھے
اب اُسکی عظمت اور رحم کے تسلیم کرنے میں مصروف ہیں۔

اگر اسلام ہمیشہ اس قسم کے پُرامن ذریعوں سے جاری نہیں کیا گیا ہے
تو ہمیں تعجب کی بات کیا ہے ؟ کیا ہمکو قریب اٹھارہ صدی کے اس
بات کے سیکھنے کیواسطے درکار نہیں ہوئی ہیں ؟ کہ ہمکو اور شخصوں کو
زبردستی اپنا مذہب قبول کرانے کا کوئی استحقاق حاصل نہیں ہے - پس
کیا تعجب ہے اگر سرگرم حبشی مذہب کے جاری کرنے والے بعض اوقات
اپنے غیر معتقد اور پرضد بھائیوں میں اپنے مذہب کی برکتیں زبردستی
جاری کرنا چاہیں" انتہےٰ قولہ

اب ہم قرآن مجید کی اخلاقی اور تمدنی تعلیمات کا ذکر کرینگے
اور دکھائینگے کہ اُسکی تعلیم بمقابلہ انجیل کی تعلیم کے انسان کی حالت کو
ترقی دینے میں کسقدر زیادہ کامیاب ہوئی ہے - اور چونکہ ان دونوں
مقدس کتابوں کے باہمی تفوق کے دکھانیکے لیئے ضرور ہے کہ
اُن دو مختلف قوموں کی حالت کو بیان کیا جاسے جنمیں ابتداءً اُنکا وعظ کیا گیا
اسلیئے ہم بنی اسرائیل اور عرب جاہلیت کا یکے بعد دیگرے ذکر کرینگے
گو کہ اس پچھلی قوم کی حالت کسیقدر پہلے بھی بیان کیجا چکی ہے -
پس واضح ہو کہ جس قوم میں جناب ابن مریمؑ کو وعظ کرنے کا

موقع ملا وہ ایک ذی علم اور تربیت یافتہ قوم تھی اور اُسمیں بڑے بڑے
عالم اور فلاسفر موجود تھے۔ مثلاً پولوس مقدس جنکو افلاطون کے
فلسفہ میں بڑا عبور تھا وغیرہ وغیرہ۔ وہ توحید ذات و صفات باری اور
قیامت اور جزا و سزائے اُخروی کے قائل اور معتقد تھے۔ اور شریعت
موسوی کو شریعت الہیہ مانتے تھے لیکن انکی خلاقی حالت بہت خراب
ہو گئی تھی۔ اور اُنہوں نے شریعت میں بہت سی بدعتیں داخل کر دی تھیں
اور اُن کے افعال و اعتقادات نہایت درجہ بگڑ گئے تھے۔ یہانتک کہ اُنکے
عُلما کی ایسی مثل ہو گئی تھی جیسے اندھونکو اندھا رستہ بتاتا ہو۔ اُن میں ریاکاری۔
مکاری اور غرور اس درجہ کو پہنچگیا تھا کہ جن لوگونکو گُنہگار سمجھتے اُنکے ساتھ
کھانا کھانا معیوب جانتے تھے۔ اور اس سے غافل تھے کہ "مستحق کرامت
گناہگارانند" وہ لوگوں کے دکھانیکو رستوں میں اور عبادت گاہوں
میں ترُھی بجاکر خیرات دیتے تھے تاکہ لوگ اُنکی تعریف کریں۔ اسی طرح
عبادت گاہوں اور رستوں کے سرے پر کھڑے ہو کر عبادت کرتے
تھے تاکہ لوگ اُنکو بزرگ جانیں۔ سب کام ریاکاری سے کرتے تھے
اپنی پوشاک بڑی بزرگانہ طور کی بناتے تھے۔ اپنے گلوبندوں میں اپنی
تعریف لکھواتے تھے۔ مجلسوں میں صدر نشینی اختیار کرتے تھے۔ رستہ میں
لوگوں سے سلام کے منتظر رہتے تھے۔ اور یہہ بات چاہتے تھے کہ
لوگ اُنکو "ربی ربی" کہکر پکاریں۔

ظاہر کی صفائی اور نہانے دھونے میں جسکا حکم باطنی صفائی

کا خیال[۹۱] پیدا کرنیکے لیئے تھا حد سے زیادہ مصروف رہتے تھے۔ مگر باطنی صفائی اور دلی پاکیزگی جو شریعت کا اصل مدعا تھا اُس سے بالکلیہ ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ [افسوس ہے کہ ہمارے زمانہ کے بھی اکثر متقدسین اسی قسم کے اوصاف سے موصوف ہیں الا ماشاء اللہ] اُنہوں نے اپنی بد عملی سے شریعت کو قابل اعتراض بنا دیا تھا اور ایسے قسی القلب اور بے مروت ہو گئے تھے کہ ایک ذرا سے قصور مثلاً ہنڈیا میں زیادہ نمک ڈالدینے پر بدمزہ ہو کر بیوی کو گھر سے نکال دیتے تھے۔ نکاح و طلاق کو ایک ذریعہ عیاشی بنا لیا تھا یعنی جو عورت پسند آتی اُس سے نکاح کر لیتے اور جب دوسری اس سے اچھی دیکھتے تو پہلی کو چھوڑ دیتے اور اُسکو پکڑ لیتے تھے۔ اور اس طرح پر نکاح کی علت غائی یعنی باہمی غمگساری اور تسکین اور محبت و اخلاص اور اُمور خانہ داری میں تعاون اور پیدائش و افزائش نسل جو عورت اور مرد کے جوڑا پیدا کرنیوالے کا اصل مقصود ہے اسکو کھو دیا تھا۔ ہر بات پر بلا ضرورت بلکہ دغا دینے کے ارادہ سے قسمیں کھاتے اور اس طرح پر خدا کے نام مقدس کی بے تعظیمی کرتے تھے۔ غرضکہ ایک ایسا زمانہ آگیا تھا کہ کوئی ایسا شخص پیدا ہو جو لوگوں

---

[۹۱] اسلام میں غسل و طہارت اور عبادت خصوصاً فرض عبادت کے وقت وضو کرنے اور عیسائیوں میں عشاء ربانی کے وقت پانی سے اصطباغ لینے کا حکم اسی اُصول پر مبنی ہے۔ مگر افسوس ہے کہ متعصب عیسائی اسلام پر اعتراض کرنیکی غرض سے اسکو اوہام اور طفلانہ آداب و رسوم مذہبی تعبیر کرتے ہیں اور اپنی آنکھ کے شہتیر کو تو بھول جاتے ہیں اور دوسروں کی آنکھ میں سے تنکا نکالنا چاہتے ہیں۔ وانّ ھذا لشیءٌ عُجاب۔ مؤلف عفی عنہ

کو باطنی و روحانی پاکیزگی و نیکی سکھائے اور اُن کے اِن اخلاق و عادات رزیلہ کی اصلاح کرے۔ پس اگرچہ حضرت رح اللہ اُن میں آئے اور اپنے اخیر دم تک مکارم اخلاق کی تعلیم میں جو غلب مقصود آپکی بعثت کا تھا آپ نے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا مگر اُس قوم پر اُسکا کچھ اثر نہ ہوا اور اُنہوں نے اپنی بدنیتی و بدبختی سے اسکی قدر نہ جانی۔ اور جس بے ادبانہ و بیرحمانہ طریقہ سے آپ سے پیش آئے وہ ہر کسی کو معلوم ہے۔ گو عبداللہ کا بیٹا اور آمنہ کا جایا [دل و جانم فدائے نامش باد] جس قوم میں مبعوث ہوا اُونٹ کی طرح اُسکی کوئی بھی کل سیدھی نہ تھی۔ وہ سخت جاہل اور بے علم تھے۔ خدائے حیّ وقیوم کی جگہ بے حس و بے جان بتوں اور مخلوق و محسوس بلکہ موہوم اور خیالی چیزوں کو پُوجتے تھے۔ قیامت اور جزا و سزا کے مُنکر تھے۔ کسی شریعت و قانون کے پابند نہ تھے۔ بلکہ صرف اپنی ہی آزادانہ مرضی کے موافق کاربند ہوتے تھے۔ مکارم اخلاق اور حسن معاشرت کا تو سایہ تک اُنپر نہ پڑا تھا۔ یہانتک کہ بدکاری اور زناکاری جیسے فعل قبیح سے نادم ہوتے تھے۔ اور اپنے اِن افعال ذمیمہ کو ہرطرح کی غیر مہذب نظم میں مشتہر کرتے اور اُسپر فخر کرتے تھے قصیدوں کی تشبیب کے اشعار میں دولتمند اور امیروں کی لڑکیوں اور بہنوں اور عورتوں کا حال نام لے لیکر بیان کرتے۔ اور ہرطرح کے عیبوں کو علانیہ اُن کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اور مرد ہی نہیں بلکہ عورتوں کا بھی یہی حال تھا۔ اُن میں اکثر ایسی تھیں کہ فاحشہ ہونے کی نشانی کے طور پر اپنے گھر کے آگے ایک اونچی جھنڈی

گاتے رکھتیں اور ذوات الاعلام یعنی جھنڈیوں والیاں کہلاتی تھیں۔ لونڈیوں کو جو "قینات" کہلاتی تھیں اِس غرض سے ناچنا اور گانا بجانا سکھاتے تھے کہ ۔ اِمکاری کے ذریعہ سے اپنے آقاؤں کے لیے مال و دولت کمائیں اور وہ حرامکاری کی مجاز ہی نہ تھیں بلکہ اس فعل قبیح کے لیے مجبو کیجاتی تھیں۔ قماربازی سب لوگوں کا بلا استثنا ایک نہایت مرغوب فعل تھا۔ اور قماربازی کے مشہور مقامات میں دور دراز مسافت سے لوگ آکر جوا کھیلتے تھے۔ شراب کے بدرجہ غایت مشتاق تھے اور نشہ میں آکر بدمستیاں کرنے اور خون خرابوں تک نوبت پہنچا دینے کے عادی تھے۔ اِنسان کا خون پانی سے زیادہ بیقدر تھا۔ اور بغیر تاسّف کے ہر روز ہوا کرتا تھا! سرقہ رہزنی اور غارتگری یہہ تو گویا بذمرہ کی باتیں تھیں۔ خون خواہی اور انتقام کی انکو ایسی چاٹ تھی کہ کسی ایک شخص کے ظلماً قتل کیے جانیکی وجہ سے قبیلے کے قبیلے سالہاسال تک کٹ مرا کرتے تھے! قساوت اور کینہ پروری اس درجہ کو پہنچگئی تھی کہ مرد تو مرد عورتیں اپنے مقتول دشمنوں کا خون مزہ لے لیکر پیتیں! اور اُن کا دل و جگر نکالکر دانتوں سے چباتیں! اور ناک کان اور عضائے تناسل کو کاٹ کر اور تاگے میں پروکر کمال بے شرمی سے زیور کی طرح گلے اور ہاتھوں میں پہنتیں اور اُسپر فخر کرتی تھیں! ریوڑ کے ریوڑ جوروؤں کے رکھتے تھے۔ جنمیں بلا تکلّف باپ کی منکوحہ عورتیں بھی بطور میراث شامل ہوتی تھیں! طلاق کی خانہ برانداز رسم بھی اُنمیں بڑے زور سے جاری تھی۔ مگر اِتنی بات میں یہہ بنی اسرائیل سے بڑھے

ہوتے تھے کہ اکثر طلاق دیکر بھی عورت کا پیچھا نہیں چھوڑتے تھے یعنی طلاق کے بعد عورت تو ہم مروجہ کے موافق ایک مدت معینہ تک نکاح ثانی کی مجاز نہ تھی۔ مگر مرد اُسکو پھر اپنی زوجیت میں لے لینے کا مختار تھا اور انقضاے مدت سے پہلے عورت کو پھر زوجیت میں لے لیتا اور پھر طلاق دے دیتا تھا اور اس بار بار کی طلاق اور رجعت سے کبھی تو یہہ غرض ہوتی تھی کہ عورت کسی دوسرے مرد سے ازدواج نہ کرسکے جو شوہر سابق کی ذلت کا باعث ہو۔ اور کبھی یہہ کہ بیچاری تنگ و مجبور ہو کر مہر میں سے کچھ چھوڑ دے۔ غرضکہ عورتوں کو کسی قسم کی آزادی اور حقوق حاصل نہ تھے۔ اور وہ فی الواقع نہایت خراب اور ذلیل حالت میں تھیں۔ یتیم لڑکوں اور لڑکیوں کی حالت بھی نہایت قابل رحم تھی۔ اُنکے ولی اُنکا مال کھا لیتے یا اچھے کی جگہہ بُرا بدل دیتے یا اُن کے بالغ ہونے سے پہلے ہی بیجا طور پر خرچ کر ڈالتے تھے۔ یتیم لڑکیوں کا یہہ حال تھا کہ اگر خوبصورت ہوتیں تو بلوغ سے پہلے ہی اُن سے نکاح کر لیتے اور اس حیلہ سے اُن کے مال پر بھی متصرف ہو جاتے تھے۔ اور اگر بدصورت ہوتیں تو اُنکو شادی کرنے سے اس غرض سے روکے رہتے تھے کہ وہ کنواری ہی چل بسیں! اور اُنکا مال اُنکو وراثت میں ملجائے! سب سے زیادہ پُر وحشت اور ہولناک رسم جسکے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اُنمیں یہہ جاری تھی کہ معصوم بچوں کو بتوں پر بھینٹ چڑھاتے تھے۔ اور غریب بے زبان لڑکیوں پر یہہ آفت تھی کہ سُسرا کہلانے کی شرم یا افلاس کے ڈر سے کبھی تو پیدا ہوتی ہی کا گلا گھونٹ دیتے

یا زمین میں زندہ دفن کر دیتے تھے۔ اور کبھی پہاڑ پر سے لڑھکا کر اور کبھی پانی میں ڈبو کر مار ڈالتے تھے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ذبح کر ڈالتے تھے اور کمبخت سنگدل باپ کے بیرحم ہاتھوں کو اپنے لخت جگر کے حلقوم نازک پر چھری پھیرنے میں کچھ بھی رکاوٹ نہ ہوتی تھی اور وہ ننھی سی جان نہایت محبت بھری آنکھوں سے بے درد باپ کا موںہہ تکتی اور معصوم اور توتلاتی زبان سے " یَا اَبَتِ یَا اَبَتِ " کہتی ہوئی زندگی سے گذر جاتی تھی!!! لونڈیوں اور غلاموں کے ساتھ نہایت بدسلوکی سے پیش آتے تھے۔ اُن سے سخت سے سخت محنتیں کرواتے اور بُرے سے بُرا کھانا اور ناقص سے ناقص کپڑا اُن کو دیتے تھے۔ اور اُن کے نزدیک اُنکی حقیقت بھیڑ بکری سے زیادہ نہ تھی اور اسکا کچھ خیال نہ تھا کہ وہ بھی ہمارے ہمجنس خدا کے بندے ہیں۔ اُن کے آزاد کر دینے پر بھی اُنکی ملکیّت کا استحقاق اپنے لیے باقی سمجھتے تھے۔ اور اس استحقاق کے فروخت کر دینے کے بھی مُجاز تھے۔ اور مشتری اُن پر اپنی ملکیت قائم کرتا تھا اور اس طرح سے وہ بدبخت ہمیشہ کی آزادی سے بالکل محروم تھے۔ پس خدا نے اپنی مجسّم رحمت کو جسکا نام پاک توریت میں مُحَمَّد مُصْطَفٰی اور انجیل میں اَحْمَدْ مُجتبٰی* ہے نہ صرف اس قوم بلکہ تمام دُنیا کی قوموں کی ہدایت و اصلاح حال کے لیے بھیجا اور جیسا کہ اُس پُرانے اور عظیم الشان پیغمبر [مُوسٰی] کو خدا نے فرمایا تھا کہ " تجھ میں سے تیرے بھائیوں [بنی اسماعیل] میں سے تجھسا نبی قائم

---

* دیکھو کتاب خطبات احمدیہ کا خطبۃ البشارات ۱۲ مؤلف عفی عنہ

کرونگا اور اپنا کلام اُسکے منہہ میں ڈالونگا - اور جو کچھ میں اُس سے کہونگا وہ اُنسے کہیگا* [دیکھو توریت کتاب پنجم آیت ۱۵-۱۸] اپنا کلام پاک اُسکے منہہ میں ڈالا اور اُسنے اپنے منصب عالی کے عظیم ترین مشکل ترین کام کو ایسے کامل و اکمل طور پر انجام دیا جسکی کوئی نظیر اور مثال تاریخ عالم میں نہیں پائی جاتی آنحضرت نے اپنے پر تاثیر معجزانہ وعظ سے ایک قابل حیرت قلیل عرصہ میں ملک عرب کے تمام خدا شناس خدا پرست بنا دیا مخلوق و محسوس چیزوں کی پرستش کو چھڑایا اور ایک غیر محسوس ہمہ قدرت و ہمہ صداقت ہستی کی عبادت کا بیج دلوں میں بویا - اور نجات کا مدار صرف اسی پر ایمان لانے اور یقین رکھنے کو بتایا اور نہ صرف اسی ملک کو مادہ پرستی کی ناپاکی و نجاست سے پاک صاف کیا بلکہ جہانتک اُسکے وعظ کی آواز پہونچی اُسکی تاثیر سے مختلف مذاہب کے لوگوں میں یہہ پاک و منور خیال پیدا ہوگیا کہ مخلوق پرستی نہایت ناپاک خصلت اور سخت مہلک روحانی مرض ہے - اُسنے قیامت اور جزا و سزا سے لوگوں کو آگاہ کیا اور یہہ فرماکر "لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ" انسان کا اپنے اعمال و افعال کا ذمہ دار و جوابدہ ہونا بتایا اور جن اعمال و افعال پر جزا و سزا مقرر ہے وہ ایک ایک کرکے انکو بتائے اور اُنکے اکتساب و اجتناب کے نتیجوں کو ان دو مختصر مگر نہایت پُر حکمت جملوں میں سمجھا دیا - "قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا" یعنی بیشبہ وہ شخص مراد کو پہنچگیا جسنے اپنے نفس کو بُرے خیالوں اور بد جذبوں یعنی

* یعنی وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ [سورہ النجم ۲ منہ]

اخلاقی اور شرعی گناہوں سے پاک وصاف کیا- اور بیشک وہ ٹوٹے میں پڑا جسنے اسکو بری خواہشوں اور خراب و زشت اعمالوں کے گڑھے میں ڈالکر میلا کچیلا کردیا- اور اس فلاح و مراد کی حقیقت و ماہیت یہ ہے کہ ان کو بتائیں "قال اللہ تعالیٰ اعددت لعبادی الصالحین ما لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر" یعنی خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ طیار کی ہے میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ چیز جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کان نے سنی اور نہ کسی انسان کے دل میں اسکا خیال گزرا ہے- اور نیز یہ فرمایا کہ "فلا تعلم نفس ما اخفی لہم من قرۃ اعین جزاء بما کانوا یعملون" یعنی کوئی نہیں جانتا کہ کیا انکے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا رکھی گئی ہے انکے بدلے جو وہ کرتے تھے- اور چونکہ انسان خواہ کیسا ہی تربیت یافتہ کیوں نہ ہو طبعاً ان چیزوں کے جنکا ادراک اُسنے بذریعہ اپنے حواس خمسہ ظاہری کے کیا ہو کسی چیز کو نہیں سمجھ سکتا اور نہ اسکا خیال اُسکے دل میں آسکتا ہے خصوصاً کسی راحت یا کلفت کا خیال جو کیفیات کے مقولے سے ہیں اور جنکا بیان کیا جانا ناممکن ہے- اسلیے مجبوراً اُسنے اپنے سے پہلے آنے والوں کے طریقہ پر اُس مراد و نامرادی کو جسکا دوسرا نام بہشت و دوزخ ہے ایسے عمدہ و بے نظیر اور دل پر اثر کرنے والی تشبیہوں اور تمثیلوں کے پیرایہ میں بیان کیا جو تربیت یافتہ و ناتربیت یافتہ لوگوں کے [خواہ وہ گرم ملک کے رہنے والے ہوں خواہ سرد ملک کے] فہم و مذاق کے

یکساں موافق ہے۔ اسنے قوانین سیاست و اصول اخلاق کا ایک ایسا کامل گراں قدر مجموعہ لوگوں کے ہاتھوں میں دیا کہ ایسا کامل تر مجموعہ پہلے کوئی نہ تھا۔ چنانچہ ارل ماؤنٹ صاحب جب متفق ہیں کہ اصول شرع اسلام میں سے ہر ایک اصل دیکھئے تو فی نفسہ بیحد درست ہے کہ شارع اسلام نے شرف و فضیلت کو قومیت تک محدود کیا ہے۔ اور ان سب اصول کے مجموعہ سے ایسا انتظام ریاست قائم ہو گیا ہے جسکی قوت و متانت کے سامنے اور سب انتظامات سیاست ہیچ ہیں۔ ایک شخص کی جان حیا تھا اور وہ بھی ایسا شخص جو ایک جاہل وحشی تنگ دل و کم ظرف قوم کے درمیان تھا وہ شرع ان ممالک میں شایع ہوئی جو سلطنت قاہرہ روم کبیر سے کہیں عظیم و وسیع تھیں۔ جب تک اس شرع میں اسکی اصل کیفیت باقی رہی اسوقت تک کوئی چیز اسکا مقابلہ نہ کر سکی۔

اس مجموعہ کی کمال خوبی اور من اللہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ عام اہل تصنیف کی کتابوں کے طرز و اسلوب پر جو ہر ایک مضمون کو ایک ترتیب کے ساتھ بیان کیا کرتے ہیں نہیں ہے۔ بلکہ جس طرح اُسکے اعلی و پاک مضامین کا القا بذریعہ وحی وقتاً فوقتاً حسب ضرورت اور موقع کے ہوتا رہا اسیطرح جمع کر دئیے گئے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اُسکے مواعظ و احکام کسی ایک سورہ یا اُن سورتوں کے کسی حصہ میں مجتمع نہیں ہیں۔ بلکہ ایسی وضع اور صورت میں ہیں کہ اگر اُسکا کوئی ایک صفحہ بلا قصد و بلا تعین مقام کھولکر پڑھا جائے تو پڑھنے اور سننے والوں کو اُسکے ہر مقام اور ہر مضمون

سے اخلاق و حسن معاشرت کے اعلیٰ اصولوں میں سے کوئی نہ کوئی اصول ضرور پڑھنے اور سننے میں آتا ہے۔ چنانچہ ہمارے اس قول کی تصدیق مسٹر چیمبرز کی رائے سے ہوتی ہے جو اُنہوں نے اپنی انسائکلوپیڈیا میں لکھی ہے کہ

"مذہب اسلام کا وہ حصہ بھی جس سے اُسکے بانی کی طبیعت صاف صاف معلوم ہوتی ہے نہایت کامل اور نہایت درجہ کا موثر ہے۔ اس سے ہماری مراد اُسکی اخلاقی نصیحتیں ہیں۔ یہ نصیحتیں کسی ایک یا دو یا تین موقعوں میں مجتمع نہیں ہیں بلکہ اسلام کی عالیشان عمارت [قرآن مجید] میں سلسلۃ الذہب کی مانند پھیلی ہیں۔ ناانصافی۔ جھوٹ۔ غرور۔ انتقام۔ غیبت۔ استہزا۔ طمع۔ فضول خرچی۔ حرامکاری۔ خیانت اور بدگمانی کی سخت مذمت کی گئی ہے اور انکو قبیح اور بے دینی بتایا ہے۔ اور بمقابلہ اُنکے خیراندیشی۔ فیض رسانی۔ پاکدامنی۔ حیا۔ بُردباری۔ صبر و تحمل۔ کفایت شعاری۔ سچائی۔ راستبازی۔ عالی ہمتی۔ صلح پسندی۔ حق دوستی اور سب پر بالا توکل بر خدا اور انقیاد امر الٰہی کو سچی ایمانداری کی اصلی بنیاد اور مومن صادق کا اصلی نشان قرار دیا ہے" اس مقدس مجموعہ کے بانی کا کمال علم و حکمت اس سے ظاہر ہے کہ اُسنے انسان کو اخلاق کے ایک سب سے بڑے اور جامع اصول سے اِن دو جملوں میں مطلع کر دیا کہ "انّما الاعمالُ بِالنّیّات وَ اِنّما لِامرءٍ مَا نَوٰی" * یعنی اعمال کی خوبی یا بُرائی صرف عمل کرنے والے کی نیت کی خوبی یا بُرائی پر موقوف ہے۔

اور جن مکارم اخلاق کو اُس سے پہلے آنے والوں نے لمبی لمبی تقریروں

* صحیح بخاری

اور عبارتوں میں بیان کیا تھا اُسنے اُکو اِن دو لفظوں میں بیان کردیا کہ "تَخَلَّقُوا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ" یعنی اپنے میں وہ صفات و عادات پیدا کرنے کی کوشش کرو جو خدا کی صفات و عادات ہیں۔ مثلاً عفو و رحم حلم و حیا جود و عطا وغیرہ وغیرہ

اُسنے ہر ایک طرح کی بدکاری اور حرامکاری سے لوگوں کو روکا اور اُسکی جگہ عفت و پاکدامنی اور حیا اُکو سکھائی اور یہہ کہا کہ "اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ" حیا کو جزو ایمان بتایا۔ اور حرامکاری ہی سے نہیں روکا بلکہ حرام نظر کو بھی سخت گناہ اور شیطان کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر و لعنت کا کام کہا

اُسنے لونڈیوں کو حرامکاری پر مجبور کرنے کی سخت ممانعت کی اور حکم دیا کہ اگر وہ عفت سے رہنا چاہیں تو حرامکاری کے لیئے اُن پر جبر نہ کرو۔

اُسنے جوئے اور شراب کا جنکی برائیاں بدیہی ہیں سخت امتناع کیا خصوصاً شراب کا جو درحقیقت تمام خلاقی برائیوں اور فتنہ و فساد اور اسراف و فضول خرچی اور ہر قسم کی سخت بیماریوں کی جڑ اور بنیاد ہے۔ اور یہہ وہ پاک احکام ہیں جو نہ توریت میں پائے جاتے ہیں نہ انجیل میں۔ چنانچہ سر ولیم میور جو ایک دیندار عیسائی ہیں اور جبتک کہ بالکل ناقابل انکار بات نہو اسلام کے حق میں گواہی نہیں دیسکتے اپنی کتاب لائف آف محمد میں ارقام فرماتے ہیں کہ "مذہب اسلام اس بات پر فخر کرسکتا ہے کہ اسمیں پرہیزگاری کا ایک ایسا درجہ موجود ہے جو کسی اور مذہب میں نہیں پایا جاتا"۔ مسٹر گاڈفری ہیگنس لکھتے ہیں کہ "مورخون نے بیان

کیا جاتا ہے کہ محمد ﷺ کے زمانہ کے پیشتر اہل عرب مے خواری اور قمار بازی کے
نہایت عادی تھے - مگر اُن کے دو حکموں کی وجہ سے شراب و قمار بازی
کا رواج قطعاً موقوف ہوگیا۔ گو کہ انکو ذریعہ شہوت رانی اپنے رفقا کا الزام
لگایا گیا ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا - تقوی اور پرہیزگاری برائے نام ہی نہیں
معلوم ہوتی بلکہ مے نوشی اور قمار بازی ایسے کبیرہ جرم قرار دیئے گئے ہیں
جو معافی کے لایق نہیں - اور جنکی بیخ کنی ایک دم سے کردی گئی - اُن کے
پیرووں کی کل شہوات نفسانی اور تعصب اور عادات کی بندش کردی گئی
ہے - ضرور ہے کہ سبکو ترک کریں ورنہ اُن کے تابع نہیں ہوسکتے" وہ
لکھتے ہیں کہ " گبن درست کہتا ہے کہ " جس عیش و عشرت سے دل
للچاتا ہے اسکی تکلیف دہندہ قیدوں کو بلا شبہ رندوں اور مشاقوں نے
اُٹھادیا ہے - مگر اُس واضع قانون پر جسنے کہ اسکو بنایا یقیناً انصاف کی رو
سے اس بات کی تہمت نہیں ہوسکتی کہ اُسنے اپنے مریدوں کو انکی شہوات
نفسانی کی اجازت دینے سے فریب دیا" فی الحقیقت میرے نزدیک
فرنگستان کی کیا ہی خوش قسمتی ہوتی اگر بموجب حکم الہی دین عیسوی میں
بھی انکی ممانعت ہوجاتی " پھر تھوڑا سا آگے چلکر لکھتے ہیں کہ " میری راے
ناقص اور خیالات محدود کے بموجب اگر شراب اور قمار بازی وغیرہ کی
ممانعت انجیلوں میں پائی جاتی تو انسان کی خوشی کچھ کم نہ ہو جاتی اور اگر حضرت
عیسیٰ اپنے علم غیب سے جو زمانہ لوگوں کے انکو حاصل تھا اور جسکا محمد ﷺ
کو دعوی نہ تھا منشی چیزوں کی ممانعت کردیتے بجز اُن صورتوں کے

نہیں وہ دوا کے طور پر ضروری ہوں تو اس سے کچھ برائی زیادہ ہو جاتی"
اُسنے خون ناحق کی سخت مذمت فرمائی اور اُسکی مزید رسم جاہلیت کے
برخلاف قاتل ہی کا قتل کیا جانا قرار دیا اور اس ناانصافانہ دستور کو کہ قاتل کو چھوڑ
کر کسی دوسرے شخص کو اور غلام کے بدلے آزاد اور عورت کے عوض
مرد کو اور ایک سردار کی جگہ دو دس کو مارتے تھے مٹا دیا اور حکم دیا کہ اگر کسی
آزاد شخص نے آزاد کو مارا ہے تو وہ آزاد ہی مارا جائیگا اور اگر غلام نے غلام
کو قتل کیا ہے تو وہ غلام ہی قتل کیا جائیگا اور اگر کسی عورت نے عورت
کو مارا ہے تو وہ عورت ہی ماری جائیگی" اور چونکہ زمانہ جاہلیت میں انتہا
خون ہوتے تھے اور بدلا لینے کے لیے بڑی بڑی خونریز لڑائیاں ہوئیں
اور سالہا سال تک قائم رہتی تھیں جنکی وجہ سے قومیں اور قبیلے متفرق اور
ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے تھے اور کوئی امید اتحاد مذہبی و اتفاق قومی اور
ملکی کی اُن سے نہیں ہو سکتی تھی اُن جھگڑوں کے مٹانے کی غرض سے
وہ معاہدے جو قصاص سے بری ہونے کی بابت قرار پاتے تھے
جائز رہنے دیئے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ملک میں اس سرے سے اُس
سرے تک امن و امان اور صلح و آشتی کی برکتیں پھیل گئیں اور انتقام
و خونخواہی کی چاٹ طبیعتوں سے ایسی محو و معدوم ہو گئی کہ جانی دشمن بھائیوں
سے زیادہ دوست بنگئے اور عداوت و کینہ جوئی کی عوض محبت و ہمدردی
اور تفرقہ و علیحدگی کی جگہ اتفاق قومی و اتحاد ملکی قائم ہوگیا جو انسان کے دسترس
ایک ایسے ربانی اور معجزانہ تصرف کی مثال ہے کہ جسکا حاصل ہونا بڑی

بڑی سلطنتوں کی سالہا سال کی ملکی تدبیروں اور کوششوں اور کروڑوں روپیہ کے صرف سے بھی تقریباً ناممکن بلکہ محال ہوتا ہے جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے آنحضرت کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا مَا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ" (سورہ انفال) یعنی خدا نے ان کے دلوں میں الفت ڈالدی اگر تو تمام دنیا کے مال و دولت کو خرچ کر ڈالتا تو بھی اُن کے دلوں کو نہ ملا سکتا ولیکن خدا نے اُن میں ملاپ کر دیا" اور مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ " اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ اِخْوَانًا " (سورہ آل عمران) یعنی یاد کرو خدا کے فضل کو جو تمپر ہوا جبکہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو رہے تھے۔ پس الفت ڈالدی تمہارے دلوں میں پھر اُسکی نعمت (اسلام) سے گو رات کو دشمن ہو رہے تھے مگر جب اُٹھے تو گویا بھائی بھائی تھے" چنانچہ گبن لکھتا ہے کہ " اُسنے (آنحضرت نے) مُسلمانوں میں نیکی اور محبت کی ایک روح پھونکدی آپسمیں بھلائی کرنے کی ہدایت کی۔ اور اپنے احکام اور نصیحتوں سے انتقام کی خواہش اور بیوہ عورتوں اور یتیموں پر ظلم و ستم ہونے کو روک دیا۔ قومیں جو کہ اعتقاد میں مخالف تھیں فرماں برداری پر متفق ہو گئیں خانگی جھگڑوں میں جو بہادری بیہودہ طور سے صرف ہوتی تھی نہایت مستعدی سے غیر ملک کے دشمن کے مقابلہ پر مائل ہو گئی "

اُسنے سرقہ اور رہزنی اور غارتگری کی قباحتوں اور نقصانوں سے

لوگوں کو آگاہ کیا اور اسکے عوض حلال اور جائز ذریعوں سے روزی حاصل کرنیکے فوایدانکو سمجھائے اور اسکا ایسا اثر ہوا اور ان جرائم کی برائی یہانتک اُن کے دلوں میں بیٹھ گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ایک روز بطور بشارت عام کے فرمایا " مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُسْتَیْقِنًا بِہٖ قَلْبُہٗ دَخَلَ الْجَنَّۃَ " یعنی جس شخص نے دل یقین کے ساتھ یہہ کہا کہ خدا کے سوا کوئی سچا معبود نہیں ہے وہ بہشت میں جا داخل ہوا تو آپکے خادم ابوذر نے زنا و سرقہ کو نہایت سخت اور ناقابل عفو گناہ سمجھکر تعجب کے طور پر عرض کیا کہ " وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ " یعنی خواہ زنا اور چوری کا بھی مرتکب ہوا ہو؟ تو آپ نے فرمایا " وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ " یعنی خواہ زنا اور چوری بھی کی ہو اور جب وہ تین دفعہ پوچھتا ہی چلا گیا تو اخیر میں آپ نے فرمایا " وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ عَلٰی رَغْمِ اَنْفِ اَبِیْ ذَرٍّ " یعنی اگرچہ زنا بھی کیا ہو اور سرقہ کا بھی مرتکب ہوا ہو - دل سے " لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ " کہنے والا ضرور داخل بہشت ہوگا - خواہ ابوذر راضی ہو یا نہو " اس حدیث شریف کا مدعا یہہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ لا الٰہ الا اللہ پر یقین کر لینے کے بعد کسی نیک کام کے کرنے یا بُرے کاموں سے بچنے کی ضرورت نہیں ہے - بلکہ یہہ مطلب ہے کہ شرک کے سوا کوئی گناہ خواہ وہ زنا یا سرقہ ہی کیوں نہو ناقابل معافی نہیں ہے اور خدا کے فضل سے اُمید ہے کہ ہر ایک لا الٰہ الا اللہ پر دل سے یقین رکھنے والا ضرور نجات پائیگا

جیساکہ خود خدا نے فرمایا ہے " اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَاءُ " یعنی بیشک خدا نہیں معاف کرتا ہے گناہ کو [کہ] اُسکے ساتھ [کسی مخلوق کو] شریک کیا جاوے اور معاف کردیتا ہے اسکے سوا [تمام گناہوں کو] جسکے چاہتا ہے

اُسنے ایک ایسے زمانہ میں کہ مجوسیوں نے قوانین نکاح کو بالائے طاق رکھا ہوا تھا اور قرابت کے پاس ولحاظ کو خواہ وہ کیسی ہی قریب کیوں نہو بالکل نظرانداز کردیا تھا یہانتک کہ اُن کے نزدیک بیٹے کو اُسکی ماں ایسی ہی مباح تھی جیسے باپ کو اُسکی بیٹی یا بھائی کو اُسکی بہن اور یہودیوں میں ازدواج کی کوئی حد مقرر نہ تھی بلکہ انبیاے بنی اسرائیل خصوصاً حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کی نظیر پر جو بقول مسٹر ھیگنس " خدا کی دلی مرضی کے مطابق چلتے تھے اور جنکو خدا نے خاص اپنی شریعت کے احکام کی تعمیل کے لیئے بنایا تھا " اور جو فی الحقیقت ایسے ہی تھے - یہہ رسم گویا ایک مسنون طریقہ تھا . اور جسکی ممانعت بقول صاحب موصوف " حضرت مسیح نے بھی اُن بیس انجیلوں میں سے جنکو اُنکے معتقدوں کے گروہ میں سے کسی نہ کسی نے اُن کے احکام کے قلمبند کرنیکے لیئے لکھا تھا کسی ایک میں بھی نہیں فرمائی " اور اپنی خاموشی سے گویا ثابت کردیا کہ آپکے نزدیک رسم مذکور بالکل جائز اور ناقابل ترمیم تھی اور ان رسوم کے باہم خلط ملط ہوجانیکا یہہ نتیجہ ہوا تھا کہ عرب جاہلیت بلاتعیین جسقدر جورویں رکھتے تھے اور اُنکی اخلاقی حالت یہانتک

بگڑ گئی تھی کہ میراث کے مال کی طرح باپ کی منکوحہ عورتوں پر تصرف کر لینے
کو اپنا حق سمجھتے اور اُنپر جبراً متصرف ہو جاتے تھے ۔ تمام عورتیں بغیر
کسی امتیاز کے مردوں کی وحشیانہ خواہشوں کے پورا کرنیکا آلہ سمجھی جاتی
تھیں ۔ بلکہ بعض قبائل یمن میں جو کسیقدر یہودی اور کسیقدر صابئی
یعنی ستارہ پرست تھے ایک عورت کے کئی کئی خصم ہوتے
تھے اور قدیم زمانہ کے ہندوؤں کی طرح یہہ رسم بھی بے تکلف جاری
تھی کہ جب عورت اپنی معمولی حالت کے بعد غسل سے فارغ ہوتی تو
کمبخت بے حیا شوہر اُسکو کہتا کہ فلاں شخص کو بلا بھیج اور حمل کے آثار ظاہر
ہونے تک بڑی احتیاط کے ساتھ جورو سے کنارہ کش رہتا اور اس سے
یہہ غرض ہوتی کہ بچہ نجیب اور شریف شخص کے تخم سے ہو اور اِسکو نکاح
استبضاع کہتے تھے اور اس سے بڑھکر یہہ رسم تھی کہ چند آدمی جو شمار
میں دس سے کم ہوتے اکھٹے ہو کر ایک عورت کے پاس جاتے
اور اُس سے ہم بستر ہوتے تھے اور جب وہ بچہ جنتی تو اُن سب کو
بُلا بھیجتی اور وہ سب کے سب بلا عذر حاضر ہوتے ۔ اور وہ بچہ کو جسکے
سر تھوپ دیتی ۔ اُسکو بلا عذر منظور کرنا اور اُسکی پرورش کا ذمہ دار ہونا پڑتا ۔
اور وہ بچہ ولد حلال سمجھا جاتا ۔ اور ان سب پر طرہ یہہ دستور تھا کہ جن
عورتوں کے گھروں کے آگے فاحشہ ہونے کی نشانی کے طور پر جھنڈے
گڑے رہتے تھے بہت سے آدمی اکھٹے ہو کر اُن میں سے کسی ایک
کے پاس جاتے اور نوبت بہ نوبت اُس سے ہمبستر ہوتے اور جب

وہ بچہ جنتی تو انکو اور کسی ایک قیافہ شناس شخص کو بلا بھیجتی اور وہ انہیں سے اُسکو جسکا بچہ کہدیتا بغیر کسی طرح کی شرم وحیا و حقارت دیے عزتی کے خیال کے وہ اُسیکا فرزند کہلاتا - اور پیروانِ حضرت مسیح نے [اگر انکو اسکا پیرو کہا جا سکے] ایک ایسا دستور اختیار کر رکھا تھا جو عقل و فطرت دونوں کے برخلاف ہے یعنی رہبانیت و تجرد محض - اور مرد و عورت دونوں کو برابر یہی ہدایت تھی اور دونوں کے لیئے اِسیکو نیکی سمجھا جاتا تھا - نہایت خوبی اور کمال دانشمندی سے اصولِ اخلاق کو ملحوظ رکھکر ایک " ایسا عمدہ طریقہ لوگوں کو سکھایا جو بلحاظ اپنی اصلیت کے نہایت کامل اور عقل کامل کے بالکل مطابق اور انسان کی تندرستی و بہبودی اور حسنِ معاشرت کی ترقی کا نہایت عمدہ ذریعہ اور زن و مرد کی حالت زوجیت کے حق میں اور دونوں کے لیئے اُسکی تلخیوں کے دُور کرنے میں نہایت ہی مفید ہے " یعنی تجرد و رہبانیت کے برخلاف تاہل و تزوج کی بتاکید رغبت دلائی اور مزاوجت کے لیئے نکاح کا ہونا ضروری قرار دیا - اور تمام اقوامِ ایشیا علی الخصوص یہودیوں میں جو یہہ رسم جاری تھی کہ شوہر زوجہ کے عوض میں اُسکے باپ کو ایک معین رقم ادا کرتا تھا اور جو ایک قسم کا خرید و فروخت کا سا معاملہ تھا - اسکی ممانعت کی - اور نکاح کو ایک معاہدہ قرار دیا جو خود مرد اور عورت کے اختیار و رضامندی سے وقوع میں آئے اور مہر کو صرف زوجہ کا حق ٹھہرایا - اور اُن عورتوں کی تشریح کی جنکے ساتھ عقل و اخلاق کی رو سے نکاح کر لینے میں کوئی قباحت نہیں - اور چونکہ عورت نکاح کے

نتائج کے لیے مباح ہے اسیلئے اسلام نے ایک سے نکاح کر لینے کے بعد
اور اُسکے فسخ ہونے سے قبل دوسرے نکاح . یہ کی ممانعت کی
تاکہ صحت نسب اور قاعدہ میراث میں جو باہم لازم و ملزوم ہیں اور جن پر
تمدن کے متعلق اکثر معاملات کا دارومدار ہے کوئی خرابی اور خلل واقع نہو
مگر مرد کو جسکی حالت عورت کی حالت سے بلحاظ فطرت جدا ہے اور جسکے
ساتھ اُن امور میں سے کوئی امر بھی متعلق نہیں جو عموماً عورات سے
متعلق ہیں خاص خاص امور میں مثلاً جبکہ عورت اپنے فطری فرائض
مزاوجت کے ادا کرنے سے قاصر یا اسکی اصل غرض (پیدائش اولاد)
کے ناقابل ہو ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ مگر ایک حدِ خاص
تک نکاح کر لینے کی اجازت دی۔ لیکن بے اعتدالی سے باز رکھنے کے
لیے جو ہمیشہ بدتر اور بعض دفعہ خطرناک ہوتی ہے عدالت کی ایک ایسی شرط
لگا دی کہ جسکی کامل رعایت کے بغیر کوئی شخص اُس اجازت سے فائدہ
نہیں اُٹھا سکتا۔ چنانچہ صحابہ کرام بلکہ خود بانی اسلام علیہ وآلہ الصلوٰۃ
والسلام کی سیرت مبارک پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس شرط
کا ایفا کسقدر مشکل اور اُسکی پابندی کسقدر ضروری ہے۔ اور جب ہم عرب جاہلیت
کی کثرت ازواج اور اُس طرز سلوک کا خیال کرتے ہیں۔ جو وہ اپنی عورتوں
کے ساتھ کرتے تھے۔ اور پھر اُس حالت پر غور کرتے ہیں کہ جو اسلام
کی بدولت اُنکی ہوگئی تو ہمارا دل ایک فخر آمیز تعجب سے بھر جاتا ہے
اور یقین ہوتا ہے کہ انسان کے دل پر اس قسم کا تصرف کہ جسنے اُنکی

حالت کو بالکلیہ منقلب کردیا یہ شبہ رّبانی تصرّف تھا چنانچہ منقول ہے کہ حضرت علیؑ مرتضیٰ علیہ التحیۃ والثنا کی یہہ کیفیت تھی کہ اپنی دو ازواج میں سے ایک زوجہ کی نوبت کے دن دوسری زوجہ کے حجرہ میں وضو تک نہیں کرتے تھے۔ اور معاذ بن جبلؓ جو انصار میں سے ایک صحابی ہیں انکی دو بیویوں نے جو مرض طاعون میں دفعتاً قضا کی تو عدالت کے خیال سے انکو یہہ جرأت ہوئی کہ قرعہ ڈالنے کے بغیر ایک کو پہلے اور ایک کو پیچھے دفن کریں۔ اور یہی طریقہ اور صحابہ کرام کا بھی تھا۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس شرط کی یہانتک رعایت فرماتے تھے کہ شدّت مرض میں بھی جس سے آخر کار جاں بر نہو سکے ازواج مطہرات میں سے جس زوجہ کے گھر میں رہنے کی باری ہوتی بعض صحابہ کرام کے سہارے سے وہاں تشریف لیجاتے تھے اور اسپر بھی جناب باری میں بکمال عجز و نیاز یہہ عرض کرتے تھے کہ " اَللّٰھُمَّ ھٰذَا قَسْمِیْ فِیْمَا اَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِیْ فِیْمَا تَمْلِكُ وَلَا اَمْلِكُ " یعنی خداوندا یہہ میری تقسیم ہے جسمیں میں اختیار رکھتا ہوں۔ پھر تو مجکو اُس امر میں ملامت نکر جو تیرے اختیار میں ہے اور میرے اختیار میں نہیں *

اگر یہہ بے رحمانہ اور خلاف فطرت طریقہ اختیار کیا جاتا کہ عورت کے کسی مرض وغیرہ کی وجہ سے ناقابل معاشرت یا ناقابل اولاد ہونیکی

---

* دیکھو تفسیر مجمع البیان۔ سورہ نساء۔ تحت آیہ کریمہ وَلَنْ تَسْتَطِیْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا مؤلف

حالت میں اس سے قطع تعلق کے بغیر دوسری عورت جائز نہ ہوتی یا خاص حالتوں میں عورت کو استحقاق فسخ نکاح حاصل نہ ہوتا تو مرد و عورت دونوں کے حق میں نہایت قبیح اور بدترین برائیوں کا باعث اور ایسے نتائج کا منتج ہوتا جو تمدن و حسن معاشرت اور اخلاق تینوں کے لیئے سم قاتل ہیں۔ پس ان تمام دقایق و ملحوظ رکھکر فطری ضرورتوں کی حالت میں مرد کو عدالت کی نہایت ضروری اور لازمی شرط کے ساتھ حسب موقع و ضرورت ایک حد تک نکاح کر لینے اور عورت کو عدالت کے توسط سے اسکے فسخ کرا لینے کی اجازت دینا نہایت ہی مناسب بلکہ ضروری تھا۔ جن لوگوں نے انسان کی فطرت اور اسکے مدنی الطبع ہونیکے لوازم اور ضروریات پر غور کیا ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ تمدن کے متعلق اور معاملات کی طرح ازدواج بھی ایک ضروری اور فطری معاملہ ہے۔ اور یہہ کہ اسکے لیئے کسی ایسے قانون کا ہونا ضروری ہے جو فطرت کے مطابق اور تمدن و حسن معاشرت کے موافق ہو۔ اور اگر فطرت کے برخلاف یا ایسے نتائج کا منتج ہو جس سے تمدن و حسن معاشرت کو ضرر یا نقصان پہنچے تو سمجھا جائیگا کہ اسکا واضع فطرت انسانی سے ناواقف تھا۔ اور وہ قانون اسکا مستحق نہوگا کہ تمام انسانوں کی حالت کے [خواہ وہ گرم ملک کے رہنے والے ہوں یا سرد ملک کے] مناسب سمجھا جائے۔ پس ہم فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ جو قانون اِس معاملہ میں بانی اسلام علیہ و آلہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کو بتایا ہے وہ فطرت انسانی کے بالکلیہ مطابق اور اپنی ٹھیک ٹھیک پابندی کی حالت

میں تمدن وحسن معاشرت کا مُؤیّد اور کافۂ امم کی حالت سے یکساں مناسب وموافق ہے۔ اور یہی دلیل اُسکے اُس حکیم علیم کی طرف سے ہونے کی ہے جو زن و مرد کا خالق اور اُن کے مصالح اور ضروریات زندگی کا جاننے والا ہے۔ یعنی اُسنے مرد کے لیئے ایک ہی عورت کی اجازت دی ہے جو فطرت کا مقتضا ہے۔ لیکن بعض فطری ضرورتوں کی حالت میں ایک خاص اور لازمی شرط کے ساتھ جسکی بجاآوری نہایت مشکل بلکہ قریب بہ محال ہے اس قانون سے عدول کرنے کی بھی اجازت دی ہے جو درحقیقت عدول نہیں ہے بلکہ قانون فطرت کے ایک دوسرے قاعدہ پر عمل کرنا ہے۔

بعض نامور عیسائی فاضلوں نے جو اس معاملہ میں اپنی رائیں لکھی ہیں اُن کا اس موقع پر نقل کیا جانا خالی از فائدہ نہوگا۔

مسٹر ڈیون پورٹ صاحب مانٹسکیو کی رائے یوں نقل کرتے ہیں کہ " گرم ملک میں عورتیں آٹھ نو یا دس برس کی عمر میں نکاح کرنے کے لایق ہو جاتی ہیں۔ پس اُن ملکوں میں بچپن اور نکاح کے لایق جوانی گویا ساتھ ہی ساتھ ہوتی ہے۔ بیس برس کی عمر میں وہ بڑھیا ہو جاتی ہیں۔ پس اسیلئے یہہ ایک قدرتی بات ہے کہ اُن ملکوں میں جبکہ کوئی قانون مانع نہو انسان ایک جورو کو طلاق دیکر دوسری جورو کرے اور تعدد ازدواج کا قاعدہ جاری کیا جاوے "

مسٹر ھیگنس صاحب لکھتے ہیں کہ " علم قواے انسانی اور

علم طبعیات کے ماہرین نے بعض وجوہات ایسی دریافت کی ہیں
جو تعدد ازواج کے واسطے بطور ایک عذر کے متصور ہو سکتی ہیں۔
اور گو ہم شمالی ملکوں کے سرد خون والے مینڈک کے سے
مزاج کے جانداروں سے متعلق نہیں ہو سکتے ہیں مگر بحر سمعیل
سے جو گرم ریگستان کے رہنے والے ہیں متعلق ہو سکتے ہیں۔"
علاوہ اسکے وہ بیان کرتے ہیں کہ " سر ڈبلیو اوسلی صاحب کے
مجموعہ متضمن حالات ایشیا صفحہ ۱۰۰ میں یہہ بیان کیا گیا ہے کہ
" ایشیا کے گرم ملکوں کی تاثیر سے دونوں گروہ یعنی مرد و عورت
میں ایک ایسا اختلاف ہوتا ہے جو یورپ کی آب و ہوا میں نہیں
ہے جہاں دونوں برابر برابر اور بتدریج عالم ضعیفی کو پہنچتے ہیں
مگر ایشیا میں صرف مرد ہی کو یہہ بات حاصل ہوتی ہے کہ ضعیفی میں
بھی قوی اور طاقت در رہتا ہے" اگر یہہ بات سچ ہے تو بانی
مذہب اسلام کے لیئے اس بات کی کہ انہوں نے متعدد جوروؤں
کی اجازت دی ایک بڑی وجہ تھی - اور یہہ ایک کافی سبب اس بات
کا ہے کہ حضرت مسیح نے اس مضمون کی نسبت اپنی کوئی رائے
ظاہر نہیں کی - بلکہ اسکو ملکوں کی گورنمنٹوں کے آئین پر چھوڑ دیا کیونکہ
جو بات ایشیا کے واسطے مناسب ہوگی وہ یورپ کیواسطے
نامناسب ہوگی "
یہہ رائیں جیسا کہ ظاہر ہے صرف امور طبعی کے لحاظ سے

دیگئی ہیں مگر قرآن مجید نے یہہ اجازت صرف ان امور ہی کے
لحاظ سے نہیں دی۔ بلکہ اُن فطری مقاصد و اغراض کے لحاظ سے
دی ہے جنکو ہمنے مشروحاً بیان کردیا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ ؑ
کی خاموشی سے یہہ نتیجہ نکالنا کہ آپ نے اس معاملہ کو ملکوں کی گورنمنٹوں
کے آئین پر اس خیال سے چھوڑ دیا کہ " جو بات ایشیا کیواسطے مناسب
ہوگی وہ یورپ کے واسطے نامناسب ہوگی" بلا دلیل اور بعید از
قیاس ہے اور صحیح نتیجہ وہی ہے جو ہمنے ابھی بیان کیا ہے۔
یعنی آپ کے نزدیک رسم تعدد ازواج کا ناقابل اعتراض و ناقابل ترمیم
ہونا۔ چنانچہ نہایت مشہور و معروف عالم جان ملٹن جو تعدد ازواج
کا ایک مشہور حامی ہے بیبل میں سے بہت سی آیتیں نقل کرنیکے
بعد لکھتا ہے کہ " علاوہ اسکے خدا نے ایک تمثیلی صورت (صحیفہ
حزقیل) میں مسمّاتان اھولا اور اھولیا سے اپنا نکاح کرنا ظاہر کیا
ہے۔ اور یہہ ایک ایسا طرز بیان ہے کہ اُسکو خداوند تعالیٰ بالتخصیص
اس طوالت کے ساتھ ایک تمثیل میں بھی ہرگز اختیار نکرتا اور نہ درحقیقت
ایسی بات کا مرتکب ہوتا اگر وہ رسم جسکی دلالت اُس سے ہوتی
ہے فی نفسہ معیوب یا مذموم ہوتی۔ پس جس رسم کا امتناع انجیل میں
بھی کسیکو نہیں ہے وہ کیونکر معیوب یا مذموم خیال کیجا سکتی ہے۔
کیونکہ انجیل میں اُن ملکی آئینوں میں سے کوئی بھی منسوخ نہیں کیا گیا ہے
جو انجیل سے پیشتر جاری تھے " جان ملٹن یہہ بھی کہتے ہیں

کہ" میں عبرانیوں کے خط کے تیرہویں باب کی چوتھی آیت سے
جواز تعدد ازدواج پر اس طور سے استدلال کرتا ہوں کہ یہہ رسم یا تو نکاح جائز
ہے - یا فجور ہے - یا زنا ہے - پس اُس مقدس رسول [پولوس]
نے کوئی چوتھی صورت تسلیم نہیں کی - پس میں یقین کرتا ہوں کہ
اُن بہت سے بزرگوں کی تعظیم و توقیر کے لحاظ سے جو کثیر الازدواج تھے
ہر ایک شخص اُسکو فجور یا زنا خیال کرنے سے باز رہیگا کیونکہ خدا
حرامکاروں اور زانیوں کو سزا دیگا - حالانکہ اُن بزرگوں پر خدا کی خاص
نظر تھی جیسا کہ خود اُسنے فرمایا - پس اگر متعدد نکاحوں کا کرنا ٹھیک
ٹھیک نکاح ہو تو وہ جائز ہے - اِسی حواری کا قول ہے کہ "سب
میں نکاح کرنا بھلا ہے اور بستر ناپاک نہیں " انتہے قول

مندرجہ ذیل رائیں بھی جو بعض غیر متعصب اور عالی حوصلہ عیسائی
مُصنفوں نے اسلام کی تائید میں لکھی ہیں ملاحظہ طلب ہیں -

مسٹر طامس کارلائل مرحوم جو اس زمانہ کی دُنیا میں ایک
نہایت مشہور شخص تھے اپنی کتاب ہیروز اینڈ ہیروز ورشپ
کے لکچر دویم میں لکھتے ہیں کہ " اسلام کے میل الی الشہوات کی نسبت
بہت کچھ تقریریں اور تحریریں ہوئی ہیں اور یہہ اعتراضات انصاف
کی حد سے بڑھکر ہیں - وہ اجازتیں جو ہمکو قبیح معلوم ہوتی ہیں اور
جنکی پروانگی نبی عربی نے دی وہ خاص اُنکی ایجاد نہ تھیں اُنہوں نے
اِن باتوں کو عرب میں قدیم سے مروج اور غیر معیوب پایا - مگر اُنہوں نے

جو کچھ کیا وہ یہہ کیا کہ اُنکو روک دیا نہ صرف ایک ہی طرف سے بلکہ کئی پہلو سے "

مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب ایم۔ اے سلمہ اللہ تعالیٰ اگرچہ بالطبع عیسائیت کو اسلام پر ترجیح دیتے ہیں مگر تاہم جو کچھ اُنہوں نے اسلام کی تائید میں لکھا ہے وہ ہماری نہایت شکر گزاری کا مستحق ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ " اسلام کی نسبت جو بات نہایت بار بار کہی جاتی ہے وہ یہہ ہے کہ اُسکے اسقدر کامیاب ہونے کی وجہ یہہ ہے کہ وہ ایک بڑی حد تک شہوات نفسانی کے پورا کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ مگر اس سے زیادہ کوئی جھوٹی بات نہیں ہے جسکے معنی گویا یہہ ہیں کہ ایک مذہب اپنی بداخلاقیوں کی وجہ سے بھی دائمی کامیابی حاصل کرسکتا ہے۔ میں یہہ نہیں کہتا کہ اسلام اپنی اخلاقی حالت میں کامل عیسائیت کے برابر ہے۔ کیونکہ محمدؐ [صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم] نے عربوں کے لیئے نئے خصائل و عادات تجویز نہیں کیئے اور یہہ اُنکی دانائی تھی کیونکہ عربوں کے خصائل و عادات کو یکایک بدل دینا یا محو کر ڈالنا ممکن نہ تھا۔ سولن [ایک مشہور ترین یونانی مقنن اور حکیم تھا] نے اپنے قوانین کی نسبت کہا ہے کہ " گو میرے قوانین ایسے نہیں ہیں جو بہترین کہے جاسکیں مگر البتہ وہ اتھنیز کے لوگوں کی حالت کے لحاظ سے اُنکے لیئے بہترین قوانین ہیں " اور اُسکا یہہ جواب عموماً صحیح تسلیم کیا جاتا ہے۔

موسیٰ نے عادات و رسوم ملکی مثل اختیارات سردارِ قوم

قتل عام - خونی دشمنیاں - تعدد ازدواج اور غلامی کو جیسا پایا ویسا ہی
رکھا اور بجائے بالکل موقوف کرنیکے صرف اُنکی نہایت شدید
بُرائیوں کی اصلاح کردی اور اسطرح پر بلاارادہ کسی ہم کو تو پہلے سے زیادہ
مستقل اور کسیکو ایسا کردیا جو آخر کار مٹ جائے -

اسی طرح مذہب عیسوی نے اپنے زمانہ کے کُل قومی یا پولیٹیکل
رسوم و دستورات کو ملیا میٹ نہیں کیا - مسیح نے صرف اسپر قناعت
کی کہ اپنے پیرؤوں کے دلوں میں نیک اصولوں کا بیج بو دے تاکہ
جب وقت آئے وہ قبیح رسوم و دستورات خودبخود مٹ جائیں -
اُسنے یہہ ارادہ کرکے کہ میں بیج بوؤں اور لوگ اُسکا پھل کھائیں اور
مَیں محنت کروں اور لوگ اُس سے فائدہ اُٹھائیں - زمین میں رائی
کا بیج ڈالدیا جو کسی دن ایسا عظیم الشان درخت ہو جائے جسکی شاخیں
دنیا پر چھا جائیں اور جتنے قوموں کے لئیے برکت ہوں - ایک نہایت
عالیشان ضبط اور نفس کُشی کے ساتھ یہہ خیال کرکے کہ میرا مذہب آئندہ
زمانہ میں نہایت ترقی پائیگا مسیح نے اُس وقت خاص کا خیال چھوڑدیا
اور سلطنت روم کی سخت بُرائیوں مثل فتوحات ممالک غیر ظلم ایمفی تھی ایٹر*
اور غلامی کو جو اُسکی رُوح پر صدمہ پہنچاتی ہونگی بُرا بھلا نہ کہا - بلکہ ایسے

* یہہ تماشا خانے بیضوی شکل کے ہوتے تھے اور اسواسطے ایمفی تھی ایٹر
یعنی بیضوی تماشا خانے کہلاتے تھے - اُنکا عظم و شان اس سے سمجھ لینا چاہیئے
کہ اسّی ہزار آدمی ان میں بیٹھ سکتے تھے - یہہ رومیوں کی سلطنت جمہوری کے
اخیر زمانہ کی ایجاد تھے - سب سے پہلا تماشا دو سو ساٹھ برس قبل مسیح علیہ السلام کے

الفاظ کہے جنکے معنی غلطی سے یہہ لگائے گئے کہ ہر حالت میں دوسرے کی اطاعت واجب ہے - اور یہہ کہ لوگوں کو قوانین ملک سے اطاعت کے سوا اور کچھ سروکار نہونا چاہیئے - عیسیٰؑ بانی مذہب ہونیکے علاوہ ایک مقنن اور مدبر بھی تھے - پس کیا وجہ ہے کہ جو عذرات ہم سولن کے لیئے جائز قرار دیتے ہیں اور جو تعریف کہ ہم شریعت موسوی کے محدود احکام کی کرتے ہیں اسلام کے لیئے اُن سے انکار کیا جاے - ذاتوں کی تفریق کے بعد تعدد ازدواج فی الواقع سب سے زیادہ خرابی پیدا کرنے والی رسم ہے جو ایک ایسی قوم میں جاری رہ سکتی ہے جو اپنی ترقی کے ابتدائی درجوں کو طے کر چکی ہو - اس سے محبت شہوات نفسانی کی ذلیل صفت میں منتقل ہو جاتی ہے اور اس طرح سے مرد و عورت میں تمام روحانی تعلق منقطع ہو جاتا ہے - یہہ سوسائٹی کی بنیاد کو خراب کر دیتی ہے - کیونکہ خاندان ہی تمام

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

شہر روم کبیر میں ہوا تھا - اِن میں بڑی بیرحمی کے ساتھ وحشی اور درندے جانور باہم لڑاے جاتے تھے اور رفتہ رفتہ یہانتک نوبت پہنچگئی تھی کہ انعام حاصل کرنے کی غرض سے لوگ باہم ہتھیاروں سے لڑتے اور ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے - یہہ لوگ گلیڈی ایٹر کہلاتے تھے اور اُنکے ساتھ وہ تمام خونخوار درندے بھی شامل کیئے جاتے تھے جو تماشے کی رونق بڑھانیکے لیئے افریقہ اور ایشیا کے جنگلوں سے پکڑے آتے تھے - سب تماشوں سے پیچھے گلیڈی ایٹروں کی لڑائی شروع ہوتی تھی جو لڑائی سے پہلے سب کے سب ہم آواز ہو کر قیصر کو یوں سلام

پولیٹکل اور سوشیل نیکوئیوں کی اصل ہے - اگر محمد صلعم اس بدرسم پر جھاڑو پھیر دیتے تو وہ اس بار احسان کو جو اُنکی طرف سے تمام ایشیائی دُنیا پر ہے دو گنے سے بھی زیادہ کر دیتے - لیکن میں نہیں خیال کر سکتا کہ اگر بالفرض اُنکو اسکی پوری پوری بُرائیاں معلوم بھی ہو جائیں تب بھی وہ ایسا کر سکتے - تعدّد ازدواج ایک ایسی رسم ہے جو ایسے ایسے عمیق اسباب سے پیدا ہوتی ہے کہ کوئی مصلح قوم خواہ کیسا ہی بڑا کیوں نہو اُسکو اپنی زبان کے الفاظ یا قلم کی حرکت سے دور نہیں کر سکتا بت پرستی کے دور کرنے میں جیسا کہ مینے پچھلے لکچر میں کہا ہے محمد صلعم خاص عربستان میں ایک تاریخی نظیر وحدانیت الٰہی کے اعتقاد کی رکھتے تھے اور ایک موجودہ مذہبی خیال بھی اُنکی تائید کے لیئے موجود تھا جسکی امداد سے فائدہ اُٹھانے میں اُنھوں نے کوتاہی نہیں کی - لیکن رسم تعدّد ازدواج کے منع کرنے میں اس قسم کی کوئی بیرونی امداد

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۳۰

کرتے تھے " مرحبا قیصر مرنے والے تجکو سلام کرتے ہیں " اور جب کوئی اپنے حریف کو زخمی کرتا تو تماشائیوں کی طرف دیکھکر کہتا " اسکے کاری زخم لگا " اور اُسکے مار ڈالنے یا چھوڑ دینے کی اجازت چاہتا - چنانچہ تماشائی اپنا انگوٹھا اوپر کو اُٹھاتے تو چھوڑ دینے کا اور نیچے کو کرتے تو مار ڈالنے کا اشارہ سمجھا جاتا تھا - اور بیچارہ مغلوب اگر اپنی گردن ضرب اخیر کے لیئے پیش کرنے میں تامّل کرتا تو لعن وطعن کا نعرہ بلند ہوتا اور لوگ پکار کر کہتے " لوہا حاصل کرو " یعنی لوہے کے ہتھیار کے سامنے جاؤ - اور شہنشاہ سے لیکر ایک ادنی شخص تک کو بھی یہہ خیال نہ آتا تھا کہ یہہ ہم کیا حرکت کرتے ہیں - مؤلف عفی عنہ

وہ نہیں پا سکتے تھے - کیونکہ عرب کے عالی خیال لوگوں میں بھی مطلق
کوئی خیال ایک عورت سے شادی کرنے کی تائید میں نہ تھا اور خود
عورتیں اپنی اس حالت پر ایسی ہی قانع تھیں جیسے کہ خداوند - پس مثل ایک
ٹھیٹ عرب کے محمدؐ نے تعدد ازدواج کی رسم کو بطور ملک کی ایک موجودہ
رسم کے قائم رکھا مگر مصلح اور مقنن ہونیکی حیثیت سے بہت سے
قاعدے اسکی برائیوں کے گھٹانیکے لیئے بنا دیئے - لیکن اس بنا پر
یہہ کہنا کہ اسلام رسم تعدد ازدواج کا جواب دہ ہے اُسیقدر خلاف انصاف
ہے جسقدر یہہ کہنا کہ مذہب عیسوی غلامی کا جواب دہ ہے - انجیل میں
بیشک کوئی صریح ممانعت غلامی کی نہیں ہے بلکہ اسکے برخلاف
اُسمیں غلامی کو بطور ایک موجودہ رسم کے قبول کیا گیا ہے - اور پولوس
نے مالکوں کے ساتھ نوکروں کے فرائض [جنکو اُسنے غلاموں کے
سخت نام سے مخاطب کیا ہے] ایسی ہی صراحت سے بیان کیئے
جیسا کہ مالکوں کے فرائض کو اُن کے ساتھ - مگر اس بنا پر کوئی عیسائی یہہ
قبول نہیں کریگا کہ اُسکے مذہب نے غلامی کو جائز رکھا ہے یا اُسکے
لیئے ذمہ دار ہے - کیونکہ اُسکو یہہ ثابت کرنا کچھ مشکل نہوگا کہ جس درجہ کی
انسانیت کی تعلیم انجیل میں ہر مقام پر دیگئی ہے وہ غلامی کو ایک عرصہ دراز
تک قائم رکھنے کے ساتھ مطابقت نہیں کھاتی اور بذاتہ اوّل تو فرداً فرداً
عیسائیوں اور پھر عیسائی قوموں کی حالت کی اُسے اس امر کے لیئے
کافی ہے کہ غلامی کی موقوفی کو جیسا کہ آخر کار اُسنے اب کیا ہے حاصل کرے

پس غلامی عیسائیت کے صنّت ساتھ ساتھ چلی آئی ہے۔ مگر
اُسمیں مل نہیں گئی جیسے دریائے آرنو کا گدلا پانی دریائے رھون
کے صاف و شفاف پانی سے دونوں دریاؤں کے باہم ملنے
کے بعد بھی دُور تک ممیز چلا جاتا ہے۔ شاید یہہ بات تعجب انگیز معلوم
ہوتی ہے کہ عیسائیت اور غلامی ایک روز کے لئے بھی کسطرح اکٹھی
رہیں لیکن ہمکو تو حقائق سے بحث ہے اور یہہ امر محقق ہے کہ غلامی
بیشک عیسائیت کے ساتھ ساتھ رہی ہے بلکہ اُسنے عیسائیت
کی رو سے جائز ہونیکا دعوی اس اُنیسویں ۱۹ صدی تک بھی کیا ہے
بحیثیت ایک اخلاقی اور قانونی مجموعہ کے اِسلام کا مقابلہ بہ نسبت
عیسائیت کے جیساکہ مینے اسوقت کیا ہے یہودیت کے ساتھ
کیا جانا زیادہ ترقرین انصاف ہے کیونکہ تہذیب و شائستگی۔ خصائل
و عادات اور قومیت کے لحاظ سے محمدؐ کے زمانہ کے عرب بہ نسبت
اُن قوموں کے جنپر عیسائیت اپنا اصل قبضہ کرنے والی تھی بنی اسرائیل
سے زیادہ تر مشابہ تھے۔ چنانچہ شریعت موسوی نے تعدّد ازواج کو
روکنا تو کیا اُسپر کوئی حد بھی نہیں لگائی۔ ائمہ دین اور جج اور بادشاہ تمام
اِس رسم کے پابند تھے اور جو لوگ اُن میں زیادہ عالی رتبہ اور زیادہ تر
روحانی خیالات رکھتے تھے وہ بھی اس رسم کے باب میں اُن لوگوں
سے کچھ کم نتھے۔ وہ شخص جسکا خدا کا سا دل تھا [حضرت داؤد کیطرف
اشارہ ہے] اور وہ بادشاہ جسکی دانائی اور شان و شکوہ کے گیت

ابتک بہت سے مشرقی ملکوں میں گائے جاتے ہیں [یعنی حضرت
سلیمانؑ] اس رسم کے ایسے پیرو تھے کہ اُن سے وہ مسلمان سردار
بھی جنہوں نے قرآن کے قوانین کو توڑ ڈالا اور اپنی وحشیانہ خواہشیں
پوری کرنے اور شان و شکوہ ظاہر کرنے کی ہوس میں روایات کے معنوں
میں یہانتک تاویلیں اور کھینچ تان کی کہ وہ اپنی حد سے باہر ہوگئیں بکل
سبقت لیجا سکتے ہیں۔ محمدؐ مشرقی سوسائٹی کی کُل رسموں کو نہیں
بدل سکتے تھے۔ البتہ جو کچھ اُن سے ہوسکا وہ اُنہوں نے کیا۔ کم سے
کم اُنہوں نے اتنا تو ضرور کیا کہ اس غیر محدود رسم کو محدود بنا دیا اور نیز طلاق
کے باب میں جو سخت بے پروائی تھی اُسکی بھی اصلاح کی" [انتہٰے قولہ]

ایزک ٹیلر صاحب نے افریقہ میں مذہب اسلام کی نسبت
بحث کرتے ہوئے قصبہ وولور ھمپٹن کی چرچ کانگریس کے
روبرو اپنی راے حسب ذیل بیان کی کہ " دو بڑی عملی مشکلیں افریقہ
کو اعتقاد پر لانیکے لیئے ہیں یعنی تعدّد ازواج اور خانگی غلامی۔ محمدؐ نے
انکی ممانعت نہیں کی جیساکہ موسیٰؑ نے بھی نہیں کی تھی۔ یہہ ناممکن ہوتا۔
لیکن اُسنے [محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے] اُنکی بُرائیوں کو ہلکا کر دینے
کی کوشش کی۔ غلامی مذہب اسلام کا کوئی جزو نہیں ہے۔ وہ بطور
ایک اضطراری بُرائی کے محمدؐ نے جائز رکھی تھی جیساکہ موسیٰؑ
اور سینٹ پال نے کیا تھا۔ تعدّد ازواج ایک بڑا دقیق مسئلہ ہے
موسیٰؑ نے اُسکو نہیں روکا اور داؤد جسکا خدا کا سا دل تھا اُسکو عمل

میں لایا - اور انجیل میں صاف طور سے ممنوع نہیں ہے اگرچہ
اُسکے اصلی منشا کے برخلاف ہے - محمدؐ نے تعدد ازواج
کی بےحد اجازت کو محدود کردیا - صرف ایک عورت سے شادی کرنا
شاذ و نادر نہیں ہے - بلکہ سب سے زیادہ تہذیب یافتہ مسلمان ملکوں میں
یہہ ایک عام قاعدہ ہے - ہمکو یہہ پیش نظر رکھنا چاہیئے کہ رسم تعدد
ازواج مع اپنی تمام برائیوں کے اُسکے موزوں فوائد بھی رکھتی ہے -
اُسنے دُختر کُشی کی رسم کو بالکل موقوف کردیا ہے - اور ہر ایک عورت
کا ایک قانونی ولی اُسی کے سبب سے ہوتا ہے - تعدد ازواج کے
سبب مسلمانوں کے ملک پیشہ ور عورتوں سے جو کہ مذہب سے خارج کردیگئی ہیں
بالکل بری ہیں اور یہہ تمام عیسائی ملکوں کی زیادہ تر رسوائی کا باعث
ہیں بہ نسبت تعدد ازواج کے جو کہ اسلام کے لیئے ہے - اور ٹھیک
طور سے باقاعدہ بنائی ہوی رسم تعدد ازواج مسلمانوں کے ملکوں کی
عورتوں کو بہت کم ذلیل کرنے والی اور مردوں کے لیئے بہت کم
نقصان پہنچانے والی ہے بہ نسبت اُس ناجائز رسم تعدد شوہروں
کے جو عیسائیوں کے تمام شہروں کا وبال ہے اور جو اسلام میں
بالکل نہیں پائی جاتی - ہمکو خبردار ہونا چاہیئے کہ شائد ایک برائی کو بیوقت
دُور کرنے میں ہم اُسکی جگہہ ایک اُس سے زیادہ بڑی برائی کو
قائم کردیں - انگریز جنکو ایک عورت کے لیئے کئی خصم ہونے
پسندیدہ معلوم ہوتے ہیں مسلمانوں پر جو کہ جوروؤں کے تعدد کو پسند

کرتے ہیں طعن کرنے کے مجاز نہیں ہیں۔ ہمکو قبل اسکے کہ کسی کی آنکھ کے تنکے کا خیال کریں اپنی آنکھ کا شہتیر نکالنا چاہیئے [منقول از اخبار سینٹ جیمس گزٹ لنڈن مطبوعہ ۹ - اکتوبر ۱۸۸۸ء]

اب ہم طلاق کی نسبت بحث کرینگے۔ اور کہینگے کہ تمام دنیا کے مذاہب میں صرف مذہب اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جسنے اس مسئلہ میں سب سے زیادہ حسن معاشرت کی اصلاح اور حفاظت پر نظر رکھی ہے

عیسیٰ علیہ السّلام کے ظہور سے کچھ پہلے فقہائے یہود میں دو مذہب ہو گئے تھے۔ شمّاعی اور اُسکے مقلّدوں کی یہہ راے تھی کہ صرف بدچلنی یا علانیہ بدکاری پر طلاق دیجائے۔ مگر ھلّل اور اُسکے پیرووں کا یہہ اجتہاد تھا کہ ادنی خطا پر بھی عورت کو طلاق دیدینی چاہیئے۔ ربّی عقیبہ بھی اسی راے کا موئّد تھا۔ انجیل مقدّس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کے ظہور کے زمانہ میں یہودی زیادہ تر اس پچھلی ہی راے پر عمل کرتے تھے * اور طلاق دینا بغیر کسی قید اور شرط اور حالت کے مرد کے اختیار میں تھا کہ وہ جب چاہے طلاق نامہ لکھکر جورو کے حوالے کردے۔ اور ایسا کرنیسے وہ کسی گناہ کا گنہگار نہیں سمجھا جاتا تھا۔ عیسیٰ علیہ السّلام نے اُنکی اس رندی و بے قیدی کے روکنے کے لیئے جو حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی اُن سے فرمایا " زنا کے سوا کسی سبب سے طلاق دینا زنا کروانا ہے اور جو کوئی مطلقہ عورت سے نکاح

* دیکھو انجیل متی باب ۱۹ - مؤلف عفی عنہ

آپ کے نزدیک نادرست اور کتاب اقدس کے مدعا کے برخلاف
تھا - چنانچہ ہماری اس رائے کی تائید فاضل محقق جان ملٹن کی رائے سے
ہوتی ہے - وہ اپنی کتاب مسائل مذہب عیسوی میں لکھتے ہیں کہ "نکاح
کی جو تعریف کی گئی ہے اسکی روسے نکاح نہایت مرتبہ کا ایک اتحاد ہے
مگر ناقابل انفکاک یا ناقابل تفریق نہیں ہے - بعض لوگ اسکے ناقابل
تفریق ہونیکے نسبت متی کی انجیل باب ۱۹ ورس ۵ سے استدلال
کرتے ہیں جسمیں لکھا ہے کہ " وہ دونوں ایک تن ہوجاینگے " اگر
ان الفاظ پر مناسب طور سے غور کیا جائے تو اسکے یہہ معنی نہیں ہیں کہ
نکاح قطعاً قابل تفریق نہیں بلکہ ان سے صرف یہہ بات ثابت ہوتی ہے
کہ خفیف خفیف باتوں پر نکاح کو منقطع کرنا نہیں چاہیئے - کیونکہ جو کچھ نکاح
کے ناقابل انفکاک ہونے کی نسبت کہا گیا ہے وہ خاص عقد نکاح اور
اسکے تمام مقاصد و لوازمات کی پوری پوری تعمیل ہونے پر منحصر ہے
خواہ وہ الفاظ بطور ایک حکم کے یا بطور ایک قدرتی نتیجہ کے خیال کیئے
جائیں - اور اسی وجہ سے متی کی انجیل میں ان لفظوں کے ساتھ یہہ لفظ
بیان کیئے گئے ہیں " مرد اپنے ماں باپ کو چھوڑیگا اور اپنی جورو سے
ملیگا × × × اور وہ دونوں ایک تن ہونگے " یعنی بشرطیکہ نکاح
کی اصلی نوعیت کے مطابق [جسکا بیان کتاب پیدائش باب ۲ ورس ۱۹
لغایت ۲۰ میں ہے] عورت خاوند کیواسطے ایک مددگار ہو یا یہہ
جانبین کے باہم خیرخواہی و محبت اور آرام و وفاداری میں کچھ فرق نہ آئے

کیونکہ عرف عام کے بموجب یہی اصلی وضع نکاح کی ہے - لیکن اگر اصل
منشا نکاح کا منقطع ہو جائے تو اس سے لازم آتا ہے کہ نکاح بھی منقطع ہو گیا۔
دوسری آیت میں جو بیان ہوا ہے اور جس پر زیادہ زور دیا گیا ہے
یعنی "جو کچھ خدا نے ملایا ہے اُسے آدمی جدا نہ کرے" لحاظ کے
قابل ہے - مگر نکاح کے عقد ہی سے یہہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ خدا
نے کس چیز کو ملایا ہے ؟ خدا نے صرف اُس چیز کو ملایا ہے جو ملاپ
کے قابل ہے اور جو مناسب ہے - بہتر ہے اور محترم ہے اُسنے
انسان کی قدرتی طبیعت کے خلاف اور نامناسب حالت کے ملاپ کا
حکم نہیں دیا جسمیں بیعزتی اور تکلیف اور عداوت و مصیبت بھری ہوئی ہو
خدا تعالی کبھی اس قسم کے ملاپ نہیں کرتا ہے جو درحقیقت ملاپ نہوں
بلکہ جبر یا ناعاقبت اندیشی یا غلطی یا بدسلیقگی کے اثر سے ہوئے ہوں
پس ایسی ناگوار خانہ داری کی بُرائی سے اپنے تئیں نجات دینا کس وجہ سے
ناجائز ہے ؟ علاوہ اسکے ہمارا مسئلہ ان شخصونکو جدا نہیں کرتا - جنکو خدا تعالے
نے اپنے مقدس آئین کے بموجب ملایا ہے - بلکہ صرف اُن شخصونکو علیحدہ
کرتا ہے جنکو خود خدا نے اپنے ایسے ہی مقدس آئین کی رو سے جدا کر دیا
ہے - اور یہہ ایک ایسا حکم ہے جسکا اثر ہمپر اب ایسا ہونا چاہیئے جیسا کہ
سابق میں اُسکی اُمت پر ہوتا تھا - مذہب عیسوی کے کمال کو جسکی ترقی
بعض لوگ نکاح کے ناقابل انفکاک ہونے کی ایک دلیل بیان کرتے
ہیں اُسکی نسبت ہم کہتے ہیں کہ اُس ترقی کو جبر اور قوانین تعزیری کے ذریعہ

ست ہم میں زبردستی اُسکا رواج نہیں دینا چاہیئے - بلکہ اگر ہو تو اُسکو تہذیب
و عیسائی پند و نصایح کے ذریعہ سے جاری کرنا چاہیئے - کسی شخص کی نسبت
منصف اس حالت میں یہہ بات کہہ سکتے ہیں کہ اُسنے اُس نکاح کو قطع کیا
جو خدا کا مقرر ہوا تھا جبکہ وہ احکام الہی میں اُس بات کو زیادہ کرے جو
ناقص اس حکم میں شامل ہو زینب کے حیلہ سے اس شخص سے جدا ہو جا
جو اُسکے منشا کے موافق ہو کیونکہ یہہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ خدا تعالی
نے اپنے منصفانہ اور پاک و مقدّس قانون میں صرف مختلف وجہوں پر
طلاق کی اجازت ہی نہیں دی ہے بلکہ بعض صورتوں میں اُسکو جائز قرار
دیا ہے اور بعض صورتوں میں اُسکی ہدایت کی ہے - اور بحالت خلاف
ورزی سخت سزائیں قرار دی ہیں [دیکھو کتاب خروج باب ۲۱ درس ۴ و ۱۰
و ۱۱ - اور کتاب استثنا باب ۲۱ درس ۱۴ اور باب ۲۴ درس ۱ اور کتاب عزرا
باب ۱۰ درس ۳ اور کتاب نحمیا باب ۲۳ درس ۲۰]

تورست کتاب استثنا باب ۲۴ درس ۱ میں لکھا ہے کہ " جبکہ
کوئی شخص ایک بیوی کرے اور اُس سے نکاح ہو جاوے اور ایسا اتفاق
ہو کہ وہ اُسکو پسند نہو کیونکہ اُسمیں کچھ ناپاکی ہے تو اُسکو چاہیئے کہ ایک
طلاقنامہ لکھکر اُسکے ہاتھ میں دیدے اور اُسکو اپنے گھر سے نکال دے"
پس اگر فرض کیا جائے کہ جو سبب طلاق بتایا گیا ہے وہ سچا ہے اور
مصنوعی نہیں - تو اس مقام میں خداوند تعالی نے ایک بیوی ابتدا ہی
میں اس غرض سے دی کہ وہ اُسکی مدد اور تسلّی و خوشی کا باعث ہو جیساکہ

خود اپنی نکاح سے ظاہر ہوتا ہے۔ تو اگر بعد کو جیسا کہ اکثر اتفاق ہوتا ہے وہ بیوی رنج و رسوائی اور تباہی و اذیت اور مصیبت کی باعث ہو تو ہمکو کیونکر یہہ خیال کرنا چاہیئے کہ خدا ہم سے ایسی عورت کے طلاق دینے سے ناخوش ہوگا۔ میں وثنی یحیی کو اُس شخص سے منسوب کرتا ہوں جو اُس عورت کو اپنے پاس رہنے دے۔ نہ اُس شخص سے جو اُسکو ایسی صورتوں میں گھر سے نکال دے۔ اور صرف میں ہی نہیں بلکہ خود حضرت سلیمانؑ یا شاید خود خدا کی روح نے حضرت سلیمانؑ کے مونہہ سے یہی بات کہی ہے۔ چنانچہ توریت کتاب امثال سلیمانؑ باب ۳۰ ورس ۲۱ و ۲۳ میں لکھا ہے کہ "تین چیزوں سے دنیا کو بیچینی حاصل ہوتی ہے بلکہ چار چیزیں ہیں جنکو وہ برداشت نہیں کرسکتی ہے × × × اور ایک مکروہ عورت سے جبکہ نکاح ہو جائے" اسکے برخلاف کتاب واعظ باب ۹ ورس ۹ میں بیان ہوا ہے کہ "تو اُس عورت کے ساتھ ہنسی خوشی سے بسر کر جسکو اُسنے [خدا نے] تجھے دیا ہے اور جسکو تو اپنی فانی زندگی کے تمام زمانہ میں پیار کرتا ہے" پس جو عورت اُسنے تجکو دی ہے وہ عورت ہی جسکو تو پیار کرتا ہے نہ کہ وہ جس تو نفرت کرتا ہے اور کتاب ملاخی باب ۲ ورس ۱۶ میں بیان ہوا ہے کہ "جو شخص نفرت کرتا ہے [یا اِس وجہ سے کہ وہ نفرت کرتی ہے] اُسکو چاہیئے کہ اُسکو چھوڑ دے" چنانچہ یونیوس نے پہلے سب نے اِس فقرہ کا ایسا ہی ترجمہ کیا ہے ✱ پس معلوم ہوتا ہے کہ

✱ صحیفہ ملاخی باب ۲ کی آیتوں کے ترجمے اسطرح پر ہوئے ہیں۔

خداتعالی نے اِس حکم کو حضرت موسیٰ کی معرفت اِس غرض سے صادر نہیں فرمایا اور نہ اس ہی کی معرفت اُسپر اُسکو اِس غرض سے دوہرایا کہ شوہر کو اپنی سنگدلی کیے برتاو کا موقع ملے۔ بلکہ اِس غرض سے صادر کیا ہے کہ جہاں ضرورت ہو اس بدنصیب عورت کو اسکے اثر سے بچانے۔ کیونکہ اسمیں کوئی سنگدلی نہیں ہے کہ اِس عورت کو عزت سے اور بلا تکلیف رخصت کردے جسکا خود ہی یہہ قصور ہے کہ وہ محبوب نہیں ہوئی۔ ایسی عورت جو نہ صرف یہی ہی کہ محبوب نہیں ہوئی بلکہ وہ معلق چھوڑ دی گئی ہو اور اُس سے نفرت اور عداوت کیجاتی ہو۔ غرضکہ جس عورت کا یہہ حال ہو اُسکو ایک نہایت تکلیف دہ قانون کا اتباع کرکے اسکے شوہر کے نہایت بھاری غلامی کے جوئے میں رکھنا [کیونکہ نکاح بے محبت ایسا ہی ہوتا ہے] جسکو نہ تو اُسکے ساتھ الفت ہو اور نہ دوستی۔ یہی درحقیقت ایسی سختی ہے جسمیں ہر ایک قسم کی طلاق سے زیادہ بیرحمی ہے۔ یہی وجہ سے خداوند تعالی نے طلاق کی اجازت دیدی جسکا اگر مناسب طور سے عمل درآمد کیا جائے تو وہ نہایت منصفانہ اور رحیمانہ ہے۔ بلکہ اُسنے اُسکے فائدوں کو اُن شخصوں تک بھی وسعت دی ہے جنکی نسبت وہ

ترجمہ عربی ۱۸۱۱ء میں ہے "وامراۃ شبابك لا تترك لكن ان ابغضها فسرحها" اور ترجمہ عربی مطبوعہ ۱۸۴۱ء میں ہے "وزوجة غلامتك لا تزلها اذا ابغضت فاطلق" اور ایسا ہی رومن کاتھلک بیبل میں ہے۔ اور انگریزی ترجمہ پراٹسٹنٹ کے حاشیہ پر بھی یہی عبارت ہے جس سے ملٹن نے استدلال کیا ہے۔ خطبات احمدیہ ۱۲

یہہ جانتا تھا کہ یہہ اپنی سنگدلی کی وجہ سے اسکا بچا عمد آمد کرینگے اور اُسنے بدکار آدمیوں کی سنگدلی گوارا کرنا اس سے بہتر تصور فرمایا کہ نیک آدمیوں کی تکلیف رفع کرنے سے باز رہے۔ یا جس رسم کا ایک ربانی برکت سے ایک بدترین مصائب ہوجانیکا اندیشہ تھا خود اُسیکو درہم برہم کردے خود حضرت عیسٰی نے نویں ۹ آیت میں زنا کی وجہ سے طلاق کی اجازت دی ہے۔ اور یہہ بات نہوتی اگر خداتعالی کو یہہ بات منظور ہوتی کہ جن شخصوں کو خدا نے ایک مرتبہ عقد نکاح میں باندہ دیا ہے وہ ہرگز آیندہ جُدا نہوں۔ مگر مشرقی زبانوں کے محاورہ کے بموجب اُس لفظ سے جسکا ترجمہ زنا کیا گیا ہے۔ صرف زنا ہی مُراد نہیں ہوتا بلکہ یا تو اُس سے وہ چیز مُراد ہے جسکو "ناپاک چیز" کہا گیا ہے یا کسی ایسے امر کا نقصان مُراد ہے جس امر کا ایک بیوی کی ذات میں ہونا واجباً ضروری ہے جو کتاب استثنا کے چوبیسویں باب کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔ جیسا کہ سلیڈن نے سب سے پہلے بوگزار ھیریا میں ایسے محاورہ کو بہت سے علماے یہود کی شہادت سے ثابت کیا ہے۔ اور یا اِس سے وہ شئے مُراد ہے جو محبت۔ وفاداری باہمی امانت یا معاشرت یعنی اصلی آئین نکاح کے مقصد کے خلاف ہو کہ ہرگز اُس سے موافقت نہوسکے جیسا کہ سلیڈن نے ثابت کیا - اور مینے بھی ایک دوسرے رسالہ میں ثابت کیا ہے۔ کیونکہ جس وقت فریسیوں نے یہہ سوال کیا تھا۔ کہ " آیا ایک بیوی کو ہر ایک وجہ

طلاق دینا جائز ہے یا نہیں" تو یہہ جواب دینا لغو ہوتا کہ سوائے زنا کے اور کسی حالت میں جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہہ بات تو بخوبی مشہور و معروف تھی کہ زنا کی حالتمیں وہ جائز ہی نہیں تھی بلکہ ایک زانیہ کو نکال دینا ضروری تھا اور وہ بھی طلاق کے ذریعے سے نہیں بلکہ قتل کر دینے سے۔ پس اس مقام پر اس لفظ سے بہ نسبت محض زنا کے زیادہ تر وسیع معنی سمجھنے چاہییں جیسا کہ کتاب اقدس کے اکثر مقامات سے خصوصاً قاضیوں کی کتاب باب ۱۹ آیت ۲ سے ظاہر ہے جہاں لکھا ہے۔ کہ "اسکی بیوی زنا کر کے چلی گئی" یہاں زنا کے عرفی معنی نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایسی حالت میں اسکو جرات نہوتی کہ وہ اپنے باپ کے گھر چلی جائے۔ بلکہ یہہ مراد ہے کہ وہ اپنے شوہر سے متمردانہ [نشوز] برتاو کر کے چلی گئی۔ اور نہ ایسی صورت میں [یعنی جبکہ بجز زنا کے طلاق جائز نہ تھی] پولوس مقدس کبھی کافر دیا عورت کے جدا ہو جانیکے سبب سے طلاق کی اجازت دیتے* اگر یہہ بھی ایک قسم کا زنا ہو۔ اس بحث سے یہہ امر کچھ متعلق نہیں ہے کہ یہہ مسئلہ کافر مرد یا عورت سے متعلق ہے کیونکہ جو شخص خاندان کو ترک کر دے وہ کافر سے بدتر ہے۔ [پولوس کا پہلا خط تموتی کے نام باب ۵ آیت ۸] اور نہ نکاح کے اصلی منشاء کے حق میں کوئی بات اس سے زیادہ تر ضروری اور پسندیدہ ہو سکتی ہے کہ جو عقد محبت اور تمام عمر کی باہمی اعانت کی توقع اور نیک ارادوں سے کیا گیا ہو وہ کینہ اور سنگین عداوت اور طرفین کی جانب سے ناپسندیدہ برتاو

* پولوس مقدس کے خط موسومہ قرنتیان کے ساتویں باب کی پندرھویں آیت پر اشارہ ہے

کے سبب سے قطع کر دیا جاوے - پس خداتعالیٰ نے انسان کے لیئے جبکہ وہ
بہشت میں معصومیت کی حالت میں تھا دنیا میں گناہ کے آنے سے پہلے
یہہ حکم دیا کہ نکاح ناقابل انفکاک ہونا چاہیئے گناہ کے بعد حالات کے
تغیر کے موافق وز نیز اس نظر سے کہ دمشوہ آدمی کا آدمیوں کے ہاتھ
سے ہمیشہ کے ضرر سے محفوظ رہیں اُسنے نکاح کے انفکاک کی اجازت
دی اور یہہ اجازت قانون قدرت اور موسوی شریعت کا ایک جزو ہے
اور حضرت مسیح نے بھی اُسکی ممانعت نہیں کی - پس ہر ایک معاہدہ سے
جبکہ ابتدائً عمل میں آئے اُسکا دوامی اور ناقابل انفکاک ہونا مقصود ہوتا ہے
گو وہ کسی فریق کی بدعہدی کے سبب سے کیسی ہی جلدی کیوں نہ ٹوٹ جاوے
اور نہ ابتک کوئی معقول وجہ اسبات کی بیان کی گئی ہے کہ نکاح کی نوعیت
اِس باب میں اور تمام معاہدوں سے مختلف ہونی چاہیئے - خصوصاً اُس
حالت میں جبکہ پولوس مقدس نے یہہ بات بیان کی ہے کہ "کوئی بھائی
یا بہن ایسی باتوں میں قید نہیں ہے" یہہ نہ صرف چھوڑ دینے کی نسبت
بلکہ ایسی تمام صورتوں میں جو ایک نالایق قید پیدا کرنے میں ہوتی ہے
جیسا کہ قرنتیوں کے پہلے خط میں لکھا ہے [باب ساتواں آیت
پندرھویں] کہ "کوئی بھائی یا بہن ایسی باتوں میں مقید نہیں کہ خدا نے
ملاپ کے لیئے بلایا ہے" پس خداتعالیٰ نے ہمکو اس غرض سے نہیں بلایا
کہ ہم دائمی نزاع اور تردوات کے باعث سے پریشان خاطر رہیں کیونکہ
ہمارے بلانے کا مقصد امن اور آزادی ہے نہ کہ نکاح - چہ جائیکہ دائمی

نزاع اور ایک ناخوش ازدواج کی غلامانہ قید - جسکو رسول نے تمام چیزوں

سے زیادہ ایک آزاد آدمی اور عیسائی کے ناقابل بتایا ہے - یہہ خیال

کرنا چاہیئے کہ حضرت عیسے نے موسوی شریعت سے کوئی ایسا حکم خارج

کردیا جس سے مظلوم اور مصیبت زدہ شخصوں پر رحم کرنیکا وقع ملتا تھا اور اس

موقع پر آپکو یہہ منظور تھا کہ آپکا یہہ قول حکم عدالت سمجھا جائے یا اس معاملہ کی نسبت

کوئی نیا اور سخت حکم دیا جاوے - بلکہ قانون کے بیجا عمل درآمدوں کے بیان

کرنیکے بعد اُنہوں نے حسب معمول ایک زیادہ تر کامل دستور معاشرت کا

بتایا - اور اس موقع پر مثل اور تمام موقعوں کے منصب قضا کا دعویٰ نہیں کیا -

اور امر حق کو محض نصیحت کے طور پر بیان فرمایا نہ کہ جبریہ احکام سے - پس انجیل

کی نصیحتوں کو ملکی آئین قرار دینا اور احکام تعزیری کے ذریعہ سے اُسکو نافذ کرنا

ایک سخت غلطی ہے - انتہے قولہ

لیکن اس روشنی کے برخلاف جو جان مِلٹن نے اپنی محققانہ

رائے سے بیبل کی آیتوں پر ڈالی ہے - اور جو صریحاً قرآن مجید کی

روشنی سے اخذ کی گئی ہے کیونکہ اسلام نے بارہ سو برس بیشتر بتادیا

تھا کہ طلاق نہ بطور معجون مفرح کے استعمال کرنیکو ہے بلکہ صرف ایک مرض

لاعلاج کا علاج ہے ؛ عیسائیوں کے تمام قدیم و جدید فرقے مذکورہ بالا

آیات انجیل کا مدعا یہہ سمجھے ہیں کہ طلاق صرف زنا کی حالتمیں ہوسکتی ہے

یا کسی حالت میں بھی نہیں ہوسکتی گو اسکے بُطلان کے لیئے صرف یہی امر کافی

ہے کہ عیسائی ملکوں میں صدہا قوانین طلاق ہر زمانہ میں جاری ہوا کیئے ہیں

لیکن اگر یہہ سمجھہ صحیح ہو اور آیات کا مدعا وہی ہو جو وہ سمجھے ہیں تو ظاہر یہہ
ایک ایسا سخت حکم ہے جسکی برداشت انسانوں سے تقریباً ناممکن ہے
جیسا کہ حواریوں نے حضرت مسیح سے کہا کہ "اگر جورو سے مرد کا یہہ طور
ہے تو جورو کرنا خوب نہیں" اور حُسن معاشرت کے لیے نہایت ہی
مضر اور زن و مرد دونوں کے لیے بہت سی خرابیوں اور خوفناک حالتوں
میں پڑنے کا موجب ہے اور جو نتیجہ وہ امور زن و شوہر میں واقع ہوجاتے
ہیں جس سے تمام حُسن معاشرت اور اغراضِ تزوّج برباد ہوجاتے ہیں اُنکا
کچھہ بھی تدارک اسمیں نہیں ہے - اور شریعت موسوی میں اگر افراط کا عیب ہے
تو اسمیں تفریط کا نقصان ہے اور دونوں کی دونوں اس افراط و تفریط کی
وجہ سے مخالف فطرت ہونیکے اعتراض سے نہیں بچ سکتیں - مگر الحمدللہ
کہ شریعت محمدیہ ایسی نہیں ہے - اور تمام دُنیا کی شریعتوں میں صرف
یہی ایک شریعت ہے جو اس پُرپیچ مسئلہ میں بھی صراطِ مستقیم اور اپنے
معمول کے موافق افراط و تفریط کے عیب و نقصان سے بچی ہوئی ہے -
اس شریعت نے جس خوبی اور اعتدال سے اس مسئلہ کو قرار دیا ہے اور
جس عمدگی اور معقولیت سے فطرت انسانی کے مطابق تمدن اور حُسن معاشرت
کی حفاظت کو ملحوظ رکھا ہے وہ اس امر کا یقین دلانیکو کافی ہے کہ وہ بیشبہ
اُسی کی طرف سے ہے جسنے فطرت انسانی کو بنایا ہے - اس شریعت
مقدسہ نے طلاق کے ناگوار و ناپسندیدہ فعل کو صرف اُس حالتمیں مباح قرار
دیا ہے جبکہ زن و شوہر میں نااتفاقی اور رنجش کا مرض ایسے درجہ کو پہنچ جاوے

جو لا علاج ہو - یا یوں کہو کہ طلاق و تفریق کے سوا اُسکا کوئی علاج نہو - اور چونکہ اسکا اندازہ صرف زن و شوہر ہی کر سکتے ہیں کہ وہ مرض اس حد کو پہنچگیا ہے یا نہیں - اسیلئے اس شریعت نے اسکی تعیین و تشخیص انہیں کی رائے اور طبیعت اور اخلاق پر چھوڑ دی ہے - اور اُس جھگڑے کے تصفیہ کے لیئے نہ کوئی جُوری تجویز کی ہے اور نہ کوئی جج بلکہ صرف اُنہیں کی کانشنس کو جوری اور جج قرار دیا ہے - اور ایک نہایت معقول اور حکیمانہ قانون کے منضبط کر دینے سے اُن ضرورتوں کا کامل تدارک فرمادیا ہے جو زن و مرد میں اُسوقت تک ضرور پیش آئیگی جب تک کہ انسان لباس انسانیت سے ملبوس رہیگا - مگر باینہمہ اُسنے طلاق کو نہایت قبیح اور مکروہ فعل بتایا ہے - جیساکہ احادیث مندرجہ ذیل سے جو صحیح طور پر ہم تک پہنچی ہیں ظاہر ہوتا ہے - اُسنے فرمایا -

"تَزَوَّجُوا وَلَا تُطَلِّقُوا فَإِنَّ الطَّلَاقَ تَهْتَزُّ مِنْهُ الْعَرْشُ"

[تفسیر مجمع البیان] یعنی نکاح کرو اور ہرگز طلاق نہ دو کیونکہ طلاق سے عرش آلہی کانپ اُٹھتا ہے - اور فرمایا کہ "مَا خَلَقَ اللّٰهُ شَيْئًا عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ الْعِتَاقِ وَلَا خَلَقَ اللّٰهُ شَيْئًا عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ أَبْغَضَ إِلَيْهِ مِنَ الطَّلَاقِ" [مشکوۃ] یعنی نہیں پیدا کی خدا نے کوئی چیز زمین کے پردہ پر جو اُسکو غلام آزاد کر دینے سے زیادہ پیاری ہو - اور نہیں پیدا کی اللہ نے کوئی شے روے زمین پر جو اُسکو طلاق دینے سے زیادہ ناپسند ہو - اور پھر ایک دفعہ یوں فرمایا "أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللّٰهِ

الطَّلَاقُ" [مشکوٰۃ] یعنی مباح چیزوں میں خدا کو سب سے زیادہ ناپسند
چیز طلاق ہے اور فرمایا "مَا خَلَقَ اللّٰہُ شَیْئًا عَلٰی وَجْہِ
الْاَرْضِ اَبْغَضَ اِلَیْہِ مِنَ الطَّلَاقِ" [مشکوٰۃ] یعنی نہیں پیدا
کیا خدا نے کوئی شے زمین کے پردہ پر جو اسکو طلاق سے زیادہ
نفرت دلانے والی ہو اور چونکہ شریعت اسلامیہ نے شریعت موسوی
سے بضرورت [illegible] طلاق صرف مرد تک محدود تھا اور عورت
محض بے بس تھی اسلئے انصاف سے عورت کو بھی ضروری اور
لاعلاج حالتوں میں طلب طلاق کا استحقاق عطا کیا ہے۔ اسلئے انکی
ہدایت کیواسطے فرمایا "اَیُّمَا امْرَاَۃٍ سَالَتْ زَوْجَھَا طَلَاقًا فِیْ غَیْرِ
مَا بَاْسٍ فَحَرَامٌ عَلَیْھَا رَائِحَۃُ الْجَنَّۃِ" [مشکوٰۃ] یعنی جو عورت اپنے
خاوند سے بلاضرورت شدید اور بغیر حالت سختی کے طلاق چاہے
اُسپر جنت کی خوشبو حرام ہے یعنی جنت میں نہ جائیگی۔ اور چونکہ نفاق
سخت گناہ اور ایمان کے برخلاف ہے پس ایسی عورتوں کو جو اپنے
خصموں سے کھچی رہیں اور خُلع کے ذریعہ سے علحدگی کی خواہشمند
ہوں تہدیداً منافقہ بتایا چنانچہ فرمایا کہ "المنزعات والمختلعات
ھُنَّ المُنَافِقَاتُ" [مشکوٰۃ] یعنی خصموں سے کھچی رہنے والیاں اور خُلع چاہنے
والیاں ہی منافقہ ہیں۔ اور ایکدفعہ جو آپنے ایک عورت کا نکاح ایک
شخص سے کردیا اور پھر اُسنے اپنے خاوند کی بعض ناپسند باتوں کی آپکے
پاس شکایت کی تو اُسکی تنبیہ کے لیئے فرمایا کہ "لَعَلَّکِ تُرِیْدِیْنَ

اَنْ تَخْتَلِعِیْ فَتَکُوْنِیْ عِنْدَ اللّٰہِ اَنْتَنَ مِنْ جِیْفَۃِ حِمَارٍ " یعنی شاید تو یہہ چاہتی ہے کہ خلع کرائے [پس تجکو سمجھ لینا چاہیئے کہ ایسا کرنے سے] خدا کے نزدیک تو گدھے کے مردار سے بھی زیادہ بدبو والی ہو جائیگی [مکارم الاخلاق طبرسی]

اور ایکدفعہ جو آنحضرت کو یہہ خبر دیگئی کہ ایک شخص نے اپنی جورو کو خلاف حکم قرآنی ایک ہی دفعہ تین طلاقیں دیدی ہیں تو آپ غیظ میں آکر کھڑے ہو گئے اور فرمایا " اَیُلْعَبُ بِکِتَابِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ وَاَنَا بَیْنَ اَظْهُرِکُمْ حَتّٰی قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَلَا اَقْتُلُهٗ " [مشکوٰۃ] یعنی - کیا خدائے بزرگ کی کتاب [قرآن مجید] کو کھلونا بنایا ہے ایسی حالت میں بھی کہ میں تم میں موجود ہوں جسکو سنکر ایک شخص اٹھ کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ اے خدا کے رسول کیا میں اسکو قتل نہ کرڈالوں - یعنی وہ آپکے ناراض ہونیسے یہہ سمجھا کہ اُس شخص نے قتل کیئے جانیکے لائق کام کیا ہے - پس شارع اسلام علیہ وآلہ الصلوۃ والسلام کے سوا کونسا شارع ہے جسنے اِس معاملہ میں اپنے پیرؤوں کی ایسی عمدہ اخلاقی تربیت اور اُن کے حسن اخلاق اور دلی نیکی کے ترقی دینے کے لیئے ایسے اعلیٰ درجہ کے مواعظ و نصایح فرمائے ہوں - اور جسکے نزدیک طلاق کا مفہوم ذہنی اور اسکا عمل دونوں اسقدر قبیح و ناپسندیدہ ہوں اور جسنے تمدن اور حسن معاشرت کی حفاظت کے لیئے افراط و تفریط سے بچکر ٹھیک ٹھیک

عقل و فطرت کے مطابق اس مسئلہ کو قرار دیا ہو۔

اُسنے اُس ظلم و زیادتی کے روکنے کے لیئے جو عرب جاہلیت بار بار طلاق دینے اور پھر زوجیت میں لے لینے سے اپنی عورتوں پر کرتے تھے فرمایا کہ " اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌ بِاِحْسَانٍ " [سورہ بقرہ] یعنی وہ طلاق کہ جسمیں عورت کو پھر زوجیت میں لے لینا جائز ہے دو بار تک ہے۔ اسکے بعد یا صلح و صفائی کے ساتھ معروف طور پر جورو کو ٹھہرالینا ہے یا عزت و حرمت سے رخصت کر دینا۔ اُسنے مہر میں سے کچھ چھوڑا لینے یا واپس لے لینے کی سخت ممانعت کی اور فرمایا کہ " لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّا اَنْ يَّخَافَا اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ " [سورہ ایضاً] یعنی حلال نہیں ہے تمکو کہ لیلو اُسمیں سے جو کچھ تُمنے اپنی عورتوں کو دیا ہے کچھ بھی۔ مگر جبکہ دونوں کو خوف ہو کہ نہیں قایم رکھ سکینگے خدا کی حدوں کو۔ پس اگر تمکو اندیشہ ہو۔ کہ دونوں نہیں قایم رکھینگے خدا کی حدوں کو۔ تو اسمیں دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ عورت اپنے مرد کو کچھ دیکر اپنے تیئں چھوڑا لے۔ یہہ ہیں حدّیں جو خدا نے باندھی ہیں۔ اِن سے تجاوز مت کرو۔ اور جو لوگ خدا کی حدوں سے تجاوز کرتے ہیں پس وہی لوگ ہیں جو ظالم ہیں۔ اور فرمایا کہ " وَاِنْ اَرَدْتُّمُ

اسۡتِبۡدَالَ زَوۡجٍ مَّکَانَ زَوۡجٍ وَّاٰتَیۡتُمۡ اِحۡدٰىهُنَّ قِنۡطَارًا فَلَا تَاۡخُذُوۡا مِنۡهُ شَیۡئًا ؕ اَتَاۡخُذُوۡنَهٗ بُهۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِیۡنًا ۝ وَکَیۡفَ تَاۡخُذُوۡنَهٗ وَقَدۡ اَفۡضٰى بَعۡضُکُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ وَّاَخَذۡنَ مِنۡکُمۡ مِّیۡثَاقًا غَلِیۡظًا ۝ [سورۂ نساء] یعنی اگر تم چاہو بدل لینا ایک جورو کا ایک جورو کی جگہہ [یعنی ایک کو طلاق دیکر دوسری سے نکاح کرنا] اور تمنے اُن میں سے ایک کو بہت سا مال دیا ہو تو مت لو اُسمیں سے کچھ بھی۔ کیا تم اُسکو لیتے ہو بہتان لگاکر اور علانیہ گناہ کرکے؟ اور کیونکر تم اُسکو لوگے۔ حالانکہ بیشک تم میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدعا کو پہنچ چکا ہے۔ اور عورتوں نے تم سے مضبوط عہد لیا ہے اور تاکہ ایام عدّت کے اندر اور اُسکے بعد بھی۔ مرد رسم جاہلیت کے موافق مُطلّقہ عورتوں کو تکلیف نہ دیسکیں۔ بتاکید فرمایا۔ کہ اِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِکُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ سَرِّحُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ ۪ وَلَا تُمۡسِکُوۡهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعۡتَدُوۡا ۚ وَمَنۡ یَّفۡعَلۡ ذٰلِکَ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوۡۤا اٰیٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫ وَّاذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَیۡکُمۡ وَمَاۤ اَنۡزَلَ عَلَیۡکُمۡ مِّنَ الۡکِتٰبِ وَالۡحِکۡمَةِ یَعِظُکُمۡ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ" [سورۂ بقرہ] یعنی جبکہ تم عورتوں کو طلاق دیچکو اور وہ اپنی میعاد پوری کرچکیں تو ٹھہرالو اُنکو معروف طور پر محبت و رغبت کے ساتھ یا رخصت کرو اچھے طور پر۔ اور مت روکو اُنکو تکلیف دینے کے لیئے تاکہ اُنپر زیادتی کروگے اور جو

کوئی ایسا کرتا ہے وہ بیشک اپنے پر آپ ظلم کرتا ہے - اور مت ٹھہراؤ
خدا کے احکام کو ہنسی ٹھٹھا - اور دھیان میں لاؤ خدا کے فضل کو جو تمپر ہوا
اور اُسکو بھی جو اُتاری خدا نے تمپر کتاب [قرآن مجید] اور شریعت تمہاری
نصیحت کے لیئے - اور ڈرتے رہو خدا سے اور جان لو بیشک خدا
ہر چیز کا جاننے والا ہے - اور طلاق کے بعد جو عورتوں کو
نہایت بیجا نہ طور پر نکاح کر لینے سے روکے رکھتے تھے اُسکی بھی ممانعت
فرمائی چنانچہ فرمایا "اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُو
هُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ذٰلِكَ
يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى
لَكُمْ وَاَطْهَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ" [سورہ بقرہ] یعنی جب
تمنے عورتوں کو طلاق دیدی اور اُنہوں نے اپنی میعاد پوری کردی
تو اُن کو اپنے خاوندوں سے نکاح کر لینے سے مت روکو جبکہ وہ
پسندیدہ اور مروّج طور پر باہم راضی ہو جائیں - یہہ نصیحت اُسکو کیجاتی ہے
جو تم میں سے خدا پر اور اخیر دن پر ایمان لاتا ہے - یہہ بات تمہارے
لیئے زیادہ اچھی اور زیادہ پاکیزہ ہے اور خدا جانتا ہے [اِسکے فائدہ کو]
اور تم نہیں جانتے - اور اس اُمید سے کہ شاید زمانہ متفارقت میں محبّت
والفت کی ایسی تحریک ہو کہ جس سے خیال طلاق دل سے جاتا رہے
حکم دیا کہ ایسی حالت میں طلاق نہ دیجاے جبکہ معمولاً عورت کو مرد سے
کنارہ کش رہنا پڑتا ہے - اور نہ دفعتاً تین طلاقیں دیجائیں بلکہ سوچ سوچ کر

اور سمجھ کر مناسب مناسب فاصلہ سے [جو ہر ایک میں تقریباً پچیس روز کا فاصلہ ہوجاتا ہے] طلاق دیجاے - اور اس عرصہ میں عورت و مرد ایک ہی گھر میں رہیں چنانچہ فرمایا " اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَلَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ﴿﴾ [سورہ طلاق] یعنی جب تم عورتونکو طلاق دینا چاہو تو انکی عدت کے وقت یعنی طہر کی حالت میں طلاق دو اور عدت کے دن گنتے رہو اور ڈرتے رہو خدا سے جو تمہارا مالک ہے اور نہ نکالو عورتونکو انکے گھروں سے اور وہ بھی نہ نکلیں مگر اُس حالتمیں کہ صریح بیحیائی کی مرتکب ہوں - یہہ حدیں ہیں جو خدا نے باندھی ہیں اور جو شخص خدا کی حدوں سے تجاوز کرتا ہے تو بیشک اپنا برا آپ کرتا ہے - تو اے طلاق دینے والے نہیں جانتا شاید خدا اسکے [یعنی پہلی یا دوسری طلاق] کے بعد کوئی بات پیدا کردے [جو مصالحت و محبت کی باعث ہو] - خلاصہ یہہ کہ اُسنے اجازت دی کہ پہلی طلاق کے بعد اگر باہم صلح ہوجائے اور رنجش مٹ جائے اور محبت تازہ ہوجائے تو بدستور جورو خصم رہیں - اسیطرح دوسری طلاق کے بعد بھی - اور اگر پھر بھی صلح و صفائی نہو تو بناچاری تیسری طلاق دیجائے تاکہ پوری تفریق ہوجائے اور روز مرہ کی دانتا کلکل لعن وطعن اور جوتی بیزار سے طرفین کو نجات ملے - چنانچہ ماننسوخ سبیلا

جس سے زیادہ بقول ہمارے محترم دوست مولوی سید امیر علی صاحب ایم اے - سی آئی ای کسی مورخ یورپ نے قوانین اسلام کی تحقیق نہیں کی ہے اپنی تاریخ عرب میں لکھا ہے کہ "طلاق کی اجازت دیگئی مگر ایسی قیود لگادی گئیں جنسے اُس طلاق کا فسخ ہوناجائز ہوگیا جو جلدی میں بے سمجھے بوجھے دیدیا گیا ہو - طلاق کی تکمیل اور لایق تنسیخ نہ ہونا اس پر موقوف تھا کہ ایک ایک مہینے کے فاصلہ سے تین مرتبہ صیغہ طلاق پڑھا جاوے یا اعلان طلاق کیا جاوے"

اور چونکہ مخاطبین اول قرآن ایک ایسی قوم تھی جسکی مثل حمیت وغیرت میں دنیا کے پردہ پر شاید ہی کوی دوسری قوم ہو - اُسنے طلاق بائن یعنی تیسری طلاق کے حتی الامکان وقوع میں نہ آنیکے *لیئے ایک ایسی سخت شرط لگادی جس سے فائدہ اُٹھانا کسی غیرت دار شخص کی طبیعت کے نہایت ہی برخلاف ہے - یعنی فرمایا " فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ [سورۂ بقرہ] یعنی - پھر اگر عورت کو طلاق دیدی [یعنی تیسری طلاق] تو اُسکے بعد اُسکو حلال نہیں ہے جبتک کہ نکاح کرے اُسکے سوا دوسرے شوہر سے - پھر اگر وہ [یعنی شوہر ثانی] اُسکو طلاق دیدے تو دونوں [یعنی پہلے میاں بیوی] پر کچھ گناہ نہیں ہے پھر کر نکاح کر لینے میں

* دیکھو سیل صاحب کی راے مندرجہ دیباچہ ترجمہ قرآن مجید - مولف

اگر جانیں کہ دونوں قائم رکھینگے حدود اللہ کی۔ اور یہہ اللہ کی حدیں ہیں جو بیان کرتا ہے اُن کو اُس قوم کے لیے جو جانتے ہیں" اُس بیغیرتی اور بے حمیتی کو جو بیاہ کرنے میں انپر عاید ہوگی۔ اور اس غرض سے کہ مبادا کوئی بے غیرت اور بیحیا مرد یا عورت اس بے غیرتی بیعزتی کی پروا نکرے پھر باہم بیاہنے کے لیے کسی ایک شخص کو عارضی طور پر شوہر بنائیں فرمایا "لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهٗ" (مشکوٰۃ) یعنی خدا لعنت کرتا ہے حلال کر دینے والے پر اور اسپر جسکے لیے حلال کیا گیا۔ مگر تعجب ہے کہ میور صاحب نے آنحضرت سے اس شرط الٰہی کی تعبیر کی ہے۔ اور طعن کیا ہے کہ ایسی شرط مقرر کر دی۔ اور چونکہ عرب جاہلیت میں طلاق کا ایک یہہ طریقہ بھی تھا کہ شوہر خفا ہو کر جورو کو یہہ کہدیتے کہ "تیری پیٹھ مجھپر اُس شخص کی ماں کی پیٹھ کی مانند حرام ہے" طلاق باین ہو جاتی تھی۔ اسکی روک اور اصلاح کے لیے حکم دیا کہ اس صورت میں اگر مرد عورت کو پھر زوجیت میں لینا چاہے تو پہلے اسکے کفارہ میں ایک غلام آزاد کرے۔ اور اگر یہہ ممکن نہو تو متواتر ساٹھ روزے رکھے اور اسکی بھی طاقت نہو تو ساٹھ محتاجوں کو کھانا کھلاوے۔ پس کیسے نادان یا نا منصف ہیں وہ لوگ جو یہہ سمجھتے یا کہتے ہیں کہ اسلام نے عموماً طلاق کی اجازت دینے سے تمدن اور حسن معاشرت کے حق میں ایک بہت بڑا نقصان روا رکھا ہے۔ اسلام نے جو کچھ کیا ہے وہ یہہ کیا ہے کہ حتی الامکان طلاق اور اُسکی قباحتوں کو روک کا بند باندھا ہے

نہ یہہ کہ اُسکو ابتدائً جاری کیا ہے۔ یا اُسکی ازسرنو اجازت دی ہے اور اُسکو مُستحکم کیا ہے۔ جیساکہ سرولیم میور نے بیان کیا ہے۔ اور اگر اُسکی نالایق پیروؤں نے اُسکے عمدہ احکام کو قابل نفریت طریقہ پر استعمال کیا [جسکو میں قبول کرتا ہوں] تو اُسکی نفرین کے مُستحق وہی ہیں نہ اسلام۔ اُسنے اس وحشیانہ رسم کی کہ بیٹا باپ کے مرنیکے بعد میراث کے مال کی طرح اُسکی عورتوں پر جبراً قابض ہو جاتا اور اُنسے نکاح کرلیتا تھا سخت ممانعت کی اور اُسکو نہایت قبیح اور بیحیائی کا فعل بتایا چنانچہ فرمایا " یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ کَرْھًا " یعنی اے مُسلمانوں تمکو جائز نہیں ہے کہ ورثہ میں باپ کی عورتونکو زبردستی جورو بنالو۔ اور فرمایا " لَا تَنْکِحُوْا مَا نَکَحَ اٰبَآؤُکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً وَّمَقْتًا وَّسَآءَ سَبِیْلًا " یعنی مت نکاح کرو اُن عورتوں سے جنسے تُمہارے باپوں نے نکاح کیا ہو۔ مگر جو ہوا سو گزر گیا۔ بیشک وہ بیحیائی ہے اور ایک ناپسندیدہ اور بری راہ۔ چنانچہ اسکا اعتراف سرولیم میور صاحب کو بھی ہے وہ لکھتے ہیں کہ " آپ نے عورتوں کو ایک سخت اور ناگوار قباحت سے

چُھوڑایا جو یہہ تھی کہ بیٹا باپ کی جوروونکا وارث ہوا کرتا تھا "

اُسنے مردونکو اپنی عورتوں کے ساتھ محبت رکھنے اور مہربانی اور نیکوی سے پیش آنے اور عزت کرنے اور اُنکی طبیعت کی سختی اور بدمزاجی کو تحمل سے برداشت کرنیکی ہدایت فرمائی چنانچہ فرمایا " مَنِ احْتَمَلَ عَنْ امْرَأَتِہٖ

وَلَوْ كَلِمَةً وَّاحِدَةً اَعْتَقَ اللّٰهُ رَقَبَتَهٗ مِنَ النَّارِ وَاَوْجَبَ لَهُ الْجَنَّةَ وَكَتَبَ لَهٗ مِائَتَیْ اَلْفِ حَسَنَةٍ وَّمَحَا عَنْهُ مِائَتَیْ اَلْفِ سَيِّئَةٍ وَّرَفَعَ لَهٗ مِائَتَیْ اَلْفِ دَرَجَةٍ وَّكَتَبَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَهٗ بِكُلِّ شَعْرَةٍ عَلٰى بَدَنِهٖ عِبَادَةَ سَنَةٍ" [مکارم الاخلاق طبرسی] یعنی جو شخص اپنی جورو کی ایک ناگوار بات کی بھی برداشت کرتا ہے خدا آزاد کر دیتا ہے اُسکو جہنم سے اور واجب کر دیتا ہے اُسکے لیئے جنّت اور لکھدیتا ہے اُسکے لیئے دو لاکھ نیکیاں اور مٹا دیتا ہے اُسکی دو لاکھ بُرائیاں اور بلند کر دیتا ہے اُسکے دو لاکھ درجے اور لکھدیتا ہے اُسکے لیئے اُسکے بدن کے بالوں کی شمار کے موافق ثواب ایک ایک برس کی عبادت کا۔

اور ایک دفعہ یوں فرمایا "اَلَا وَمَنْ صَبَرَ عَلٰى خُلُقِ امْرَءَةٍ سَيِّئَةِ الْخُلُقِ وَاحْتَسَبَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ اَعْطَاهُ اللّٰهُ ثَوَابَ الشَّاكِرِيْنَ" یعنی آگاہ ہو۔ کہ جو شخص صبر کرتا ہے بدخصلت عورت کی بُری خصلت پر اور گنتا ہے اُسکو خدا کے نزدیک ثواب کا کام عطا کرتا ہے اُسکو خدا ثواب شکر کرنیوالونکا۔ اور عورتوں کو فرمایا کہ اپنے مردونکی اطاعت کریں اُن سے محبت رکھیں۔ انکی وفادار ہوں اور اُن سے خوش خلقی سے پیش آئیں اور بدزبانی نہ کریں۔ چنانچہ فرمایا "اَيُّمَا امْرَءَةٍ اٰذَتْ زَوْجَهَا بِلِسَانِهَا لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ مِنْهَا صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا وَّلَا حَسَنَةً مِّنْ عَمَلِهَا حَتّٰى تُرْضِيَهٗ وَاِنْ صَامَتْ نَهَارَهَا وَقَامَتْ لَيْلَهَا وَاَعْتَقَتِ الرِّقَابَ وَحَمَلَتْ عَلٰى جِيَادِ الْخَيْلِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَكَانَتْ اَوَّلَ مَنْ يَّرِدُ النَّارَ كَذٰلِكَ

الرَّجُلِ اِذَا کَانَ لَهَا ظَالِمًا " یعنی جو عورت بدزبانی سے اپنے خاوند کو
ستاوے خدا قبول نہیں کرتا اسکی کوئی بھی عبادت خواہ وہ فرض ہو یا مستحب
اور نہ کوئی نیکی اُسکے عملوں میں سے جب تک کہ وہ اسکو راضی نہ کرے
اگرچہ دن کو روزہ رکھتی اور رات کو عبادت میں گزارتی اور لونڈی غلاموں کو
آزاد کرتی اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے کیلئے لوگوں کو عمدہ گھوڑوں پر سوار
کرکے بھیجتی ہو۔ پھر بھی جہنم میں آگ جانے والوں میں سے ہوگی ایسا
ہی مرد بھی جبکہ عورت پر ظلم کرتا ہو" یعنی اُسکے حقوق واجب طور پر ادا نہ کرتا ہو
اور ایک دفعہ آپ نے بہت بڑے مجمع عام میں لوگوں کو مخاطب کرکے
فرمایا " اَیُّهَا النَّاسُ فَاِنَّ لَکُمْ عَلٰی نِسَائِکُمْ حَقًّا وَلَهُنَّ عَلَیْکُمْ حَقًّا لَکُمْ
عَلَیْهِنَّ اَنْ لَا یُوْطِئْنَ فُرُشَکُمْ اَحَدًا تَکْرَهُوْنَهٗ وَعَلَیْهِنَّ اَنْ لَا یَاْتِیْنَ
بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ فَاِنْ فَعَلْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذِنَ لَکُمْ اَنْ تَهْجُرُوْهُنَّ
فِی الْمَضَاجِعِ وَتَضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَیْرَ مُبَرِّحٍ فَاِنِ انْتَهَیْنَ فَلَهُنَّ رِزْقُهُنَّ
وَکِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۔ وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَیْرًا فَاِنَّهُنَّ عِنْدَکُمْ
عَوَانٌ لَا یَمْلِکْنَ لِاَنْفُسِهِنَّ شَیْئًا وَاِنَّکُمْ اِنَّمَا اَخَذْتُمُوْهُنَّ بِاَمَانَةِ اللّٰهِ
وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِکَلِمَاتِ اللّٰهِ " یعنی اے لوگو تمہاری بیویوں
پر تمہارے حق ہیں اور تمہاری بیویوں کے حق تم پر ہیں۔ تمہارا انپر یہ
حق ہے کہ نہ روندنے دیں تمہارے بستروں کو کسی ایسے شخص کو جسکو
تم برا جانو یعنی کسی نامحرم کو اپنے پاس نہ آنے دیں اور انپر یہ بھی واجب
ہے کہ کسی صریح بے حیائی کے کام کی مرتکب نہوں۔ پھر اگر وہ کوئی ناپسندیدہ

کام کر بیٹھیں تو بیشک خدا نے تمکو اجازت دی ہے کہ اُن کے پاس سونا چھوڑ دو اور یہہ بھی کہ [تادیباً] انکو خفیف سی مار مارو۔ پھر اگر وہ اپنی ناپسندیدہ حرکات سے باز آجائیں تو اُنکا تمپر یہہ حق ہے کہ کھانا اور کپڑا واجبی طور پر تم سے لیں اور تمکو چاہئیے کہ اپنی عورتوں سے بہتر طور پر پیش آؤ کیونکہ وہ تمہارے بس میں ہیں اور اپنے لیئے کچھ نہیں کر سکتیں۔ اور بیشک تمنے بھروسہ خدا کی کفالت سے اُنکو اپنے قبضہ میں لیا ہے۔ اور خدا کے احکام کے ساتھ تمنے اُنکو اپنے پر حلال کیا ہے۔ [سیرتِ ابن ہشام]

اور جو تسکین و محبّت اور اتّحاد و موانست اور یکدلی و یکجہتی جورو خصم میں ہونی چاہیئے اُسکو اس نہایت دلچسپ تشبیہ میں بیان فرمایا۔ "هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ" [سورہ بقرہ] یعنی عورتیں تمہاری پوشاک ہیں اور تم اُنکی پوشاک ہو۔ یعنی جسطرح لباس انسان کے لیئے باعث راحت و زینت اور موجب پردہ پوشی اور ناقابل جدائی ہے۔ اسی طرح عورتیں مردوں کے لیئے باعث آرام اور موجب عصمت و عفّت اور تسکین و راحت ہیں۔ اور سوا ے اُس قدرتی فرق و امتیاز کے جو مرد و عورت کی خلقت میں ہے عورتونکو جملہ حقوق و اختیارات میں مردوں کے ہمرتبہ و مساوی قرار دیا چنانچہ فرمایا۔ "لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَة" [سورہ بقرہ] یعنی عورتوں کے [مردوں پر] ویسے ہی حقوق ہیں جیسے کہ [مردوں کے] اُنپر ہیں معروف طور پر اور مردوں کو اُنپر فضیلت ہے [خلقت کی اعتبار سے]

اب ناظرین اس عدل و انصاف - نیک اندیشی و خیر سگالی مراعات وحُسن معاشرت - اور عزت و احسان کا جو اسلام نے عورتوں کی نسبت حکم کیا ہے - اور اُن قوانین کا جو اُسنے اس معاملہ میں نافذ فرمائے ہیں اُن قوانین سے مُقابلہ کریں جو اُس نہایت قدیم او متقدس مقنن نے جسکا نام موسیٰ ہے اِس مُعاملہ میں نافذ کیئے یا بطور آئین مُلکی بحال رکھے تھے اور اُن خیالات پر غور کریں جو قدماے آئمہ کلیسیا بلکہ اولیاے دین مسیحی نے غریب فرقہ نسوان کی نسبت اُس زمانہ میں ظاہر کیئے تھے جبکہ حضرت مسیح کی والدہ ثالث ثلاثہ سمجھی جاتی تھیں - اور اُنکی تصویر گرجاؤں میں بطور فرائضِ مذہبی پوجی جاتی تھی - جسکا نمونہ ایک وہ رسالہ ہے جو ٹرٹیلین نے قبایح نسوان میں تصنیف کیا تھا - اور کرائسسٹم نے جو ولی سمجھا جاتا ہے عُلماے مسیحی کی راے عموماً یہہ بیان کی تھی کہ "عورت ایک ایسی بلا ہے جس سے گریز ممکن نہیں ہے اور ایک قدرتی مغوی اور ایک مرغوب آفت اور ایک خانگی فتنہ اور ایک ہلاک سحر اور ایک رنگین بلا ہے" ✻ اور اُن قوانین و دستورات کو ملاحظہ کریں جو دُنیا کے سب سے زیادہ شایستہ عیسائی مُلک اِنگلستان میں عورتوں کے باب میں جاری ہیں کہ نکاح کے بعد بہت سے معاملات میں عورت کا وجود ہی قائم نہیں رہتا گویا وہ اپنے شوہر کے وجود میں گم ہوجاتی ہے -

---

✻ دیکھو کتاب تنقید الکلام باب چودھواں مصنفہ مولوی سید امیر علی صاحب سی آئی ای وغیرہ وغیرہ - مؤلف عفی عنہ

چنانچہ وہ اپنے نام سے کوئی معاہدہ نہیں کرسکتی اور اُسکی جائداد ذاتی جو نکاح سے پہلے حاصل کی ہو وہ بھی شوہر کی ملک ہوجاتی ہے۔ اُسکو اُتنا بھی حق نہیں ہے کہ اپنے نام سے یا اپنے لیئے ضروری اشیا خرید سکے یا منگوا بھیجے۔ گو مرد پر عورت کا نان ونفقہ واجب ہے مگر جھگڑے اور نزاع کی حالت میں اُسکی تعمیل کرا لینے کا کوئی صاف ذریعہ نہیں ہے۔ ورنہ دلی پر اسکی نالش کرنیکا حق ہے۔ گو کچھ ضمنی صورتیں نکال لی گئی ہیں۔ عورت شوہر سے مفارقت کرکے خواہ کتنے ہی عرصہ تک الگ رہے مگر جائداد جو اس مدت کے اندر حاصل کرے وہ شوہر ہی کی ملک ہوگی اور اگر پہلے سے کچھ بندوبست نکر رکھا ہو تو جو مال و اسباب اُسنے ایام مفارقت میں حاصل کیا ہے اُسکے شوہر کے قرضخواہ اُس سے لے سکتے ہیں۔ ✦✦

اُسنے اپنے رحم ورافت اور انصاف و عدالت سے بھرے ہوئے احکام و مواعظ میں یتیموں کے مال کے کھا لینے اور اُن سے بیمروتی برتنے سے پیش آنیکی سخت ممانعت فرمائی اور حکم دیا کہ اُن سے محبت و شفقت اور عدالت و مروت سے پیش آنا چاہیئے۔ چنانچہ فرمایا "اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِھِمْ نَارًا وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا۔" (سورہ نسا) یعنی بیشک جو لوگ یتیموں کا مال بلحاظ بیرحمی کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں صرف انگارے بھرتے ہیں۔ اور قریب ہے

✦✦ دیکھو تہذیب الاخلاق مطبوعہ یکم صفر سنہ ۱۲۹۱ ہجری

کر بیٹھیں گے بھڑکتی آگ یعنی دوزخ میں۔ اور فرمایا کہ "وَآتُوا الْيَتَامَى أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَى أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا" [سورہ نساء] یعنی یتیموں کا مال انکو دیدو اور مت بدلو برا بعوض اچھے کے اور نہ کھاؤ انکا مال اپنے مال میں ملا کر بیشک وہ بڑا گناہ ہے۔ اور فرمایا "وَابْتَلُوا الْيَتَامَى حَتَّى إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا" [سورہ نساء] یعنی جانچتے رہو یتیموں کو اُن کے حد بلوغ کو پہنچنے تک پھر اگر اُن میں کامل سمجھ پاؤ تو انکا مال انکو دیدو اور نہ کھا جاؤ اُن کے مال کو فضول خرچی اور جلدی کر کے [اس ڈر سے] کہ وہ جوان ہو جائینگے [تو اُن کا مال انکو دینا پڑیگا] اور جو شخص اُن کے سرپرستوں میں سے آسودہ ہو تو اُسکو [انکے مال سے] بچنا چاہیے اور جو محتاج ہو تو وہ [انہیں سے] واجبی طور سے کھا سکتا ہے۔ پھر جب تم انکا مال انکو دینے لگو تو انپر گواہ کر لو۔ اور خدا کافی ہے حساب لینے والا۔ اور فرمایا "وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّى يَبْلُغَ أَشُدَّهُ" اور یتیموں کے مال کے پاس نہ پھٹکو مگر اچھی نیت سے اُن کے جوان ہونے تک [سورہ انعام]

در حقیقت عرب جاہلیت خورد سال لڑکوں کو میراث دینے سے

نہیں دیتے تھے اور عورتوں کو تو بالکل ہی محروم رکھتے تھے اور اُن کا یہہ قول تھا کہ جو شخص ہتھیار باندھے اور دفع دشمن کے لائق ہو وہ ہی حصہ پاسکتا ہے - اور یہہ صریح ظلم تھا - اسیلئے فرمایا "لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا" [سورہ نساء] یعنی مردوں کے لیئے اُسمیں سے جو اُنکے ماں باپ اور قرابت مندوں نے چھوڑا ہے حصہ ہے - اور عورتوں کے لیئے بھی اُسمیں سے جو اُنکے ماں باپ اور قرابت مندوں نے چھوڑا ہے حصہ ہے اُس مال میں سے تھوڑا ہو یا بہت [خدا کا] مقرر کیا ہوا حصہ - اور حکم دیا کہ مال میراث میں سے لڑکے کو دو حصے اور لڑکی کو ایک حصہ دیا جاوے - اور تاکہ یتیم لڑکیوں پر انکا کوئی ولی اُنکے ساتھ نکاح کرکے ظلم نہ کرسکے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں حکم دیا "وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ" [سورہ نساء] یعنی اور اگر تمکو ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں کے حق میں انصاف نہ کروگے تو بالغ عورتوں سے نکاح کرلو - اور عموماً یتیموں کے حق میں فرمایا "فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ" [سورہ ضحیٰ] یعنی یتیموں کو کمزور سمجھکر ظلم و ستم سے اُن کا مال نہ لو اور اُنکو حقیر نہ جانو - اور فرمایا "لَا يَلِي أَحَدٌ مِّنكُمْ يَتِيمًا فَيُحْسِنُ وِلَايَتَهُ وَوَضَعَ يَدَهُ عَلَىٰ رَأْسِهِ إِلَّا كَتَبَ اللَّهُ لَهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ حَسَنَةً وَمَحَا عَنْهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ سَيِّئَةً وَرَفَعَ لَهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ دَرَجَةً"

یعنی نہیں سرپرستی کرتا تم میں سے کوئی کسی یتیم کی پیچھے طور پر اور نہیں
کِھلاتا اپنا ہاتھ اُسکے سر پر [محبت و شفقت سے] مگر یہہ کہ لکھدیتا ہے
خُدا اُسکے لیئے بعوض ہر بال کے ایک نیکی اور مٹا دیتا ہے ہر بال کے
بدلے میں اُسکا ایک گناہ اور اونچی کردیتا ہے ہر ایک بال کے عوض
میں اُسکا ایک درجہ [ثواب آخرت میں]

اور ایک دفعہ یوں فرمایا " مَنْ مَسَحَ عَلیٰ رَاسِ یَتِیْمٍ کَانَ لَهُ
بِکُلِّ شَعْرَةٍ تَمُرُّ عَلیٰ یَدِهٖ نُوْرٌ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ " یعنی جو شخص محبت
و شفقت سے بن باپ کے لڑکے کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے بعوض
ہر بال کے جو اُسکے ہاتھ کو چھوئے اُسکے لیئے ایک روشنی ہوگی قیامت
کے دن [جنت کی رہنمائی کے لیئے]

اور فرمایا " اَنَا وَکَافِلُ الْیَتِیْمِ کَهَاتَیْنِ فِی الْجَنَّةِ اِذَا اتَّقَی اللّٰهَ
عَزَّ وَجَلَّ وَاَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطیٰ " یعنی اپنی انگشت شہادت
او بیچ کی انگلی کیطرف اشارہ کرکے فرمایا کہ میں اور خُدا سے ڈرکر یتیم کی
کفالت کرنے والا اسطرح جنت میں قریب ہونگے -

اور ایک دفعہ فرمایا " اِنَّ الْیَتِیْمَ اِذَا بَکیٰ اهْتَزَّ لَهُ لِبُکَائِهٖ
عَرْشُ الرَّحْمٰنِ فَیَقُوْلُ اللّٰهُ لِمَلٰٓئِکَتِهٖ یَا مَلَائِکَتِیْ مَنْ اَبْکیٰ هٰذَا الْیَتِیْمَ
الَّذِیْ غُیِّبَ اَبُوْهُ فِی التُّرَابِ فَیَقُوْلُ الْمَلَائِکَةُ اَنْتَ اَعْلَمُ فَیَقُوْلُ
اللّٰهُ تَعَالیٰ یَا مَلَائِکَتِیْ فَاِنِّیْ اُشْهِدُکُمْ اَنَّ لِمَنْ اَسْکَتَهٗ وَاَرْضَاهُ
اَنْ اُرْضِیَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ " یعنی بیشک جب یتیم روتا ہے تو اُسکے

ہیں اُسکے رونے کی آواز کے سبب سے عرش الٰہی کانپنے لگتا ہے
پھر خدا اپنے فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ اے میرے فرشتو اس یتیم کو
جسکا باپ مٹی میں چھپا دیا گیا ہے کسنے رولایا۔ پھر فرشتے عرض کرتے
ہیں کہ تو ہی بہتر جاننے والا ہے۔ پھر خدا فرماتا ہے کہ اے میرے
فرشتو تمکو میں گواہ کرتا ہوں کہ جو شخص اس یتیم بچے کو چپ کراتا اور خوش کرتا
ہے میں اُسکو قیامت کے دن خوش کردونگا۔ چنانچہ عمرؓ فاروق جو اس
حدیث کے راوی ہیں جب کسی یتیم کو دیکھتے تو پیار سے اُسکے سر پر ہاتھ
پھیرتے اور اُسکو کچھ دیدیتے تھے۔

اُسنے شروع ہی سے لڑکیوں کے قتل کی دردناک رسم کے مٹانے
پر توجہ فرمائی اور اُسکو اپنے معجزانہ اور خوفِ خُدا سے کپکپا دینے
والے وعظ سے ایسا مٹا دیا کہ ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ کسی اسلامی ملک یا
نسل میں پھر کبھی اسکا ظہور یا رواج ہو۔ چنانچہ فرمایا "اِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ
بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ × × × عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ" یعنی جبکہ
پوچھی جائیگی جیتی گاڑ دیگئی لڑکی کہ کس گناہ میں قتل کی گئی × × × جان لیگا
ہر ایک انسان جو کچھ وہ لایا ہے۔ [اچھے یا بُرے اعمال]
اور فرمایا " لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ
وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا " [سورہ بنی اسرائیل] یعنی
افلاس کے ڈر سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو [کیونکہ] روزی تو اُن کو اور تمکو
ہم دیتے ہیں۔ بیشک اُن کا مار ڈالنا بہت بڑا گناہ ہے۔

اور فرمایا ”مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أَنَا وَهُوَ هٰكَذَا وَضَمَّ أَصَابِعَهُ“ [صحیح مسلم] یعنی اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو جوڑ کر فرمایا کہ جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے یہانتک کہ دونوں جوان ہو جائیں میں اور وہ قیامت کے دن اس طرح سے ملے جلے آئینگے

اور ایک دفعہ فرمایا ”خَيْرُ أَوْلَادِكُمُ الْبَنَاتُ“ [مکارم الاخلاق] یعنی تمہاری بہترین اولاد لڑکیاں ہیں اور ایک دفعہ فرمایا

”نِعْمَ الْوَلَدُ الْبَنَاتُ الْمُخَدَّرَاتُ مَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ وَاحِدَةٌ جَعَلَهَا اللّٰهُ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ وَمَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ اثْنَتَانِ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ بِهِمَا الْجَنَّةَ وَإِنْ كُنَّ ثَلَاثًا أَوْ مِثْلَهُنَّ وُضِعَ عَنْهُ الْجِهَادُ وَالصَّدَقَةُ“ یعنی بہترین اولاد پردے میں بیٹھنے والی لڑکیاں ہیں جس شخص کے پاس ایک لڑکی ہو بنا دیگا خدا اُس لڑکی کو اُس شخص کے لیئے ایک پردہ جہنم سے بچنے کے لیے اور جسکے پاس دو لڑکیاں ہوں اُنکے سبب سے داخل کریگا اُسکو خدا بہشت میں۔ اور اگر تین یا زیادہ ہوں معاف کیا جائیگا اُسکو خدا کی راہ میں لڑنا اور ذکوۃ دینا

اور چونکہ بتوں پر بچوں کو بھینٹ چڑھانا قدیم زمانہ سے تمام ملکوں اور قوموں میں ایک عام رسم تھی اور اسکو ایک بڑا ثواب کا کام سمجھا جاتا تھا اور کمبخت عرب جاہلیت بھی اسکے مرتکب ہوتے تھے فرمایا۔

”زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ × × × قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ

سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ" یعنی بہت سے مشرکوں کی نظروں میں خوشنما دکھلایا
اُنکے بُتوں کے پوجاریوں نے بھینٹ چڑہانا اُنکے بچوں کا تاکہ ہلاکت میں
ڈالیں اُنکو [یعنی مشرکوں کو] اور مشتبہ کردیں اُنپر اُنکا اصلی دین × × ×
بیشک ٹوٹے میں پڑے ہیں وہ لوگ جنہوں نے بھینٹ چڑہایا اپنے
بچوں کو بیوقوفی اور جہالت سے۔

اب موقع ہے کہ مذکورہ بالا مواعظ و احکام اور اُنکے نتیجوں
کی نسبت جو رائے مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب نے جو ایک مشہور
و معروف عیسائی مصنّف ہیں لکھی ہے اُسکو یہاں نقل کیا جائے۔ وہ
لکھتے ہیں کہ " اگر کسی مذہب کی سچائی پرکھنے کے لیئے اس امر کو معیار
قرار دیا جائے کہ اُسنے اُس زمانہ کی حالت کے موافق عورتوں سے کیا
رعایت کی اور غربا و مساکین اور مظلوم لوگوں کے لیئے کیا کیا تو محمدؐ
کا مذہب بیشک اِس آزمایش کی برداشت کرسکتا ہے۔ نبیِّ عربیؐ نے
اِن دو باتوں کے لیئے جو قانون بنائے وہ مشرکین بلکہ بعض حالتوں میں
یہودیوں کے طریقہ سے بہت زیادہ عمدہ تھے۔ زمانہ جاہلیت کے
عرب جتنی جوروئیں چاہتے تھے کرلیتے تھے۔ مگر قرآن نے شرعی
طور پر اُنکی تعداد کو صرف چار پر محدود کردیا۔ اُن میں طلاق خاوند کی صرف
طبیعت کی ایک ترنگ پر منحصر تھا۔ اور طلاق دی ہوئی عورت اپنے
مہر اور نیز تمام حقوق زوجیت سے محروم ہوجاتی تھی۔ مگر قرآن حکم
دیتا ہے کہ مہر ہر حالت میں واپس دیا جائے۔ اور اس امر کا تیقّن

حاصل کرنیکے لیئے کہ طلاق کے عمل میں لانے یا طلاق دیکر دوبارہ زوجیت

میں لے لینے کے باب میں [جسکو لہ نبی عربی بخلاف اپنے ہموطنوں

کے ایک بہت اہم اور قابل اعتراض حرکت بیان کرتے تھے]

صرف تلوّن مزاجی نہیں ہوی بلکہ کامل غور اور خوض کی گئی ہے اسنے

یہہ حکم دیا کہ کوی شخص جو اپنی عورت کو ایک بار طلاق دیچکا ہو اسکو دوبارہ

زوجیت میں نہیں لے سکتا] وقتیکہ وہ اپنی اس غافلانہ بیرحمی کا کچھ کفارہ

ایک غلام آزاد کرکے ندے - زمانہ جاہلیت کے عرب خاوند یا باپ

کی ملکیت میں عورت کو کوی حق نہیں دیتے تھے - اس بنیاد پر کہ جو شخص ہتھیار

نہیں اٹھا سکتا وہ ملکیت کا وارث نہیں ہو سکتا - مگر قرآن حکم دیتا ہے

کہ عورتونکو حق وراثت حاصل ہے مثلاً بیٹی کو بیٹے سے نصف حصہ ملتا ہے

زمانہ جاہلیت کے عرب متوفی خاوند کی عورتوں کو اُسکے وارث کا حق سمجھے

تھے جو اکثر عورتوں کا سوتیلا بیٹا ہوتا تھا - محمد عربی نے اس قسم

کی تمام شادیوں کو بُرا کہا جو اُن سے پہلے عام طور پر کی جاتی تھیں اُس

زمانہ کے عرب اپنی لڑکیوں کو زندہ دبا دیا کرتے تھے جیساکہ عرب کی

اِس مثل سے ظاہر ہے کہ " عورتوں کو پہلے سے دوسری دنیا میں

بھیجدینا فائدہ مند ہے - اور سب سے بہتر داماد - قبر ہے "

اور جو دو شخصوں کی نئی شادی ہوتی تو اُنکو یہہ مُبارکباد دیجاتی کہ " تم سدا

اتفاق سے رہو اور تُمہارے بیٹے ہوں مگر بیٹیاں نہو " اسی قسم کے

خیالات کا ظاہر کرنا تھا - محمد عربی نے نہایت سختی کے ساتھ

اِس بیرحمانہ طریقہ کو منع فرمایا اور کہا کہ وہ لڑکی جو زندہ زمین میں دبائی گئی ہے قیامت کے روز یہہ سوال کریگی کہ مَیں کس گُناہ میں قتل کی گئی - زمانہ جاہلیت کے عرب جنکو یہہ یقین تھا کہ مرنیکے بعد کسی نہ کسی قسم کی آیندہ زندگی ہوگی عورت کو اُس سے بالکل خارج سمجھتے تھے اور بہت سے لوگوں (عیسائیوں) نے یہہ خیال کیا ہے کہ محمدؐ نے بھی ایسا ہی کہا - لیکن قرآن کہتا ہے کہ " جو شخص نیک عمل کرے اور سچا ایماندار ہو خواہ مرد ہو یا عورت بہشت میں داخل ہوگا - ایک بڈھی عورت ایک دفعہ نبیِّ عربیؐ کے پاس آئی اور اُن سے درخواست کی کہ دعا کرو کہ مَیں بھی بہشت میں داخل کیجاؤں - محمدؐ نے جواب دیا کہ کوئی بڈھی عورت بہشت میں داخل نہوگی - یہہ سُنکر جب وہ رونے لگی تو محمدؐ مسکرائے اور اُس مہربانہ ہنسی کے طور پر جو اُنکی عادت تھی فرمایا " کوئی بڈھی عورت بہشت میں نجائیگی کیونکہ وہاں سب دوبارہ جوان ہوجائینگی "

یہہ کہا جاتا ہے کہ خاوندوں کو چاہیئے کہ اپنی جوروؤں سے محبت کریں انجیل کا حکم ہے نہ کہ قرآن کا - مگر سُنو! وہ الوداعی خطبہ محمدؐ کا جو اُنہوں نے کوہ عرفات پر جو حاجی جمع ہوئے تھے اُن سے مخاطب ہوکر اپنی وفات سے ایک سال پہلے فرمایا تھا " یعنی اے لوگو تُمہاری بیویوں پر تُمہارے حقوق ہیں اور تُمہاری بیویوں کے حقوق تُم پر ہیں - اپنی بیویوں سے مہربانی کے ساتھ پیش آؤ کیونکہ فی الحقیقت تُمنے اُنکو اپنی زوجیت میں خُدا کی کفالت کے ساتھ لیا ہے -

اور خدا کے حکم سے وہ تمہارے لیئے جائز ہوئیں - پیغمبر عربی کا
ذاتی خیال طلاق کے مروجہ دستور کی نسبت نہایت خوبی کے ساتھ
اُس مقولہ میں مندرج ہے جو روایات میں اُسنے منسوب کیا گیا ہے
یعنی "مخلوقات الٰہی میں کوئی چیز غلاموں کے آزاد کرنیسے زیادہ مجکو
پسند اور طلاق دینے سے زیادہ قابل نفرت معلوم نہیں ہوتی" اور یہہ
بھی قبول کرنا چاہیئے کہ اس معاملہ میں اُنکا نمونہ ایسا ہی عمدہ ہے جیساکہ
اُنکا حکم - جو کچھہ کہ محمد نے عورتوں کی بہتری کے لیئے کیا وہ صرف
یہی رعایتیں نہیں جو ہمنے اوپر بیان کی ہیں - بلکہ تعدد ازواج کی نسبت سخت
قوانین کی قید لگانے اور اُس قوی اخلاقی خیال کے پیدا کرنے کے علاوہ
جو ان قوانین سے بعد میں پیدا ہوا وہ اس زمانہ تک کے مسلمانوں کے
ملکوں کو اُن پیشہ ور عورتوں سے [جو اپنی ذلیل حالت میں رہتی اور اپنے
وجود سے اُس سوسائٹی کے ہر ایک ممبر کے لیئے دائمی ملامت کا باعث
ہوتی ہیں جسمیں وہ ہوں] ایک ایسے بڑے درجہ تک پاک کرنے
میں کامیاب ہوا جیساکہ اورکسی ملک میں کبھی نہیں ہوا - میں اس امر کو
فراموش نہیں کرتا کہ محمد نے نہایت کے درجہ کی حالت میں خاوندونکو
اپنی عورتوں کو بدنی سزا دینے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ وہ اعتدال
کے ساتھ دیجاوے - اور یہہ کہ اُسنے عورتوں کے لیئے پردہ کا حکم یا
اجازت دی ہے - اور یہہ کہ اپنے لیئے اُسنے تعدد ازواج کی اُس
حد کو توڑ ڈالا جو اُسنے اوروں کے لیئے لگائی تھی - اور یہہ کہ اُسنے

جنگ سے قید میں آئی ہوئی عورتوں کو حرم بنانا جائز قرار دیا - اور میں

بخوبی قبول کرتا ہوں کہ اُسکے پیروؤں نے بہ نسبت اُسکی تعلیم کے اعلیٰ حصوں کی

پیروی کی اِن ناقص حصّوں کی پیروی اور اطاعت کرنے میں بہت زیادہ

مستعدی ظاہر کی ہے - مگر تاہم میں بھروسہ کے ساتھ کہتا ہوں کہ بمقابلہ

بُت پرست مذاہب کے بلکہ یہودیّت کے بھی محمّدؐ نے عورتوں

کو اُنکی پہلی حالت سے بہت زیادہ ترقی دی اور اِسطرح پر اُنکے شکریہ کے

مستحق ہوئے - [انتہےٰ قولہٗ مسلّمہٗ]

مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب کی یہہ رائے کسیقدر حاشیہ

لکھنے کے لائق ہے - صاحب موصوف اگرچہ ایک نہایت غیر متعصب

و ناطرفدار شخص ہیں مگر بعض مسائل مذہبی کے سمجھنے میں اُنکو دھوکا ہوا ہے

اور اِسی وجہہ سے اُنہوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی نسبت

یہہ غلط رائیں قائم کی ہیں - اُنہوں نے اپنے پہلے اعتراض میں جس آیت

کے حکم کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہہ ہے " وَاللَّاتِي تَخَافُونَ

نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ ۖ فَإِنْ

أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ۗ [سورہ نساء] یعنی جن عورتوں کی

سرکشی و تمرّد تمکو خوف میں ڈالدے تو [اوّل] اُنکو سمجھاؤ اور [اسپر بھی

نہ مانے تو] اُنکو اُن کے بستروں میں اکیلا ڈالدو اور [پھر بھی سرتابی کریں تو

اُنکو مارو - پھر اگر تمہاری تابعدار ہوجائیں تو اُنپر اَور کوئی راہ نہ ڈھونڈو -

یعنی کوئی اَور حیلہ اُن کے ایذا دینے یا طلاق دینے کا نہ ڈھونڈو -

اور اسکی تفسیر میں احادیث شریفہ میں وارد ہوا ہے کہ سخت چوٹ نہ مارنی چاہیئے اور منہ پر تو بالکل ہی نہ مارنا چاہیئے - اور ظاہر ہے کہ یہہ سب تدبیریں طلاق و افتراق سی بری چیز سے روکنے اور وقوع میں نہ آنیکے لیئے ہیں - اور مارنا اور وہ بھی خفیف سا صرف اُس حالت میں جائز ہے جبکہ پہلی دو تدبیروں سے کام نہ چلے - اور ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ آیا طلاق دیکر گھر سے نکالدینا اور بال بچوں سے جُدا کر دینا عورت کے حق میں سختی ہے یا سمجھا بوجھاکر اور بشرط ضرورت خفیف سی سزا دیکر محبت و الفت سے [جبکی سخت تاکید ہے] معروف طور پر گھر ابنیا سختی ہے ؟

دوسرا اعتراض بھی کچھ وقعت کے لائق نہیں ہے - ممکن ہے کہ ایک امر کو اہل یورپ برائیاں کریں اور ایشیا کے رہنے والے اسکو اچھا سمجھیں - چنانچہ پردہ کا حسن و قبح بھی اسی اختلاف خیال کا نتیجہ ہے حقیقت یہہ ہے کہ مدینہ منورہ کے بعض ناشایستہ اور بدذات لوگ مسلمان عورتوں سے جبکہ وہ اپنے کاروبار کے لیئے گھر سے باہر جاتی تھیں چھیڑ چھاڑ کیا کرتے تھے اور جب اُنکو کچھ کہا جاتا تھا تو یہہ بدتراز گناہ عذر کر دیتے تھے کہ ہمنے تو کوئی لونڈی سمجھی تھی - پس یہہ آیت نازل ہوئی کہ " يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ " جسکا مدعا یہہ ہے کہ عورتیں ایک لمبی چادر اوڑھے بغیر گھر سے باہر نہ نکلا کریں تاکہ ہر کوئی پہچان سکے کہ وہ ذی عزت اور شریف گھرانے

کی ہیں اور کوئی انکو تکلیف نہ دیسکے - البتہ جو پردہ آجکل ھندوستان کے
مسلمانوں میں رایج ہے وہ بیشک اعتدال سے بڑھا ہوا ہے -
شریعت اسلام نے ایسے پردہ کا حکم ہرگز نہیں دیا بلکہ صرف اُس بیحجابی
اور آزادی کو روکا ہے جسکے قبیح نتیجے فرنگستان کی عورتوں کے
لیئے سخت بدنامی کا باعث ہیں اور جسکی شکایت کپتن ٹیلر صاحب نے
اپنے اُس مضمون میں کی ہے جو اُنہوں نے وولور ھمپٹن کی
چرچ کانگرس کے روبرو پڑھا تھا اور جسکا ذکر ہم اوپر لکھ آئے ہیں
تیسرا اعتراض جو بظاہر بہت ثقیل معلوم ہوتا ہے وہ بھی کچھ اصلیت
نہیں رکھتا اور صاحب موصوف کی بے تعصبی و حق پسندی سے ہمکو
اُمید ہے کہ اگر اُنکو اصل حقیقت معلوم ہو جاے تو وہ فوراً اپنے اس اعتراض
کو واپس لے لینے میں تامل نہ کرینگے - مخالفین اسلام کو مصحف میں سورہ
نساء کو [جسکے شروع ہی میں مسلمانوں کو ایک وقت میں چار سے زیادہ
نکاح کرنے کی ممانعت ہے] پہلے اور سورہ احزاب کو [جسمیں آنحضرت
کے ازدواج کے احکام ہیں] پیچھے دیکھکر یہہ دھوکا ہوا ہے کہ آپنے
اپنے لیئے اُس حد کو توڑ ڈالا جو اوروں کے لیئے مقرر کی تھی لیکن
اصل میں یوں نہیں ہے - نزول کے اعتبار سے سورہ احزاب
سورہ نساء پر مقدم ہے - چنانچہ شیخ امین الاسلام ابو علی فضل اللہ
الطبرسی علیہ الرحمہ نے یہہ تحقیق کرتے ہوے کہ مکّی سورتیں کونسی ہیں
اور مدنی کونسی - بڑی قوی دلیلوں سے ثابت کیا ہے کہ سورہ نساء مدنی

ہے - اور سورہ احزاب کے بعد [جو نویں سال ہجری میں اُتری تھی] نازل ہوئی ہے [دیکھو تفسیر مجمع البیان ذیل سورہ ہل اتی] اور اتقان میں علامہ سیوطی نے اسکے ثبوت میں یہہ دلیلیں لکھی ہیں۔

(۱) قصیدہ تقریب المامول فی ترتیب النزول تصنیف برہان الجعبری

(۲) وہ روایت جو ابن ضریس نے فضایل القرآن میں حضرت ابن عباس سے نقل کی ہے۔

(۳) وہ روایت جو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں عکرمہ کی سند پر بیان کی ہے۔

پس جبکہ سورہ نسا اتری ہی تھی اور اُسکی وہ آیت جسمیں مسلمانوں کو ایک وقت میں چار سے زیادہ نکاح کرنے کی ممانعت ہے نازل ہی نہیں ہوئی تھی تو یہہ کہنا کہ " آنحضرت نے اپنے لیئے اُس حد کو توڑا لا اور دوسروں کے لیئے مقرر کی تھی صریح غلطی ہے۔

خدیجہ علیہا السلام کی وفات کے بعد آنحضرت نے بعض وجوہات طبعی رحم ، مروت اور شاید خواہش اولاد سے بھی جس سے کوئی نفس بشری خالی نہیں ہے اور جسکے لیئے بڑے بڑے انبیاء بنی اسرائیل خدا سے دُعائیں مانگتے رہے ہیں۔ آٹھویں سال ہجری تک وقتاً فوقتاً چند عورتوں سے نکاح کیئے تھے جنمیں سے بعض عمر کی ادھیڑ اور صاحب اولاد کثیر اور بعض تقریباً ضعیفہ یا بیوہ تھیں اور جسمیں کنواری صرف ایک ہی تھی اور ان کے سوا ایک حرم تھی جسکو مقوقس بادشاہ

اسکندریہ نے جو عیسائی تھا چھٹے سال ہجری میں آنحضرت کے شقہ کے جواب کے ساتھ ہدیۃً بھیجا تھا اور یہہ سب نکاح و تصرف معروف طور پر موافق طریقہ انبیا سے سلف عمل میں آئے تھے۔ اور بجز ایک نکاح کے جسکی تشریح یہاں غیر ضروری ہے اور جو ایک آیندہ بڑی اصلاح معاشرت کے لیے وقوع میں آیا تھا رسم ملک کے بھی برخلاف نہ تھے۔ چنانچہ خدا تعالی نے یہہ فرماکر انکو جائز رکھا "یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَحْلَلْنَا لَکَ اَزْوَاجَکَ اللّٰتِیْ اٰتَیْتَ اُجُوْرَھُنَّ وَمَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلَیْکَ" [سورہ احزاب] یعنی اے نبی ہمنے حلال رکھیں تیرے لیے تیری وہ بیبیاں جنکے مہر تو دیچکا ہے اور جسکا مالک ہوا ہے تیرا ہاتھ اُس مال میں سے جو خدا نے بطور "فے"* کے تجکو دیا ہے مگر آیندہ کے لیے ازدواج سے یہہ فرماکر قطعاً منع فرما دیا کہ "لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِھِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَکَ حُسْنُھُنَّ اِلَّا مَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ" یعنی نہیں حلال تجکو عورتیں مطلقاً اسکے یعنی ازواج موجودہ کے بعد [جو نو تھیں] اور نہ یہہ حلال ہے کہ انکی بدلے اور بیبیاں کرے اگرچہ انکا حُسن تجکو تعجب ہی میں ڈالدے۔ اور چونکہ لفظ "نساء" ایسا عام تھا کہ جس سے حکم امتناعی اُس صنم محترم سے بھی متعلق ہوتا تھا جسکا اوپر ذکر ہوا "اِلَّا مَا مَلَکَتْ یَمِیْنُکَ" فرماکر اُسکو مستثنے کر دیا

* مخالفین مذہب سے جو چیز مسلمانوں کو بغیر لڑائی بھڑائی کے حاصل ہو اُسکو "فے" کہتے ہیں جیسے مقوقس کے ہدایا وغیرہ۔ مؤلف عفی عنہ

یعنی جسکا تیرا داہاں ہاتھ مالک ہوچکا ہے [فے کے ذریعہ سے] وہ اس حکم سے مستثنےٰ ہے -

اب شاید کوئی معترض یہہ اعتراض کرے کہ سورہ نساء کی آیت کے نزول کے بعد جسطرح وہ عورتیں جو چار کے سوا مسلمانوں کے نکاح میں تھیں اُنسے علحدہ کرادی گئی تھیں* آپکو بھی واجب تھا کہ چار کے سوا اورنکو علحدہ کردیتے مگر ہم بیان کرچکے ہیں کہ اور مسلمانوں کی طرح آنحضرت کو طلاق کی اجازت نہ تھی اور نہ بحالت طلاق کوئی مسلمان اُن ازواج مطہرات سے نکاح کریکا مجاز تھا اور نہ طبعاً بلحاظ ادب واحترام اپنے رسول کے [جیساکہ تمام اہل مذاہب کا عام قاعدہ ہے] اُن سے نکاح کرسکتا تھا - پس ایسی حالت میں اُن میں سے کسی کو علحدہ کرکے فقر وفاقہ کی مصیبت میں ڈالدینا سراسر ظلم اور خلاف رحم وانسانیت ہوتا جو کسی طرح آنحضرت کی سیرت کریم کے لایق نہ تھا - پس کیا بلحاظ اُس حکم کے جو خاصۃً آپ کے حق میں نازل ہوا تھا اور کیا بلحاظ اس وجہ کے جو ہمنے بیان کی آپ ازواج موجودہ کی تعداد کو کم نہیں فرماسکتے تھے - پس حقیقت میں دیکھو تو آنحضرت کے احکام ازدواج اور مسلمانوں کے احکام ازدواج کی بہ نسبت زیادہ تنگی اور قید نفس کے تھے اور کسی جھوٹھے مدعی رسالت سے اُمید نہیں کیجاسکتی اور نہ اسکا احتمال ہوسکتا ہے کہ اپنے حق میں ایسے احکام صادر کرے جو اُسکے معتقدوں

---

* حضرت نحمیا اور عزیر نبیوں نے بھی بنی اسرائیل سے وہ اجنبی عورتیں علحدہ کرادی تھیں جن سے اُنہوں نے نکاح کرلیئے تھے [دیکھو صحیفہ عزرا باب ۱۰ ورس ۱۱-۱۲-۱۹] مؤلف

کی بنسبت اُسکے پیئے زیادہ موجب دقت ومانعت اور تنگی اور قید نفس کے ہوں۔ بلکہ خواہش ومیلان قلبی کے بھی برخلاف ہوں۔

چوتھے الزام کو اگر الزام کہا جائے تو اُس سے نہ حضرت موسیٰؑ ہی بچ سکتے ہیں نہ حضرت عیسیٰؑ ہی اور نہ انکا وہ مشہور ومعروف سرگرم حواری [پولوس] جسکو عیسائی نہایت پاک ومقدس اور مؤید بروح القدس سمجھتے ہیں۔ چنانچہ خود مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب کا قول ہم اوپر بیان کر آئے ہیں [دیکھو صفحہ ۲۲۸ - ۲۲۹] کہ " موسیٰؑ نے عادات ورسوم ملکی مثل × × × اور غلامی کو جیسا پایا ویسا ہی رکھا" اور " مسیحؑ نے اُسوقت خاص کا خیال چھوڑ دیا اور سلطنت روم قدیم کی سخت برائیوں مثل × × × اور غلامی کو جو اُسکی روح کو صدمہ پہنچاتی ہونگی برا بھلا نکہا" اور " صرف اسپر قناعت کی کہ اپنے پیرؤوں کے دلوں میں نیک اصولوں کا بیج بودے کہ جب وقت آئے تو وہ قبیح رسوم ودستورات خود بخود مٹ جائیں" مگر ہم فخر سے کہتے ہیں کہ گو حضرت مسیحؑ نے غلامی کو برا بھلا نکہا ہو اور باوجود ضرورت خاموشی اختیار فرماکر اپنی روح مبارک کو صدمہ پہنچایا ہو مگر ہمارے پیارے رحمۃ للعالمین نے ایسا ہنیں کیا۔ بلکہ اپنی رسالت کے شروع ہی میں بغیر اسکے کہ صنادید قریش کی رضامندی وناراضامندی کا کچھ خیال کریں بڑی شدومد سے غلاموں کی آزادی کا وعظ فرمایا اور آخر کار اُنکو غلامی کی بدترین وذلیل ترین حالت سے نکالکر اخوت وبرابری کے اعلیٰ ترین درجہ پر پہنچایا۔ اور اسطرح

پر ثابت کر دیا کہ اسکا وجود باوجود نہ صرف آزاد مردوں اور آزاد عورتوں ہی کے لیئے موجب رافت و رحمت تھا بلکہ اُسنے کہیں بڑھکر بیچارے - بے بس غلاموں اور بیکس لونڈیوں کے حق میں باعث آرام و راحت ہوا - اور اُسنے نہ صرف موجودہ غلاموں کے آرام و آسایش اور حتی الامکان اُنکو آزادی کے خاص کے بہانے پر اکتفا کی بلکہ یہہ دو لفظ فرما کر کہ " اَمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً " ایک ایسے نیک اُصول کا بیج بو دیا کہ جب وقت آئے تو یہہ بیرحمانہ و خلاف انسانیت رسم خود بخود مٹ جائے - چنانچہ خدا کا شکر ہے کہ وہ وقت آن پہنچا کہ کچھ کچھ مسلمانوں کی یہہ رائے ہو چلی ہے کہ اُن کے خدا اور رسول کا حکم لڑائی کے قیدیوں کے باب میں صرف یہہ ہے کہ اُن پر احسان رکھکر یا کچھ چھڑائی لیکر چھوڑ دیا جائے - چنانچہ وہ آیت جسمیں یہہ پاک الفاظ ہیں یہہ ہے " فَاِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰۤی اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً " [سورہ محمد آیہ ۴] یعنی اُس مجسم رحمت نے اپنی رحم و رافت سے بھری ہوی زبان سے فرمایا کہ خدا تعالی یہہ حکم دیتا ہے کہ " پھر جب تم کافروں سے لڑو تو اُنکی گردنیں کاٹو یہانتک کہ جب اُنکو خوب چور چور کر چکو تو مضبوط باندھلو پھر احسان رکھکر یا کچھ چھڑائی لیکر چھوڑ دو " اور یہہ سب کچھ اُسنے ایک ایسے زمانہ میں کیا کہ آزاد کرنا تو کیا کوئی یہہ بھی نہیں جانتا تھا کہ بیچارے غلام بھی ہم جیسے ہی خدا کے بندے ہیں اُنپر سختی اور ظلم کرنا نہیں چاہیئے - پس اِسلام کے سوا کونسا مذہب ہے کہ جسمیں غلاموں کے بیکس و

بے بس گروہ کے حق میں ایسے رحم ورافت سے بھرے ہوئے احکام موجود ہوں - یہہ سچ ہے کہ حضرت میسیح نے اپنے معتقدوں کو یہہ ہدایت کی ہے جیسے کہ آنحضرت نے بھی فرمائی کہ انکو اوروں کے ساتھ اُسطرح پیش آنا چاہیئے جیسا کہ اوروں کا اپنے ساتھ پیش آنا چاہتے ہیں - مگر اس سے یہہ نتیجہ نکالنا کہ جناب موصوف نے یہہ فرما کر درحقیقت غلامی کو موقوف کردیا صحیح نہیں سمجھا جا سکتا - چنانچہ مسٹر گاڈفری ہیگنس لکھتے ہیں کہ "یہہ بات ظاہر میں تو بہت اچھی معلوم ہوتی ہے - مگر افسوس ہے کہ عمل میں ایسا نہیں ہے" اور خود مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب کا قول ہم اوپر نقل کر آئے ہیں کہ "شاید یہہ بات تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے کہ عیسائیت اور غلامی ایک روز کے لیئے بھی کسطرح اکٹھی رہیں - لیکن ہمکو تو حقایق سے بحث ہے اور یہہ امر محقق ہے کہ غلامی بیشک عیسائیت کے ساتھ ساتھ رہی ہے بلکہ اُسنے عیسائیت کی رو سے جائز ہونیکا دعوی اس اُنیسویں صدی تک بھی کیا ہے" اور یہہ کہ "انجیل میں بیشک کوئی صریح ممانعت غلامی کی نہیں ہے - بلکہ برخلاف اُسکے اُسمیں غلامی کو بطور ایک موجودہ رسم کے تسلیم کیا گیا ہے - اور پولوس نے مالکوں کے ساتھ نوکروں کے فرایض کو [جنکو اُسنے غلاموں کے سخت نام سے مخاطب کیا ہے] ایسی ہی صراحت سے بیان کیا ہے جیسے کہ مالکوں کے فرایض کو اُنکے ساتھ" پس اسلام کی فضیلت اور مذاہب پر اس معاملہ میں بھی ویسی ہی ثابت ہے جیسے کہ اور معاملات میں ثابت ہے اور نہایت فخر اور خوشی کا مقام ہے کہ

بعض منصف اور غیر متعصب عیسائیوں نے بھی اسکا اعتراف کیا ہے
چنانچہ یہی صاحب جنکا ذکر پہلے بھی ہوا اپنی کتاب " محمد اینڈ محمڈن
ازم " میں لکھتے ہیں کہ " اب ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ غلامی کی نسبت
اسلام نے کیا کیا - چنانچہ ہمیں کلام نہیں ہو سکتا کہ اسکے باب میں بھی ترقی
کی جانب قدم بڑھایا گیا بلکہ عورتوں کے باب میں جو قانون بنایا گیا اسکی
بہ نسبت غلامی کے معاملہ میں زیادہ ترقی کیگئی - بیشک محمد نے غلامی
کو بالکل مٹا نہیں دیا کیونکہ ملک کی موجودہ حالت کے لحاظ سے ایسا کرنا
نہ تو مناسب ہی تھا اور نہ ممکن ہی تھا لیکن انہوں نے لوگوں کو غلاموں کے
آزاد کرنے کی رغبت دلائی اور یہہ اصول قرار دیا کہ جو قیدی مسلمان ہو جاے
وہ آزاد سمجھا جاے - اور اس سے بھی زیادہ تر اہم بات یہہ کی کہ انہوں
نے حکم دیا کہ کوئی آزاد شدہ غلام اس سبب سے کہ اسنے محنت مشقت سے
ایک دیانتداری اور عزت کی زندگی بسر کی ہے ذلیل نہ سمجھا جاے اور انکی
نسبت جو حالت غلامی میں ہوں یہہ حکم دیا کہ ان کے ساتھ مہربانی اور ملائمت
سے برتاؤ کیا جاے - چنانچہ انہوں نے اپنے اخیر الوداعی خطبہ میں جو اپنی
وفات سے ایک سال پہلے بمقام منا پڑھا تھا کہا کہ " اے مسلمانو
تم غلاموں کو ویسا ہی کھانا کھلاؤ جیسا کہ تم خود کھاتے ہو اور ویسا ہی کپڑا
پہناؤ جیسا کہ خود پہنتے ہو - کیونکہ وہ بھی خدا کے بندے ہیں انکو ستانا
نہیں چاہیئے - پس ایک غلام جو قانون اور ایسے اعلی درجہ کے احکام
مذہبی کی حفاظت میں ہو وہ ان معنوں کے لحاظ سے جو لفظ غلام کے

اِس زمانہ میں سمجھے جاتے ہیں غلام نہیں کہا جاسکتا - جیساکہ میں اوپر
بیان کرچکا ہوں - یہہ امر قابل لحاظ ہے کہ وہ لفظ جسکا ترجمہ غلام ہے
قرآن میں کہیں نہیں آیا - جو جملہ قرآن میں استعمال کیاگیا ہے وہ یہہ ہے
" وہ جو تمہارے دائیں ہاتھ کے قبضہ میں ہیں " جسکے معنی صرف
یہہ ہیں کہ جو ایک واجب طور کی لڑائی میں قید ہوکر آئے ہوں اور
اس طرح پر اپنی آزادی سے محروم ہو گئے ہوں - ایسے قیدی اگر مسلمان
ہوجاتے تھے تو اُنکی نسبت یہہ حکم تھا کہ آزاد کردیئے جائیں - لیکن اگر
اپنے مذہب پر قائم رہتے تھے تو اُنکا حکم اپنے معتقدوں کے لیئے
یہہ تھا کہ پھر بھی تُم اُنہیں اپنا بھائی سمجھو - اُنہوں نے فرمایا کہ " جو مالک اپنے
غُلام سے مہربانی کرے وہ مقبول خُدا ہوگا - اور جو اپنے اختیار کو بُرے
طور پر استعمال میں لائے یعنی غُلام کو ستائے وہ داخل بہشت نہوگا -
ایک مسلمان نے اُن سے سوال کیا کہ جو میرا غلام مجھے ناراض کرے تو
کتنی بار مجھے معاف کردینا چاہیئے نبیّ عربی نے جواب دیا " ایک
روز میں ستّر دفعہ " محمّد نے ایک نیم شایستہ ریاست کے سردار کی
طرح قیدی عورتوں کو حرم بنانا جائز رکھا لیکن وہ عورت جسکے اسطرح پر
اولاد ہوجائے اُسکی نسبت یہہ حکم دیا کہ وہ اولاد سے جُدا کیجائے -
اور نہ وہ پھر بیچی جائے - بلکہ مالک کے مرجانے کی حالت میں آزاد سمجھی جائے
یہہ رحیمانہ قوانین جیسے کہ اُمید کیجاسکتی ہے قوانین شریعت موسوی کے
موافق ہیں - لیکن بہت سی باتوں کے لحاظ سے اُن سے بہتر ہیں بلکہ

ایسے ہیں کہ کسی یوروپین یا امریکین بردہ فروش سلطنت نے اپنے مجموعہ قوانین میں اسوقت تک درج نہیں کیے تھے - جبکہ عیسائیت کی موج نے [انسانیت و شایستگی کی موج لکھتے تو معقول ہوتا] غلامی کو بالکل نیست و نابود کر دیا - مثلاً ایک یہودی قوم کا آدمی جب غلام ہو جاتا تھا اسکی نسبت [شریعت موسوی کا] یہہ حکم تھا کہ "جب وہ اپنی غلامی کا زمانہ پورا کرے تو آزاد سمجھا جاے" لیکن وہ عورت جس سے اسکے مالک نے اسکی شادی کر دی ہو مع بال بچوں کے اس سے جدا کر لیجاے اور غلامی میں رہیں - جو مسلمان مالک اپنے غلام پر بیوجہ خفا ہو اسپر واجب ہے کہ اسکو فوراً آزاد کر دے - مگر بخلاف اسکے اگر کوئی یہودی اپنے غلام کو یہانتک ستاے کہ اسکو جان سے مار ڈالے تو اسکے لیئے صرف ایک سزا کا حکم تھا - لیکن اگر وہ اس سزا کی حالت میں ایک یا دو دن تک زندہ رہے تو بالکل چھوڑ دیا جاے جیسا کہ انجیل کے انگریزی ترجمہ میں خوفناک سخت الفاظ میں اسی مطلب کو یوں ادا کیا گیا ہے کہ "غلام اپنے مالک کا روپیہ ہے" یعنی جسطرح چاہے اسے استعمال کرے - امریکہ کی ان سلطنتوں میں جنمیں غلامی جائز تھی غلام کو کوئی حق قانونی حاصل نہ تھا - اگر کوئی مالک اپنی لونڈیوں سے نیک برتاؤ کرتا تھا تو یہہ صرف اسکی انسانیت سمجھی جاتی تھی نہ کہ اسلام کی طرح کہ اسکے [یعنی مالک کے] نہایت عروج کی حالت میں بھی عدالت کو اجازت تھی کہ اسکو غلام پر مہربانی کرنے کیلئے مجبور کر سکے

تمام انسانوں کا خدا کی نظر میں برابر ہونا ایک ایسا اصول تھا جسپر محمدؐ نے ہر ایک مقام پر زور دیا ہے اور اس طرح پر چونکہ یہہ اصول غلامی کی نسبت ذات وغیرہ کے خیال کو بالکل مٹا دیتا تھا اسلئے غلامی کی ذلت کو بھی رفع کردیا۔ محمدؐ کے نزدیک محنت نا ذلت کا موجب تھا۔ اور ملک عرب کی رسم غلامی (جسمیں محمدؐ کی مہربانی سے والدین اور بچوں اور عزیزوں کا ایک دوسرے سے جدا کیا جانا بالکل موقوف تھا) اگرچہ اصولاً ہمیشہ بُرا کہنے کے لائق ہے۔ لیکن اُسکی وجہ سے غلامی ایک زیادہ تر مستحکم اور زیادہ تر مستقل تعلق ہوگیا جو گھر میں دوسرے لوگوں سے خدمت لینے کے اُس طریقہ سے جو اور ملکوں میں جاری تھا کچھ زیادہ بُرا نہیں کہا جا سکتا" انتہے قوله

اس لائق مصنف نے جن احکام اسلام کا ذکر کیا ہے اُن میں یہ دو باتیں اور شامل کرنی واجب تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ " غلاموں سے ایسی تکلیف کے کام نہ لیئے جائیں جو اُنکو تھکا دیں اور اگر ایسی تکلیف کا کام اُنکو دیا جاسے جو اُنکو تھکا دے تو اُسمیں خود اُنکی مدد کرو" [دیکھو صحیح بخاری باب قول النبی العبید اخوانکم]

دوسرے یہہ کہ " ہرگز کوئی یہہ نہ کہے کہ "میرا غلام اور میری لونڈی" تُم سب خُدا کے غلام اور تمہاری سب عورتیں خدا کی لونڈیاں ہیں مگر یوں کہے کہ "میرا بچہ اور میری بچی اور میرا لڑکا اور میری لڑکی" [دیکھو صحیح مسلم کتاب الالفاظ من الادب] تاکہ ہر کسی کو معلوم ہو جاتا کہ بانی اسلام علیہ الصلوۃ والسلام نے غلاموں کی تکلیف کے کم یا موقوف کردینے ہی پر بس نہیں کیا۔

بلکہ اُنکی نسبت لونڈی غلام کے لفظ کے استعمال کی بھی جس سے اُنکی حقارت نکلتی تھی بتاکید ممانعت اور نہایت شایستہ و مہذب اور شفقت آمیز الفاظ سے مخاطب کرنیکی ہدایت فرمائی۔

بہرحال ان موعظت و احکام کا جو اثر لوگوں کے دلوں پر ہوا وہ حسن معاشرت کی بے انتہا خوبی اور عام اخلاق کی زیادہ از حد ترقی ثابت کرنیکو کافی ہے چنانچہ یہ کیا کچھ کم حیرت انگیز امر ہے؟ کہ پیغمبر کی نورنظر [فاطمۃ الزہرا] اپنی لونڈی کے ساتھ بیٹھکر چکی پیسے میں کبھی اپنے ہاتھ سے ہتی کو پیچھے سے تھامتی تھی اور کبھی لونڈی تاکہ لونڈی کو بی بی سے زیادہ تکلیف نہو۔

اور اسلام کا وہ مشہور و معروف خلیفہ [عمر فاروق] جو مسلمان ہونیسے پہلے اپنی لونڈی کو اس گناہ پر مارتے مارتے تھک جاتا تھا کہ وہ بتوں کی غلامی چھوڑکر سچے دل سے اپنے اور اُسکے اصلی مالک [خدا] کی غلام بنگئی تھی اپنے عین عروج کے زمانہ میں اپنی باری میں اونٹ کی مہار پکڑکر جسپر اُسکا غلام سوار ہوتا تھا پاپیادہ چلنے کو فخر سمجھتا تھا۔ اور ایسی ہی اور بہت مثالیں ہیں جن سے خودبخود یہہ یقین ہوتا ہے کہ یہہ انسان کا نہیں بلکہ اُسیکا کام تھا جو کیا آزاد کیا غلام سب کا مالک اور اُن سے دلونکے پھیر دینے پر قادر ہے۔ اب ہم اس بحث کو اسی شہادت پر ختم کرتے ہیں اور خیرات و برکات کا بیان شروع کرتے ہیں جو جناب مقدس مصطفوی کی بدولت دنیا کے شامل حال ہوئیں۔

اپنے ہمجنسوں اور بنی نوع سے ہمدردی اور اُنکی حاجتوں میں

ُانکی مدد کرنا جو ایک نہایت اعلیٰ صفت انسانی یا یوں کہو کہ انسانی فطرت کا مقتضا ہے اگرچہ اکثر حکما و انبیاے سلف خصوصاً مسیح علیہ السلام نے اُسکی رغبت دلائی اور تاکید کی ہے اور اُسکے کچھ کچھ طریقے بھی بتائے ہیں۔ مگر صاحب قرآن علیہ وآلہ صلواۃ الرحمان کے لیئے جو بات خصوصیت کی ہے وہ یہہ ہے کہ اُسنے اُسکی نہایت درجہ کی ترغیب و تحریص کے ساتھ اُسکا طریق عمل بھی ایسا عمدہ بتایا ہے جو بالکل ترتیب فطری و نظام طبعی کے مطابق ہے - چنانچہ فرمایا " اُعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا " [سورہ نساء] یعنی عبادت کرو اللہ کی اور نہ شریک کرو اُسکے ساتھ کسی چیز کو بھی - اور ماں باپ کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ - اور رشتہ داروں اور یتیموں اور نادار محتاجوں اور رشتہ دار ہمسایوں اور بیگانے ہمسایوں اور ہمنشینوں اور [درماندہ] مسافروں اور اُن کے ساتھ جنکے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوتے ہیں [یعنی لونڈی غلام]۔ بیشک خدا دوست نہیں رکھتا مغرور اترانے والوں کو [یعنی جو لوگ کسی حقدار کو کچھ دیکر اتراتے ہیں خدا اُنکو پسند نہیں کرتا]-

غور کرو! کہ اگر کوئی شخص ماں باپ - بھائی بہن - بیٹا بیٹی اور ایسے ہی اور قرابت داروں کو چھوڑ کر دور کے رشتہ داروں یا دوستوں یا تمام لوگوں سے ہمدردی اور اُنکی حاجتوں میں اُنکی مدد کرے تو نہایت قابل ملامت

خیال کیا جا سکا کیونکہ اُسنے فطرت کے ایک مستحکم قاعدے کو توڑا اور اسکی
برخلافی کا مرتکب ہوا - لیکن اگر اُسنکے علاوہ دور کے رشتہ داروں اور دوستوں
اور عام لوگوں سے بھی ہمدردی کا برتاؤ کرے تو نہایت قابل تعریف
سمجھا جاسکا - اس وجہ سے کہ قدرت کے منشا کو اُسنے بدرجہ اتم پورا کیا اور
اُسکی نہایت کامل طور پر تعمیل کی - بس نہایت سچی اور قابل توصیف ہمدردی
وہی ہے جو ترتیب فطری و نظام طبعی کی کامل رعایت کے ساتھ عمل میں
آوے - چنانچہ یہی بات قرآن مجید کی اس آیہ کریمہ میں ہمکو بتائی گئی ہے
اور اس سے ثابت ہوتا ہے - کہ جسنے انسان میں یہہ اعلی صفت [ہمدردی کو]
پیدا کی ہے اُسی نے یہہ ترتیب بھی بتائی ہے - کیونکہ اُسکے فعل اور قول
میں تطابق کا ہونا ضروری ہے اور وہ کبھی مختلف نہیں ہو سکتے -

قرآن مجید کو جب ہم کھولتے ہیں تو شروع ہی میں یہہ آیتیں پاتے
ہیں " الٓمٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ
يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ
يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ
اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۙ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ " یعنی اس
کتاب کے کلام خدا ہونے میں شک نہیں ہے - سیدھی راہ
بتانے والی ہے اُن پرہیزگاروں کو جو ایمان لاتے ہیں آنکھ سے
اوجھل [اللہ] پر اور ٹھیک طور سے ادا کرتے ہیں نماز - اور جو کچھ مال
حلال سے انکو دیا ہے اُسمیں سے دیتے ہیں [مستحقوں کو] اور وہ

لوگ جو ایمان لاتے ہیں اُس چیز پر جو تجھپر [اے ہمارے رسول] اُتاری
گئی ہے اور اُسپر بھی جو تجھسے پہلے اُتارا گیا ہے [اور نبیوں پر] اور
آخرت پر بھی وہ یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی مہربانی
سے سیدھی راہ پر ہیں اور یہی مُراد کو پہنچنے والے ہیں" اور اسی مطلب
کو ایک دوسری جگہہ یوں بیان فرمایا " لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ
قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ
الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ
فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۞ [سورہ بقرہ ربع سیقول] یعنی۔ کچھہ یہی نیکی نہیں
کہ اپنے مُونہہ پُورب اور پچھم کی طرف پھیر لو ولیکن نیکی یہہ ہے جو کوئی
ایمان لاوے خدا پر اور پچھلے دن پر اور فرشتوں پر اور قرآن پر اور نبیوں پر
اور دیوے مال باوجود اُسکی چاہت کے رشتہ داروں اور یتیموں اور
نادار محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے
[یعنی غلاموں کے آزاد کرنے اور کرانے] میں اور دُرستی سے پڑھے
نماز اور دیوے زکات اور پورا کرے اپنے اقرار کو جبکہ اقرار کر چکے اور
ثابت قدم رہے سختی اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت [جو دشمنان
دین کے دفع شر کے لیئے ہو] یہی لوگ ہیں جو سچے دل سے ایمان

لائے ہیں اور یہی ہیں صاحب تقوی و پرہیزگاری' فرمایا یہہ کہ نماز
میں مشرق یا مغرب کی طرف موںہہ کرلینا اور خدا اور قیامت اور فرشتوں
اور قرآن اور نبیوں کو مان لینا اور نماز پڑھنی اور زکات دینی اور عہد کو پورا
اور سختی اور تکلیف کو برداشت کرنا قرآن کریم کی نظر میں ایماندار اور صاحب
تقوی ہونیکے لیئے کافی نہیں ہے بلکہ مال حلال خصوصاً اُس مال میں سے
جو زیادہ محبوب اور مرغوب ہو بلاقید ملت و مذہب اپنے ہمجنسوں اور
بنی نوع کی رفاہ و فلاح کے لیئے خرچ کرنا ضروری ہے کہ اسکے بغیر نہ
انسان پورا ایماندار اور متقی ہی ہو سکتا ہے اور نہ خدا کی مہربانی ہی حاصل کرسکتا
ہے جیسا کہ اُسنے خود فرمایا " لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ "
[سورہ آل عمران] یعنی ہرگز خدا کی مہربانی حاصل نہ کرسکو گے جبتک کہ
اُس مال میں سے خرچ نہ کرو گے کہ جس سے محبت رکھتے ہو' چنانچہ
ان مواعظ و احکام کی یہی تاثیر لوگوں کے دلوں پر ہوئی کہ اکثر صحابہ کرام باوجود
اس ایمان و ایقان اور عبادت و ریاضت اور زہد و تقوی کے جسمیں وہ
اپنی نظیر آپ ہی تھے انفاق فی سبیل اللہ کو سب اعمال خیر پر مقدم سمجھتے
اور اپنے محبوب ترین و مرغوب ترین مال کو بڑے شوق و رغبت سے
راہِ خدا میں خرچ کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ منقول ہے کہ جناب علیؑ
مرتضےٰ علیہ التحیۃ والثنا نے جو ایک دفعہ ایک کپڑا خریدا اور وہ آپکو اچھا
معلوم ہوا تو آپ نے فوراً ایک مستحق کو دیدیا۔ اور یہہ آیہ کریمہ پڑھی۔ اور
ابُوطلحہ رضؓ نے جو انصار میں سے ایک صحابی ہیں اپنا ایک باغ جو انکو بہت

عزیز تھا فوراً اپنے قریب رشتہ داروں پر تقسیم کر دیا - اور زیدؓ بن حارثہ نے اپنا گھوڑا جو انکو بہت پسند تھا ایک شخص کو بخشدیا - اور ابو ذرؓ نے جو از صحابہ مشہور ہیں کچھ مسافر جو ان کے ان آنکر ٹھہرے اور ان میں سے ایک شخص ان کے کہنے کے برخلاف ان کے اونٹوں میں سے ایک اونٹ جو عمدہ تھا اسکو اس خیال سے چھوڑ آیا کہ کسیدن ان کے کام آئیگا اور اسکے بدلے ایک پتلی دبلی اونٹنی ذبح کرنے کو لے آیا تو وہ ناخوش ہوئے اور کہا کہ تو نے مجھسے خیانت کی اور مجھکو اس اونٹ کی کچھ حاجت نہیں - مجھکو تو اسکی حاجت اُس دن ہوگی جبکہ میں قبر میں رکھا جاؤں اور کہا کہ کیا تو نہیں جانتا ہے کہ مال میں تین شریک ہیں - ایک تقدیر جو تجھسے پوچھنے کی محتاج نہیں - دوسرا وارث جو اسکا منتظر ہے کہ تو مرے اور وہ اسپر قابض ہو جائے - تیسرا تو خود - پس نہیں چاہئیے کہ تو تینوں میں کمزور ثابت ہو اور اپنے فائدے کے لیئے اسکو خرچ نہ کرے اور پھر یہی آیہ شریفہ پڑھی اور کہا کہ یہہ اونٹ مجھکو اپنے تمام مال سے پیارا ہے پس میں چاہتا ہوں کہ اسکو اپنے لیئے آگے بھیجوں -

آیات ذیل کو پڑھو اور دیکھو کہ کسقدر جود وایثار اور انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب وتحریص پر مشتمل ہیں - اور کس طرح پر بلالحاظ خویش وبیگانہ اور ملت و مذہب کے عامہ علایق سے نیکی اور احسان کرنے کی ہدایت کرتی ہیں - خدا تعالیٰ فرماتا ہے -

---

(۱) قُل لِّعِبَادِیَ الَّذِینَ آمَنُوا	(۱) یعنی - کہدے [اے ہمارے رسولؐ]

يُقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ۝
(سورہ ابراہیم)

میرے اُن بندوں کو جو ایمان لائے ہیں کہ پڑھتے رہیں نماز اور خرچ کرتے رہیں اُس مال حلال میں سے جو ہم نے اُنکو دیا ہے پوشیدہ اور ظاہر قبل اسکے کہ آئے وہ دن کہ جس میں نہ بیچنا کھوچنا ہے [جو نیک اعمال خرید سے جا سکیں] اور نہ دوستی [جو کام آسکے]

(۲) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (سورہ بقرہ)

(۲) اے لوگو جو ایمان لائے ہو خیرات دیتے رہو اُس مال میں سے جو ہم نے تمکو دیا ہے قبل اسکے کہ آجائے وہ دن جس میں نہ بیچنا کھوچنا ہے اور نہ دوستی اور نہ سفارش۔ اور جو ناشکرے ہیں وہی برا کرنے والے ہیں [اپنے حق میں]

(۳) اَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۚ وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (ایضا)

(۳) اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور نہ ڈالو اپنے کو ہلاکت میں اور [اپنے ہمجنسوں سے] نیکی کرو بیشک اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنے والوں کو۔

(۴) وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ (ایضا)

(۴) جو کچھ تم خرچ کرتے ہو مال میں سے تو وہ تمہارے ہی لیے ہے اور تم خرچ نہ کرو گے مگر خدا کی رضامندی حاصل کرنے کو اور جو تم خرچ کرو گے مال میں سے پورا پہنچا دیا جائیگا تمہارے پاس اور تمہارا حق کچھ نہ لیا جائیگا

(۵) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا

(۵) اے لوگو جو ایمان لائے ہو خرچ کرتے ہو [راہ خدا میں] اپنی کمائی میں سے اچھی چیزیں اور

لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝ (ایضا)

اُسمیں سے بھی جو ہمنے تمہارے لیئے زمین میں سے نکالا ہے اور بُری چیز کے [راہ خدا میں] دینے کا قصد نکرو کیونکہ تم بھی تو اُسکو نہیں لیتے بغیر اسکے کہ اُسمیں چشم پوشی کرو - اور جان لو کہ بیشک خدا [تمہاری خیرات سے] غنی ہے تعریف کیا گیا -

(٦) مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ (ایضا)

(٦) مثال اُن لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال خدا کی رضامندی حاصل کرنیکو اور اپنے دلونکی ثابتی کے ساتھ ایک باغ کی سی ہے جو اونچی زمین پر ہو جسپر پڑا ہو زور کا مینہہ پھر وہ اپنے دو چند پھل لایا ہو اور اگر زور کا مینہہ نہ پڑا ہو تو ہلکا ہی [کافی ہوا] اور جو تم عمل کرتے ہو خدا اُسکا دیکھنے والا ہے -

(٧) اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (ایضا)

(٧) جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال رات دن پوشیدہ اور ظاہر تو اُنکے لیئے اُنکا بدلا ہے اُنکے پروردگار کے پاس اور نہ اُنکو کچھ خوف ہی ہے اور نہ وہ غمگین ہی ہونگے -

(٨) مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۗ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۗ

(٨) مثال اُن لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال خدا کی راہ میں ایک دانہ کی سی ہے جسنے سات بالیں نکالی ہوں جنمیں سے ہر ایک میں سو سو دانے ہوں اور خدا اس سے بھی زیادہ کر دیتا ہے جسکے لیئے چاہتا ہے

وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ اَیْضاً	اور اللہ وسیع قدرت والا ہے۔ جاننے والا (خیرات کرنیوالوں کی نیتوں کا)

اور چونکہ کسیکو کچھ دیکر احسان جتانا یا کوئی ایسی بات کہنی جو اُسکے رنج کا باعث ہو حسن اخلاق اور اصلی نیکی کے برخلاف ہے اسیلیے فرمایا۔

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِکُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی کَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَہٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُہٗ کَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَیْہِ تُرَابٌ فَاَصَابَہٗ وَابِلٌ فَتَرَکَہٗ صَلْدًا لَا یَقْدِرُوْنَ عَلٰی شَیْءٍ مِّمَّا کَسَبُوْا وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ

[سورہ بقرہ] یعنی اے لوگو جو ایمان لائے ہو ملیامیٹ کرو اپنی خیراتوں کو احسان جتانے اور دل دُکھانے سے اُس شخص کی طرح جو خرچ کرتا ہے اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کو اور (اس شخص کی مانند جو) ایمان نہیں رکھتا خدا اور اخیر دن پر کیونکہ اسکی (یعنی اسطرح پر خیرات کرنیکی) مثال تو ایک صاف چٹان کی سی ہے جسپر کچھ مٹی ہو پھر پڑا ہو اُسپر زور کا مینہ اور چھوڑ گیا ہو اُسکو صفاچٹ جو کچھ بھی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے اپنی کمائی سے اور اللہ ہدایت نہیں کرتا کفران نعمت کرنے والوں کو یعنی جو مال و دولت پاکر ادائے شکر کے لیئے خالصًا للہ اُسمیں سے کچھ خرچ نہیں کرتے وہ ایسے ہیں کہ گویا اُنکو خدا نے خیر و احسان کرنے کی ہدایت ہی نہیں کی اور ایک اور جگہ فرمایا " اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًی لَّھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ

يَحْزَنُوْنَ ○ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَا اَذًى وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ○ [سورہ بقرہ] یعنی جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال راہ خدا میں پھر اُسکے پیچھے احسان نہیں جتاتے اور نہ دل دُکھاتے ہیں اُنکے لیئے اُنکا بدلا ہے اُنکے پروردگار کے پاس اور نہ اُنکو کچھ ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہی ہونگے بات اچھی کہنی اور [سایل کے کہے سنے کو] معاف کرنا ایسی خیرات سے بہتر ہے جسکے پیچھے دل دُکھانا ہو اور اللہ غنی ہے برداشت والا — اور چونکہ خدا جواد و فیّاض مطلق ہے اور تب ہی خوش ہو سکتا ہے کہ جب انسان حتی المقدور اُسکی اس صفت میں حصّہ لیوے یعنی جسطرح وہ محض اپنی فیاضی سے ہوا میں اُڑنے والے پرندوں اور پانی میں رہنے والے جانوروں اور زمین پر چلنے والے حیوانوں اور انسانوں یہانتک کہ اپنے منکروں اور مشرکوں کو بھی بلا دریغ اور بلا امتیاز روزی دیتا ہے یہہ بھی بلا قید ملّت و مذہب اور دشمنی و دوستی کے اپنے ہمجنسوں کے ساتھ نیکی اور احسان سے پیش آوے اور بخل نکرے کہ جس سے تمدّن کو سخت ضرر پہنچتا ہے اسلیئے بخل کی بتاکید ممانعت فرمائی اور اُسکے نتیجہ کو نہایت عمدہ اور دل پر اثر کرنے والی تمثیل میں یوں بیان فرمایا "اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاۗءُ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ" یعنی کیا تم میں سے کوئی یہہ چاہیگا؟ کہ اُسکا ایک باغ ہو کھجوروں اور انگوروں

کا جنکے نیچے نہریں بہتی ہوں جسمیں اُسکے لیئے سب طرح کے میوے
ہوں اور اُسپر بڑھاپا آگیا ہو اور اُسکے بچے ابھی کمزور ہوں پھر اس حالت
میں ایک آگ سے بھرا ہوا بگولا آنکر وہ باغ جلگیا ہو۔ اسی طرح بیان کرتا ہے
خدا تمہارے لیئے دلیلیں کہ شاید تم غور کرو" اور اس سے بھی زیادہ تر موثر
تمثیل میں فرمایا "اَلَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ
فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ
فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ" [سورہ توبہ] یعنی جو لوگ جوڑ جوڑ کر رکھتے ہیں
سونا اور چاندی اور نہیں خرچ کرتے اُسکو خدا کی راہ میں پس خوشخبری دے
اُنکو [اے ہمارے رسول] دُکھ دینے والے عذاب کی جس دن کہ تپایا
جائیگا اُس مال کو دوزخ کی آگ میں پھر داغے جائینگے اُسکے ساتھ اُنکے ماتھے
اور پہلو اور پیٹھیں [اور کہا جائیگا] کہ یہہ وہی تو ہے جسکو تمنے اپنے لیئے
اکٹھا کیا تھا۔ پس جو تمنے جمع کیا تھا اُسکا مزہ چکھو" اور چونکہ اپنے
ہمجنسوں سے ہمدردی اور اُنکی حاجتوں میں اُنکی مدد کرنی آپ اپنی مدد کرنی
ہے کیونکہ وہ بواسطہ یا بلا واسطہ یا واسطہ در واسطہ ہمارے آرام و آسایش
کے وسیلے ہیں اور اسکا نہ کرنا خود اپنے آرام و آسایش کے وسیلوں کو نقصان
پہنچانا ہے مگر ہر شخص اس بات کو نہیں سمجھ سکتا اسلیئے قرآن کریم نے یہہ
باریک و دقیق مسلہ یہہ کہکر ہمکو سمجھایا کہ "اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ
وَاِنْ اَسَأْتُمْ فَلَھَا" یعنی تمہارا اپنے ہمجنسوں سے نیکی اور احسان سے پیش آنا

خود اپنے ساتھ نیکی اور احسان کرنا ہے اور انکا برا کرنا اپنا آپ برا کرنا ہے
اور اس وجہ سے کہ انسان کے وجود اور اسکی پرورش کا سبب اور
ذریعہ خدا کے بعد ماں باپ ہیں خدا کی شکر گزاری کے ساتھ انکی شکر گزاری اور
انسے نکوئی اور ادب سے پیش آنے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ فرمایا۔
" وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ
عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا
قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا
كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ [سورہ بنی اسرائیل] یعنی لازم اور واجب کرچکا ہے
[یعنی انسان کی فطرت کا یہہ مقتضا قرار دیچکا ہے] تیرا پروردگار کہ نہ پوجو
تم مگر اسی کو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی سے پیش آنے کو خواہ تیرے
سامنے ان میں سے ایک بڑھاپے کو پہنچ جاوے یا دونوں ہی سو انکو
اف تک نہ کہہ اور نہ انکو گھڑک اور ان سے عزت اور ادب کے ساتھ
بول اور جھک جا ان کے آگے فروتنی کے ساتھ نہایت مہربانی سے
اور دعا کر کہ اے پروردگار نہایت مہربانی کر انپر جسطرح کہ انہوں نے مجکو
چھٹپن میں پالا" اور فرمایا " وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسَانًا ؕ
حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ" یعنی ہم وصیت کرچکے ہیں
انسان کو ماں باپ کے حق میں بھلائی کرنے کی جسکو اسکی ماں نے
تکلیف سے پیٹ میں رکھا اور تکلیف سے جنا" اور فرمایا " وَوَصَّيْنَا
الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰی وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ

عَامَینِ اَنِ اشْکُرْلِیْ وَلِوَالِدَیْکَ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ" [سورہ لقمان] لیعنی وصیت کر چکے ہیں ہم انسان کو اُسکے ماں باپ کے حق میں جسکو اسکی ماں اُٹھائے رہی تکلیف پر تکلیف میں اور اسکا دودھ چھٹانا ہے دو برس میں اِس امر کی کہ شکر بجالا میرا اور اپنے ماں باپ کا آخر میرے ہی پاس آنا ہے" اور چونکہ غلام اور یتیم اور نادار محتاج اپنی کفالت آپ نہیں کر سکتے اسلئے اُن کے ساتھ رعایت اور احسان کی ہدایت ایسے بلیغ اور موثر الفاظ میں فرمائی جس سے زیادہ ناممکن ہے۔ چنانچہ فرمایا "لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ ط اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْہِ اَحَدٌ ط یَقُوْلُ اَھْلَکْتُ مَالًا لُّبَدًا ط اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَہٗٓ اَحَدٌ ط اَلَمْ نَجْعَلْ لَّہٗ عَیْنَیْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَیْنِ وَھَدَیْنٰہُ النَّجْدَیْنِ ط فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَۃَ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا الْعَقَبَۃُ ط فَکُّ رَقَبَۃٍ اَوْ اِطْعَامٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَۃٍ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَۃٍ اَوْ مِسْکِیْنًا ذَا مَتْرَبَۃٍ ط [سورہ بلد] یعنی تحقیق پیدا کیا ہے ہمنے آدمی کو محنت اور مشقت میں۔ کیا اُسکو یہہ گمان ہے کہ اُسپر کسیکا بس نہیں چلنے کا؟ جو یہہ کہتا ہے کہ میںنے ڈھیروں مال برباد کر ڈالا۔ کیا اُسکو یہہ گمان ہے کہ کسی نے اُسکو دیکھا نہیں [بیجا خرچ کرتے]؟ اور کیا ہمنے نہیں دی اُسکو دو آنکھیں اور ایک زبان اور دو ہونٹھ؟ اور دکھا دیئے ہمنے اُسکو [خیر و شر کے] دونوں نمایاں رستے۔ پھر بھی طے نہ کیا اُسنے گھاٹی کو اور تو کیا سمجھا [اے ہمارے رسول] کہ کیا ہے طے کرنا گھاٹی کا۔ وہ گردن چھڑانا [یعنی غلام آزاد کرنا] ہے یا قرابت دار

یتیم یا خاک میں رُلتے محتاج کو بھوک کے دن میں کھانا کھلانا۔" اور خیرات کرنے کو خواہ وہ کسی طور پر ہو اگرچہ اچھا کہا مگر پوشیدہ طور پر دینے کو بہتر اور گناہوں کا کفارہ بتایا۔ چنانچہ فرمایا " اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ ۚ وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ ‌ؕ وَيُكَفِّرُ عَنۡكُمۡ مِّنۡ سَيِّاٰتِكُمۡ ‌ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ‏ ۚ یعنی اگر تم علانیہ خیرات کرو تو یہہ بھی اچھا ہے اور اگر اسکو چھپا کر محتاجوں کو دو تو یہہ تمہارے لیے زیادہ اچھا ہے اور کفارہ ہوگا تمہارے گناہوں کا اور اللہ تمہارے عملوں کا جاننے والا ہے"

الحاصل قرآن کریم نے نیکی و احسان اور خیرات و مبرات کے باب میں جو احکام فرمائے ہیں ایسے کامل و اکمل اور عام و تام ہیں کہ طبقات انسانی میں سے کوئی ایک طبقہ بھی مستثنے اور محروم نہیں رکھا گیا اور دُنیا کے مذاہب میں کوئی مذہب ایسا نہیں ہے کہ جسمیں ایسے جامع اور تمام اصناف بنی آدم کو شامل۔ اور قانونِ قدرت اور مقتضائے فطرت کے موافق خیرات کرنے کے احکام موجود ہوں۔ چنانچہ مسٹر اڈورڈ گبن اپنی مشہور تاریخ کی چھٹی[۶] جلد کے پچاسویں باب میں لکھتے ہیں کہ " مسلمانوں کی خیرات جانوروں تک کے حق میں ہوتی ہے۔* اور قرآن میں محتاج اور مسکین

---

* بخاری اور مسلم نے بالاتفاق روایت کی ہے کہ " قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم " غُفِرَ لِامْرَاَۃٍ مُومِسَۃٍ مَرَّتْ بِکَلْبٍ عَلٰی رَاسِ رَکِیٍّ یَلْہَثُ کَادَ یَقْتُلُہُ الْعَطَشُ فَنَزَعَتْ خُفَّہَا فَاَوْثَقَتْہُ بِخِمَارِہَا فَنَزَعَتْ لَہٗ مِنَ الْمَاءِ فَغُفِرَ لَہَا بِذٰلِکَ " قِیْلَ اِنَّ لَنَا فِی الْبَہَائِمِ اَجْرًا؟ قَالَ " فِیْ کُلِّ ذَاتِ کَبِدٍ رَطْبَۃٍ اَجْرٌ " یعنی فرمایا رسول خدا

کی اعانت کرنے کی مکرر تاکید ہوئی ہے اور حکم ناگزیر کے طور پر واجب
قرار دیگئی ہے۔ شاید محمد صلعم ہی ایسے صاحب شریعت ہیں جنھوں نے
خیرات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کیا ہو۔ اسکی مقدار معین۔ مال کی نوعیت اور
مقدار پر بدلتی ہے۔ مثلاً زر نقد۔ غلہ۔ مویشی۔ پھل اور اسباب تجارت
مگر جب تک کہ مسلمان اپنے مال کا دسواں حصہ نہ دے اُسنے شریعت
کی تکمیل نہیں کی۔ درحقیقت فیاضی بنیاد ہے عدالت کی۔ اور جن لوگوں کی
اعانت ہمکو لازم ہے اُنکو ضرر پہنچانا ممنوع ہے۔ کوئی نبی عالم لاہوت
اور برزخ کی پوشیدہ باتیں اور بھید بیان کیا کرے مگر احسانیات کے
احکام میں اُسکو ہمارے ہی دل کے احکام بیان کرنے ہونگے" اور اس
مضمون کے حاشیہ میں تحریر کیا ہے کہ " ہر اکشی نے تعصب کے مارے
رومن کیتھلکوں کی زیادہ خیرات وصدقات کا شمار کیا ہے کہ " پندرہ
ہزار شفاخانے ہزاروں بیماروں اور زیارت کے لیئے آنے والوں کی
خاطر بنے ہوئے ہیں اور پندرہ سو عورتوں کو ہر سال جہیز ملتا ہے اور
چھپن[۵۶] خیراتی مدرسے قایم ہیں اور اکیسو بیس[۱۲۰] انجمنیں برادران ایمانی کی
اپنے بھائیوں کی اعانت کرتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور لندن کی فیاضی تو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۸

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ بخشی گئی ایک عورت جو فاجرہ تھی جسنے ایک کُتّے
کو کنوئیں کے کنارے پر زبان نکالے پڑا دیکھا جو قریب تھا کہ پیاس کی شدت
اُسکو مار ڈالے۔ پس اُسنے اپنے موزے کو اوڑھنی سے باندھکر اُسکے لیئے
پانی نکالا پس اسی پر وہ بخشی گئی" لوگوں نے جو عرض کیا۔ کہ کیا ہمارے لیئے
چوپایوں میں بھی کچھ ثواب ہے؟ فرمایا آنحضرتؐ نے کہ ہر ایک میں جو جگر تر رکھتا ہے ثواب ہے

اس سے بھی بڑھکر ہے" مگر مجھے اندیشہ ہے کہ بہت کچھ اسمیں سے لوگوں
کی انسانیت کی طرف منسوب ہو سکتا ہے نہ یہہ کہ مذہب کی حیثیت سے ہو

اور مسٹر ابراھام ریس نے اپنے اِنسائکلوپیڈیا میں تحت
لفظ [آلمز] لکھا ہے کہ "خیرات دینے میں اکثار اور اُسکی رغبت دلانے میں
مسلمانوں کے مذہب سے زیادہ سرگرم کوئی مذہب نہیں ہے - قرآن
نے قبول دُعا کے لیئے خیرات کرنے کو واجب قرار دیا ہے اور خلیفہ
عمر بن عبد العزیز کا قول تھا کہ" نماز ہمکو آدھے رستہ تک پہنچاتی ہے اور
روزے ہمکو عرش آلہی کے دروازے تک لیجاتے ہیں اور خیرات [زکوٰۃ]
سے ہمکو خدا کے گھر تک دخل ملتا ہے"

خیرات کو اہل اسلام بہت ہی ثواب کا کام سمجھتے ہیں اور بہت سے
مسلمان خیرات دینے کی شہرت میں ضرب المثل ہیں بالتخصیص حسنؑ بن
علیؑ جو محمدؐ کے نواسے تھے - روایت ہے کہ اُنہوں نے اپنی حیات
میں تین مرتبہ اپنا مال محتاجوں کو نصفا نصف[۵۱] بانٹ دیا - اور دو مرتبہ تو جو کچھ
تھا سب[۵۲] دیدیا - اور عوام مسلمین نیکیاں کرنیکے ایسے عادی ہو رہے ہیں

یعنی ہر ایک جاندار کو کھلانا پلانا ثواب ہے بشرطیکہ موذی اور واجب القتل نہو
مثل سانپ وغیرہ کے [دیکھو کتاب مشکوٰۃ - باب فصل الصدقہ]

۵۱ یہاں تک کہ ایک پانو کی جوتی بھی دیدی ۱۲ مؤلف عفی عنہ

۵۲ منقول ہے کہ آپکی کثرت جود و ایثار کو دیکھکر معاویہ بن ابی سفیان نے جو ایکدفعہ
اعتراضاً آپکو یہہ لکھ بھیجا کہ" لاخیر فی الاسراف " یعنی فضول خرچی میں بھلائی
نہیں ہے - تو آپ نے اُنہی کے الفاظ کو پلٹ کر یہہ لکھدیا کہ" لا اسراف فی الخیر"
یعنی نیک کاموں میں خرچ کرنا اسراف نہیں" مؤلف

کہ حیوانات تک سے وہ نیکی کرتے ہیں۔

اس موقع پر ہم حضرت علی مرتضٰے اور آپ کے اہلبیت علیہم السلام کے اُس حیرت انگیز طریقہ خیرات و مبرات کا ذکر کیے بغیر نہیں رہ سکتے جسکا بیان سورہ دھر کی شروع کی آیتوں میں ہے اور جو اسلام کی اعلیٰ و افضل تعلیمات کا ایک کامل و اکمل نمونہ ہے۔ اور وہ آیتیں یہہ ہیں۔ "یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ؕ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَاۤءً وَّلَا شُكُوْرًا ؕ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ؕ یعنی پورا کرتے ہیں نذر کو اور خوف کرتے ہیں اُس دن کا جسکی مصیبت اور تکلیف پھیل جانے والی ہے [یعنی روز قیامت کا] اور کھلاتے ہیں کھانا باوجود اُسکی خواہش اور احتیاج کے نادار محتاج اور یتیم اور قیدی کو [زبان حال سے یہہ کہتے ہوئے کہ] ہم کھانا کھلاتے ہیں تمکو صرف خدا کی رضامندی کے لیئے اور تمسے کسی عوض یا شکرانہ کے خواہشمند نہیں ہیں۔ تحقیق ہمکو ڈر ہے اپنے پروردگار سے اُس دن کا جو اُداس اور نہایت سخت ہے" اور وہ واقعہ یہہ ہے کہ ایکدفعہ حسنین علیہما السلام بیمار ہو گئے تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم جو عیادت کو تشریف لیگئے تو حصولِ صحت کے لیئے کچھ خدا کی نذر ماننے کو فرمایا۔ پس حضرت علی مرتضٰے اور سیدۃ النسا فاطمۃ الزہرا اور اُنکی لونڈی فضہ نے تین تین روزے مانے۔ اور صاحبزادوں کو خدا نے صحت بخشی تو پانچوں حضرات نے روزہ رکھا اور چونکہ کثرت جود و ایثار

کی وجہ سے افطار کے بعد کھانیکے لیئے گھر میں کچھ موجود نہ تھا اسیلئے جناب ابوالحسنین علیہ السّلام روزہ کے دن سے پہلے تمام شب ایک شخص کے باغچہ میں کنوئے سے پانی دینے کا کام کرتے رہے اور صبحکو اجرت میں اُس سے کچھ جَو لائے جنمیں سے ایک ثلث کو جناب سیّدہؑ نے پیسکر پانچ روٹیاں پکائیں اور جب افطار کرنے اور تناول فرمانے کو بیٹھے تو یکایک ایک محتاج ڈیوڑھی پر آکر پکارا جسکو جناب علی مرتضیٰ نے اپنے حصّہ کی روٹی دیدی اور آپکی تقلید سے باقی حضرات نے بھی دیدیں اور صرف پانی سے روزہ افطار کرلیا۔ اِسی طرح اگلے روز روزہ رکھا گیا اور جَو پیسے اور پکائے گئے اور افطار کے وقت جو ایک یتیم نے آکر سوال کیا تو سب روٹیاں اُسیطرح دیدی گئیں اور اُس روز بھی پانی ہی پر قناعت کی ایسا ہی اتفاق تیسرے روزہ کے دن ہوا کہ افطار کے وقت ایک قیدی (جو حربی کافر تھا) آگیا۔ اُسکو بھی سب روٹیاں دیدی گئیں اور خود پانی پیکر شکر خدا کیا گیا۔

اہلبیت علیہم السّلام کے اس رحیمانہ و فیاضانہ برتاؤ سے چند ایسی نصیحتیں حاصل ہوتی ہیں جو اسلام کی اعلیٰ تعلیمات کے ثابت کرنے کو ہر ایک بجائے خود ایک واضح دلیل ہے۔

اوّل یہہ کہ ہر ایک مصیبت و تکلیف میں صرف خُدا کی ذات مقدّس پر بھروسہ کرنا اور اُسکے دفعیہ کے لیئے صرف اُسی سے ملتجی ہونا۔

دوئم رزق حلال کے حصُول کے لیئے کسی محنت اور مزدوری

سے کہ لینے کو معیوب نہ جاننا - اور اپنی مدد آپ کرنے [سلف ہلپ]
کے مسئلہ پر عمل کرنا جو تمام برکتوں کی جڑ اور ترقی تہذیب کی اصل و بنیاد ہے
سویم غیر کی حاجت کو خواہ وہ کوئی کیوں نہو اور کچھ ہی مذہب و
ملت کیوں نہ رکھتا ہو اپنی حاجت پر مقدم رکھنا۔
چہارم نہایت درجہ کی تکلیف پر بھی صبر کرنا اور اپنے فرض کو نہایت
استقلال اور رضائے خاطر سے بجالانا -
پنجم احسان کر کے اُسکے عوض کا طالب نہونا اور نہ احسان کی نیت
سے احسان کرنا بلکہ جو کچھ کرنا محض لوجہ اللہ کرنا -
مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب اپنی کتاب [محمدؐ اینڈ محمدؐن ازم]
میں ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ " ڈین سٹینلی کسیقدر فخر کے ساتھ مگر عام طور
پر سچائی کے ساتھ یہہ سوال کرتا ہے کہ " آیا قرآن میں کوئی ایک بھی سورۃ
ایسا ہے ؟ جو سینٹ پال کے بیان خیرات کے مقابلہ میں ثبوت الہام
کہا جاسکے " مگر یہہ کہنا ضرور ہے کہ محمدؐ کے ایسے اقوال حفاظت کے
ساتھ قائم رکھے گئے ہیں جو اگرچہ اُس بیان کے تو کسیقدر برابر نہیں ہیں جو
سب سے بڑے حواری کا نہایت اعلی درجہ کا بیان ہے - مگر تاہم وہ
اس عیسوی صفت یعنی خیرات کے نیچر اور اُسکی جامعیت پر ایک حقیقی اور
عمیق نظر ظاہر کرتے ہیں اور بہرحال ایسے ہیں کہ کارنتھیوں کے نام کے پہلے
خط کے تیرہویں [۱۳] باب کی تشریح کے طور پر کام میں آسکتے ہیں اور وہ سوال
جواب کے طور پر ہیں "

اور اسکے بعد اُنہوں نے ایک حدیث * کا ترجمہ لکھا ہے جسکا ترجمہ یہہ ہے " جب خدا نے زمین بنائی تو یہہ برابر ہلے جاتی تھی تاوقتیکہ خدا نے پہاڑ بنا سے تاکہ اسے قائم کردے - اُسوقت فرشتوں نے پوچھا کہ اے خدا تیری مخلوقات میں کوئی شے پہاڑوں سے بھی زیادہ قوی ہے ؟ خدا نے فرمایا کہ ہاں لوہا پہاڑوں سے زیادہ مضبوط ہے کیونکہ وہ اُنکو توڑ دیتا ہے - پھر فرشتوں نے کہا کہ لوہے سے کوئی شے تیری مخلوقات میں قوی ہے ؟ خدا نے کہا ہاں آگ لوہے سے قوی ہے کیونکہ وہ اُسے پگھلا دیتی ہے پھر اُنہوں نے کہا کہ کیا کوئی شے آگ سے بھی قوی ہے ؟ خدا نے کہا ہاں پانی آگ سے بھی قوی ہے کیونکہ وہ اُسے بجھا دیتا ہے - پھر اُنہوں نے کہا کہ کیا کوئی شے پانی سے بھی قوی ہے - کہا ہاں ہوا پانی سے بھی زیادہ قوی ہے کیونکہ وہ اُسمیں حرکت پیدا کر دیتی ہے - پھر فرشتوں نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار کیا کوئی شے تیری مخلوقات میں ہوا سے بھی قوی ہے ؟ کہا ہاں وہ نیک بندہ جو دائیں ہاتھ سے اس طرح خیرات دیتا ہے کہ بائیں کو خبر نہیں ہوتی وہ سب چیزوں پر غالب ہے " انتہےٰ قولہ

مگر ہم کہتے ہیں کہ جس جامعیت اور عمدگی اور نظام فطری کی رعایت سے قرآن مجید نے خیرات کے احکام کو بیان فرمایا ہے اور جن میں سے

---

* معلوم نہیں کہ مسٹر باسورتھ سمتھ صاحب نے یہہ حدیث کس کتاب سے نقل کی ہے پس ہم نہیں کہہ سکتے کہ اسکی اسناد معتبر اور صحیح ہے یا نہیں - مولف عفی عنہ

چند حدیثیں اوپر نقل کئے ہیں اگر مستورات نبی اُن پر غور کرتے تو ہم کو یقین ہے کہ ہرگز ہرگز انکو اس سوال کرنے اور سبحت بیان سے خط کا حوالہ دینے کی جرات نہوتی اور خدا توفیق دیتا تو وہ ضرور قرآن مجید کے الہامی اور ربانی الاصل ہونے کو تسلیم کرلیتے۔

بات نمبر ۳ حضرت خدا کو پہچاننا اور دیکھو کہ اوصاف سے لوگوں کو قرآن مجید خدا کی بخشش اور رحمت کا مستحق قرار دیتا ہے اور برائیوں کے چھوڑنے اور نیکیوں کے اختیار کرنے کی کیسی عمدہ ہدایت فرماتا ہے

(۱) اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ

(۱) وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں [اپنا مال فراخی اور تنگی میں اور پی جاتے ہیں غصہ کو [باوجود انتقام کی قدرت کے] اور معاف کر دیتے ہیں لوگوں کو اُنکے گناہ اور خدا دوست رکھتا ہے [برائی کے بدلے] بھلائی کرنے والونکو * اور وہ لوگ کہ جب کوئی بڑا گناہ یا اپنے حق میں برائی کر بیٹھتے ہیں تو انکو فوراً خدا یاد آجاتا ہے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور کون بخش سکتا ہے گناہونکو سوا خدا کے

٭ نقل ہے کہ ایک روز جناب امام ہمام سید الساجدین زین العابدین علی بن حسین بن علی علیہم السلام وضو کرتے تھے۔ لونڈی جو پانی دے رہی تھی اُسکے ہاتھ سے پانی کا لوٹا گر گیا اور آپ کا ہاتھ زخمی ہو گیا۔ پس آپ نے جو اُسکی طرف دیکھا تو اُسنے فوراً کہا ”الکاظمین الغیظ“ آپ نے فرمایا میں خفا نہیں اُسنے پھر کہا ” والعافین عن الناس“ آپ نے کہا خدا تجکو معاف کرے۔ اُسنے پھر کہا ”والله یحب المحسنین“ آپ نے فرمایا جا میں نے تجکو خدا کے لئے آزاد کیا

تفسیر صافی زیر

يَعْلَمُونَ ۝ اُولٰئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝ [ال عمران]

(٢) اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ط [سورہ توبہ]

(٣) اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا

اور جو اپنے کیے پر ہٹ نہیں کرتے اور وہ جانتے بھی ہیں [کہ وہ گناہ ہے] یہی لوگ ہیں جنکا بدلہ بخشش ہے اُنکے پروردگار کی طرف سے اور باغ جنکے نیچے نہریں بہتی ہیں ہمیشہ رہینگے جنمیں اور [یہہ] بہترین بدلا ہے [نیک] عمل کرنیوالونکا۔

(٢) [جنت اُنکے لئے ہے] جو توبہ کرتے ہیں عبادت کرتے ہیں شکر بجالاتے ہیں سفر کرتے ہیں [راہ خدا میں] رکوع کرتے ہیں سجدہ کرتے ہیں نیک کاموں کے کرنے کی ہدایت کرتے ہیں اور بُرے کاموں سے روکتے ہیں اور خدا کی حدوں کی حفاظت کرتے ہیں [یعنی اُسکے اوامر ونواہی کی پابندی کرتے ہیں]

(٣) وہ لوگ جو پورا کرتے ہیں خدا کے عہد کو [یعنی جو خدا نے عقلاً اور سمعاً اُنپر واجب کر دیا ہے اُسکو بجالاتے ہیں] اور نہیں توڑتے عہد کو [جو آپسمیں کرتے ہیں] اور وہ لوگ جو ملاتے رہتے ہیں اُس چیز کو جسکے ملائے رکھنے کا خدا نے حکم دیا ہے [یعنی قرابت داروں سے قطع تعلق نہیں کرتے]* اور خوف کرتے ہیں اپنے

* منقول ہے کہ جناب امام بحق ناطق جعفر بن محمد الصادق علیہ السلام کی وفات کا وقت جب قریب ہوا تو آپ نے فرمایا کہ حسن بن حسین بن علی کو [جسکو افطس کہتے تھے اور جو آپکا چچازاد بھائی تھا] ستر اشرفیاں دیدو۔ اسپر آپکے اہلبیت میں سے ایک بی بی نے

الصَّلٰوۃَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً وَّیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَۃِ السَّیِّئَۃَ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عُقْبَی الدَّارِ

سورہ رعد

پروردگار کا اور ڈرتے ہیں حساب کی سختی سے۔ اور وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں چاہنے پروردگار کی رضامندی کے لئے اور ٹھیک ٹھیک ادا کرتے رہتے ہیں نماز اور خرچ کرتے رہتے ہیں اس میں سے جو ہمنے انکو دیا ہے پوشیدہ اور ظاہر اور دور کرتے ہیں بھلائی کے ساتھ برائی کو [یعنی برائی کے بدلے بھلائی کرتے ہیں] [illegible] لوگوں کیلئے ہے [illegible] دار آخرت۔

(۴) اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُھُمْ بِذِکْرِ اللّٰہِ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰی لَھُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ایضا

(۴) وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور جنکے دل خدا کی یاد سے تسلی پاتے ہیں۔ سنو! خدا ہی کی یاد سے دل تسلی پاتے ہیں۔ وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک کام کیے ہیں انہیں کے لئے ہے خوشحالی اور عمدہ مقام بازگشت۔

(۵) وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ عَلٰی مَآ اَصَابَھُمْ وَالْمُقِیْمِی الصَّلٰوۃِ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ سورہ حج

(۵) اور خوشخبری دے [اے ہمارے پیغمبر] ان عاجزی کرنے والوں کو کہ جب خدا یاد دلایا جاتا ہے تو ڈر جاتے ہیں انکے دل اور صبر کرنے والوں کو بلاؤں اور مصیبتوں پر [طاعت خدا میں] اور درستی سے نماز پڑھنے والوں اور انہیں سے جو ہمنے انکو دیا ہے

عرض کیا کہ کیا آپ ایسے شخص کو دیتے ہیں جسنے آپ پر چھری کے ساتھ حملہ کیا تھا؟ آپ نے فرمایا افسوس ہے تجپر کیا تونے نہیں پڑھا جو خدا نے فرمایا ہے؟ اور پھر یہی آیۂ شریفہ پڑھی [دیکھو تفسیر مجمع البیان]

خیرات کرنے والوں کو۔

(۶) قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَاءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

(۶) بیشک مراد کو پہنچ گئے وہ ایمان والے جو اپنی نماز عجز و نیاز کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ اور جو گناہ کی باتوں سے بچتے ہیں اور وہ جو زکات دیتے رہتے ہیں۔ اور وہ جو اپنے اعضا سے شہوت کو روکے رہتے ہیں۔ بجز اپنی بیویوں کے یا اُنکے جو اُنکے قبضہ میں آچکی ہیں۔ سو وہ لوگ ملامت کے لایق نہیں اور جو اسکے سوا خواہش کرتے ہیں وہ حد سے بڑھجانے والے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں کی اور اپنے عہد و پیمان کی حفاظت کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کو وقت پر ادا کرتے ہیں یہی لوگ ہیں میراث پانے والے جو فردوس کو ورثہ میں پائینگے جس میں ہمیشہ رہینگے۔

(۷) اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ

(۷) بیشک وہ لوگ جو اپنے مالک کے خوف سے ڈرتے ہیں۔ اور جو اپنے پروردگار کے احکام پر یقین رکھتے ہیں۔ اور وہ جو

رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ وَالَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ۝ أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ۝

اپنے مالک کا کسی کو شریک نہیں بناتے اور وہ لوگ جو دیتے ہیں جو کچھ کہ دیتے ہیں اور دلوں میں اندیشہ رکھتے ہوئے کہ (قبول ہو یا نہو) کیونکہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ آخر کار وہ اپنے مالک کی طرف لوٹنے والے ہیں یہی لوگ ہیں جو نیکیوں میں سب سے بڑھنا چاہتے ہیں ہر بات کا ہوس ہیں اور اُسکو بڑھ بڑھ کر بجا لاتے ہیں

(۸) عِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ۝ وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ۝ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ۝ وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا ۝

(۸) بندے رحمان کے تو وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر غریبی کے ساتھ۔ اور جب بے سمجھ لوگ اُن سے جہالت کی گفتگو کرتے ہیں تو معقولیت سے جواب دیتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو رات گزارتے ہیں اپنے پروردگار کے آگے سجود اور قیام میں۔ اور وہ لوگ جو یہہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار دور رکھ ہمسے عذاب دوزخ کو۔ بیشک اُسکا عذاب ایسا ہے کہ جس سے پیچھا نہیں چھوٹ سکتا۔ بیشک وہ بہت ہی بُری جگہہ ٹھہرنے اور رہنے کی ہے اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرنے لگتے ہیں تو نہ فضولی ہی کرتے ہیں اور نہ بخیلی ہی۔ اور اسکے بین بین.

گزران کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ (سورہ فرقان)

اور جو کہ۔ خدا کے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں کرتے اور نہ خون ناحق کرتے ہیں جسکو خدا نے حرام کر دیا ہے۔ اور نہ زنا کرتے ہیں

(۹) وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝ اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۙ (ایضاً)

(۹) اور وہ جو گناہ کی باتوں میں شریک نہیں ہوتے یا جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔ اور جب کبھی اہل معصیت کے پاس سے گزرتے ہیں تو اپنے کو بچاتے ہوئے نکل جاتے ہیں۔ اور وہ لوگ کہ جب اُن کو نصیحت کیجاتی ہے اُنکے پروردگار کی بتائی ہوئی دلیلوں کے ساتھ تو نہیں گر پڑتے اُنپر بہرے اور اندھے ہوکر [یعنی اُنکو اَن سُنا اور اَن دیکھا نہیں کر دیتے] اور وہ جو دُعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار عطا کر ہمکو ایسی بیویاں اور بچے جو آنکھوں کی ٹھنڈک ہوں اور بنادے ہمکو پرہیزگاروں کا پیشوا یہی لوگ ہیں کہ جنکو انعام میں مقام بلند دیا جائیگا [جنت میں] بسبب اُنکے صبر کے (طاعت الٰہی میں) اور اُنکی وہاں تعظیم و تکریم کی جائیگی۔

(۱۰) اَلَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ

(۱۰) وہ لوگ جو درستی سے ادا کرتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکات اور آخرت پر بھی اُنکو

هُمْ يُوقِنُونَ ○ أُولٰئِكَ عَلٰى	یقین ہے۔ وہی ہیں اپنے پروردگار کی مہربانی
هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَأُولٰئِكَ	سے سدھی راہ پر اور وہی ہیں مراد کو
هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○ (سورہ لقمان)	پہنچنے والے
(۱۱) إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ	(۱۱) بیشک مسلمان مرد مسلمان عورتیں
وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ	اور ایماں والے اور ایمان والیاں اور
وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ	بندگی کرنے والے اور بندگی کرنے والیاں
وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ	اور سچ بولنے والے اور سچ بولنے والیاں اور
وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ	صبر کرنے والے اور صبر کرنے والیاں اور
وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ	عاجزی کرنے والے اور عاجزی کرنے والیاں
وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ	اور خیرات دینے والے اور خیرات دینے والیاں
وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ	اور روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں
وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ	اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے اور
وَالذَّاكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ	حفاظت کرنے والیاں اور اللہ کو کثرت سے
أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ	یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں۔ مہیا
أَجْرًا عَظِيمًا ○ (سورہ احزاب)	کر چھوڑی ہے خدا نے اُنکے لئے آمرزش اور بہت
	بڑا ثواب۔
(۱۲) الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ	(۱۲) وہ لوگ جو بچتے ہیں بڑے اور کھلم کھلا
الْإِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا	گناہوں سے اور جب طیش میں آتے
غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ○	ہیں تو معاف کر دیتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَ
اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى
بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ
وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ
هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ
سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ج فَمَنْ عَفَا وَ
اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ
لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَمَنِ
انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ
مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ط اِنَّمَا السَّبِيْلُ
عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَ
يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝
وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ
لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (سورہ شوریٰ)

اور وہ لوگ جو قبول کرتے ہیں فرمان اپنے
پروردگار کے اور پڑھتے رہتے ہیں نماز اور
جو کام کرتے ہیں مشورت سے کرتے ہیں اور
اُنہیں سے جو ہمنے انکو دیا ہے للہ دیتے ہیں
اور وہ لوگ کہ جب انپر ظلم و زیادتی ہوتی ہے تو
ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ اور بدلا برائی کا
بُرائی ہے ویسی ہی اُسیقدر۔ پھر جس شخص نے معاف
کردیا اور جھگڑا چکا دیا تو اُسکا اجر خدا کے ذمہ ہے
بیشک خدا ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور جو لوگ
بدلا لیتے ہیں اپنے پر ظلم کا تو انپر کچھ الزام نہیں
الزام تو اُنہیں پر ہے جو لوگوں پر تعدی کرتے
اور مُلک میں ناحق ظلم و زیادتی کے مرتکب ہوتے ہیں
یہی لوگ ہیں جو سخت عذاب کے مستحق ہیں۔ اور
وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں اور معاف کردیتے
ہیں تو یہہ تو بیشک بڑی ہمت کا کام ہے۔

بیان بالا سے ثابت ہے کہ قرآن مجید نے جسطرح انسان
کی باطنی یعنی روحانی اور اخلاقی حالت کی اصلاح اور اُسکے ترقی دینے میں
کوشش کی ہے اُسی طرح اسکی ظاہری اور سوشل حالت کی ترقی اور
اصلاح میں بھی کوتاہی نہیں کی۔ اور اُسکے مواعظ و احکام سے جیسے کہ

فرداً فرداً لوگون کی باطنی اور ظاہری حالت کی اصلاح اور ترقی ہوئی ویسے ہی اُنکی مجموعی اور تمدنی حالت کو عظمت و شوکت اور عزت اور عروج حاصل ہوا - اور اگرچہ اُسکا اصلی اور مقصود بالذات کام انسان کی روحانی اور اخلاقی حالت کی اصلاح کرنا اور اُسکو ترقی دیکر اُس اعلی درجہ کو پہنچا دینا تھا کہ جسکے لیے وہ مخلوق ہوا ہے - یعنی تقربِ ذاتِ مقدسِ آلہی و حیاتِ آخرت اور عالم غیر محسوس کی غیر محدود سعادت و مسرت کا حاصل کرنا - مگر یہہ اُسکی کمال خوبی اور عمدگی کی دلیل ہے کہ اُسنے روحانی اور اخلاقی نیکیوں کی تعمیم کے ساتھہ ساتھہ تمدن اور حُسن معاشرت کی نیکیوں کی بھی بدرجہ اتم تعلیم کی - جسکا نتیجہ یہہ ہوا کہ لوگوں کی روحانی ترقی اور عروج کے ساتھہ اُنکی ظاہری اور تمدنی حالت کی بھی اصلاح اور ترقی ہوتی گئی - اور آخرکار وہ مدعا حاصل ہوگیا جو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا مقصود تھا - اور جسکی نسبت خدا نے یہہ فرمایا " هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ "

یعنی خدا تو وہ ہے جسنے بھیجا اَن پڑھوں میں اُن ہی میں سے ایک پیغمبر جو پڑھسناتا ہے اُنکو اُسکے احکام اور اُنکو پاک و صاف کرتا ہے [یعنی تزکیہ نفس اور پاک باطنی کی تعلیم کرتا ہے] اور سکھاتا ہے اُنکو کتاب خدا اور شریعت آلہی - اور جو بیشبہ اس سے پہلے کھُلم کھُلا گمراہی میں تھے "

خلاصہ یہہ کہ قرآن مجید نے تہذیب و شایستگی کے دونوں ارکان یعنی انسان کی باطنی اور ظاہری اور ذاتی اور مجموعی حالت کے ترقی دینے پر

ایک ساتھ توجہ فرمائی اور اس طرح پر شایستگی کی تاریخ میں اپنے لیئے وہ جگہہ حاصل کی جو کسی اور کتاب کو خواہ وہ الہامی ہی کیوں نہو کبھی حاصل نہیں ہوئی اور نہ اب ہوسکتی ہے - برخلاف انجیل کے کہ اُسمیں اُسکا صرف ایک ہی رکن ملحوظ ہوا ہے - اور دوسرے رُکن پر بالکل توجہ نہیں کی گئی چنانچہ مانشیور ایف گیزو جو ایک مشہور و معروف فرانسیس فلاسفر اور مؤرخ تھا اپنے ایک لکچر میں جو یورپ کی تہذیب پر دیا تھا اور جو تہذیب الاخلاق" مطبوعہ ماہ شوال و ذیقعد ۱۲۹۱ ہجری میں انگریزی ترجمہ سے ترجمہ ہوکر چھپا گیا تھا - لکھتا ہے کہ " جب عیسائی مذہب ظاہر ہوا تو اُسکی ابتدائی حالت میں اُسکا اثر اور اُسکی مداخلت لوگوں کی مجموعی حالت میں کچھہ نہیں ہوئی چنانچہ حامیان مذہب نے علانیہ منادی کی کہ اس مذہب کو لوگوں کی مجموعی حالت سے کچھ سروکار نہیں اور اجازت دی کہ غلام اپنے مالک کی اطاعت کریں اور اور جو بڑی بڑی بُرائیاں اور خرابیاں اُس زمانہ کے لوگوں میں جائز تھیں اُنکی مذمت نہیں کی" اور اگرچہ یہہ مصنف اپنے لکچر میں ایک دوسرے موقع پر "یورپ" کے مجمع خلایق کی مجموعی ترقی اور شایستگی کو اِسی سے منسوب کرتا ہے مگر صاف صاف یہہ بھی کہتا ہے کہ " جب مذہب عیسائی نے مجمع خلایق کے باہمی تعلقات اور معاشرت کی اصلاح میں بڑا اور اچھا اثر پیدا کیا تو اس سے پیشتر کتنی صدیاں گزر گئی تھیں اور کیسے کیسے بے انتہا واقعات ظہور میں آئے" اور اگرچہ اُسکا یورپ کی ترقی اور شایستگی کو سیکڑوں برسوں کے بعد مذہب عیسائی کی تعلیمات سے منسوب کرنا اور اُسکے اصلی سبب - اشاعت فلسفہ اور

تعلیم عام سے چشم پوشی کرنا محض مکابرہ اور اُس مذہبی شر کی وجہ سے ہے
جسمیں اُسنے پرورش پائی تھی۔ لیکن اگر اُسکو تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی ہم فخر
کے ساتھ کہتے ہیں کہ مذہب اسلام کا عمدہ اور اعلیٰ اثر الیسی سستی اور تدریج کے
ساتھ نہ تھا۔ بلکہ نہایت قلیل مدت میں یک ایسی وحشی اور ناشایستہ
قوم کی حالت کو جسکی سدا وحشت و ضلالت ہی آپ ہی تھی اور
نہ صرف اُس حالت کو بلکہ اسکے ذریعہ سے ایک جہان کے جہان کو ایسا
بدل دیا کہ جسکو دیکھکر حیرت ہوتی ہے اور یقین ہوتا ہے کہ بیشبہ یہ ایک معجزانہ
اور ربانی کام تھا اور ممکن نہ تھا کہ بغیر تائید آلہی کے کوئی انسانی طاقت ایسا بڑا کام
انجام دے سکتی۔

جن لوگوں نے تہذیب و شایستگی کی تاریخ پر غور کی ہے اور اُسکے اسباب
و علل کو دریافت کیا ہے اُنکی بالاتفاق یہہ رائے ہے کہ مذہب ایک بڑا
ذریعہ ہے کہ "جسنے سب وقتوں اور تمام مُلکوں میں لوگوں کے شایستہ کرنے
کا کام اپنے ذمہ لیکر فخر حاصل کیا ہے" اور وہ اسوجہسے اُسکو صرف سزاوار
تعریف و توجہ ہی قرار نہیں دیتے بلکہ اُسکی ماہیت اور خوبی کا اندازہ بالتخصیص
اُس اثر اور دخل کے لحاظ سے کرتے ہیں جو تہذیب و شایستگی پر اُسکا ہوتا ہے
اور اُسکو اُس مذہب کی قدر و منزلت اور سودمندی کا قطعی پیمانہ ٹھہراتے ہیں
پس یہی قاعدہ مذہب اسلام سے بھی متعلق ہے اور اُسکی تعلیمات کی خوبی
کا اندازہ اور جانچ اُن نتایج و تاثیرات کے لحاظ سے کیجاتی ہے جو اُسکی بدولت
فرداً فرداً اور نیز مجمع خلایق کی مجموعی اور مشترکہ حالت پر ہوئیں۔ چنانچہ جن ناطرفدار

اور عالی حوصلہ عیسائی مصنفوں اور مورخوں نے اُسکو اس پیمانہ کے ساتھ ناپا ہے اور اُسکی جانچ اس قاعدہ پر کی ہے انہوں نے ہمارے اس دعویٰ کو کہ "قرآن مجید کی تعلیم بمقابلہ انجیل کی تعلیم کے انسان کی حالت کو ترقی دینے میں بہت زیادہ کامیاب ہوئی ہے" علانیہ تسلیم کیا ہے اور بڑی اونچی آواز سے اقرار کیا ہے کہ اِسلام انسان کی باطنی اور ظاہری اور ذاتی اور مجموعی حالت کی اصلاح اور ترقی کا ایک نہایت اعلیٰ ذریعہ ہے اور اُسنے اپنے اس عظیم الشان کام کو شروع ہی سے نہایت اعلیٰ اور عمدہ طور پر انجام دیا ہے - چنانچہ سر جان مالکم صاحب آنجہانی سابق سفیر ایران و گورنر بمبئی باوجود اُس تشدد و تعصب کے جو اُنکو اپنے مذہب میں ہے اپنی بے نظیر تاریخ ایران کے بائیسویں باب میں لکھتے ہیں کہ " باجملہ محمدؐ را خُلقے نیکو و فصاحتے حاضر و شجاعتے باہر و حکمتے وافر بود - دراں وضع کہ مُلک خود را دید و اسبابے کہ جہت انتشارِ شریعت و استقرارِ حکومت خود فراہم آورد اگر کما ینبغی ملاحظہ شود ہم اہداے او را لازم است کہ اقرار کنند کہ حقوقِ احسانِ او بر اعراب ثابت است دراوّل اظہار نبوت او بیشتر اعراب جُہّال و بُت پرست بُودند و رسوم فواحش درمیان ایشان شیوع داشت - ازانجملہ کُشتن اطفالِ اُناث بود - در مُلک بعداوت و اختلاف و در خارج باہانت و تخفاف مے زیستند - چوں بشریعت او گردن نہادند و بہ بندگیِ یک خدا گرویدند اتفاق مذہب منشاے اتفاق ملت شدہ در اندک وقتے بر بہترین بلاد روے زمین استیلا یافتند"

مسٹر جان ڈیون پورٹ اپنی کتاب "اپالوجی فار دی محمدؐ اینڈ

قرآن" میں لکھتے ہیں کہ "جب اِن معاملات پر خواہ اُس مذہب کے بانی کے لحاظ سے خواہ اُس مذہب کے عجیب و غریب عروج اور ترقی کے لحاظ سے نظر کیجائے تو بجز اسکے کچھ چارہ نہیں ہے کہ اُسپر نہایت دل سے توجہ کیجائے۔ اِس امر میں بھی کچھ شک نہیں ہو سکتا کہ جن لوگوں نے مذہب اِسلام اور مذہب عیسائی کی خوبیوں کو مقابلہ ایکدوسرے کے تحقیق کیا ہے۔ اور اُنپر غور کی ہے اُن میں سے بہت ہی کم ایسے ہیں جو اس تحقیقات میں اکثر اوقات متردد اور صرف اِس بات کے تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے ہوں کہ مذہب اسلام کے احکام بہت ہی عمدہ اور مفید مقاصد ہیں بلکہ اِس بات کا اعتقاد کرنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ آخرکار مذہب اِسلام سے اِنسان کو فائدہ کثیر پیدا ہوگا"

اِس عالی حوصلہ مصنّف نے یہہ بھی لکھا ہے کہ " ہر ایک طرح کی شہادت سے یہہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جن شخصوں نے فلسفہ اور علوم و فنون کو سب سے پہلے زندہ کیا جو قدیم اور زمانۂ حال کے علم ادب کے مابین بطور ایک سلسلہ کے بیان کیے گئے ہیں بلاشبہ وہ ایشیا کے مسلمان اور اُندلس کے مُور یعنی اہلِ بربر تھے جو خلفائے عبّاسیّہ اور بنی اُمیّہ کے عہد میں وہاں رہتے تھے۔ علم جو ابتدا ایشیا سے یُورُپ میں آیا تھا اُسکا وہاں دوبارہ رواج مذہب اِسلام کی دانشمندی سے ہوا۔ یہہ بات معروف و مشہور ہے کہ اہل عرب میں چھ۶۰۰ سو برس کے قریب سے علوم و فنون جاری تھے اور یُورُپ میں جہالت اور وحشیانہ پن پھیلا ہوا تھا

اور علم ادب قریباً نیست و نابود ہو گیا تھا۔ علاوہ اسکے یہہ بات بھی تسلیم کرنی چاہیئے کہ تمام علوم طبعیات ہیئت فلسفہ ریاضی جو دسویں صدی میں یورپ میں جاری تھے ابتداءً عرب کے علما سے حاصل ہوئے تھے اور خصوصاً اندلس کے مسلمان یورپ کے فلسفہ کے موجد خیال کیے جاتے ہیں ،

اسی مؤرخ نے یہہ بھی لکھا ہے کہ " یورپ مذہب اسلام کا اور بھی زیادہ ممنون ہے کیونکہ اگر ان جھگڑوں سے جو سلطان صلاح الدین کے وقت میں بیت المقدس کی لڑائیوں میں ہوئے جسکو فرنگ جہاد کہتے تھے قطع نظر کیجائے تو بالخصوص مسلمانوں کے سبب سے قیود انتظام کی سختیاں اور امیروں کی خود مختاری یورپ سے موقوف ہو گئی جسکے باقیماندہ اثروں پر ہمارے ملک یورپ کی آزادی کی نہایت بڑی عالیشان عمارت کی بنیاد قائم ہوئی۔ اہل یورپ کو یہہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ محمد کے پیرووں کے جو قدیم اور موجودہ حال کے علم ادب کے درمیان بطور سلسلہ کے ذریعہ ہیں اس لحاظ سے بھی ممنون ہیں کہ مغربی تاریکی کی مدت دراز میں یونانی حکما کی بہت سی کتابیں فنون اور علوم ریاضی اور طب وغیرہ کے بعض نہایت بڑے بڑے شعبوں کی انہیں کی کوششوں سے شایع ہوئیں۔

فاضل محقق مسٹر چیمبرا اپنے انسائکلوپیڈیا میں لکھتا ہے کہ " ہم اس بات پر غور نہیں کر سکتے ہیں کہ اسلام نے تمام انسانوں کی بھلائی کے لئے کیا کیا۔ لیکن اگر نہایت ٹھیک کہا جائے تو یورپ میں

علوم و فنون کی ترقی میں اُسیکا حصہ تھا۔ مسلمان علی العموم نویں صدی سے تیرہویں صدی تک وحشی یورپ کے لیے روشنضمیر معلم کہے جا سکتے ہیں۔ خاندان عباسیہ بغداد کے خلفا کے نہایت عمدہ زمانہ سے یونانی خیالات اور یونانی تہذیب کا از سر نو سرسبز ہونا شمار کیا جا سکتا ہے۔ قدیم علوم و ذہنیت کے واسطے بعد کسی علاج کے مفقود ہو جاتا اگر مسلمانوں کے مدرسوں میں اسکو پناہ نہ ملتی۔ عربی فلسفہ قدیمی چیزوں کی تاریخ۔ جغرافیہ۔ تاریخ عام صرف نحو۔ علم کلام اور فن شاعری کی [جسکی تعلیم براے استاد دیتے تھے] بہت سی کتابیں پیدا ہو گئیں جنمیں سے اکثر اسوقت تک جاری رہینگی اور تسلیم کیجائینگی جبتک نسلیں تعلیم پانیکے واسطے پیدا ہوتی رہینگی"

مسٹر طامس کارلایل مرحوم اپنی کتاب "لکچر آن ہیروز" میں اس مضمون کی نسبت جسپر ہم بحث کر رہے ہیں یہ لکھتے ہیں کہ "اسلام کا عرب کی قوم کے حق میں گویا تاریکی میں روشنی کا آنا تھا۔ عرب کا ملک پہلے پہل اُسی کے ذریعہ سے زندہ ہوا۔ اہل عرب گلہ بانوں کی ایک غریب قوم تھی اور جب سے دنیا بنی تھی عرب کے چٹیل میدانوں میں پھرا کرتی تھی اور کسی شخص کو اُسکا کچھ خیال بھی نہ تھا۔ اُس قوم میں ایک اولوالعزم پیغمبر ایسے کلام کے ساتھ جسپر وہ یقین کرتے تھے بھیجا گیا۔ اب دیکھو کہ جس چیز سے کوئی واقف ہی نہ تھا وہ تمام دنیا میں مشہور و معروف ہو گئی اور چھوٹی چیز نہایت ہی بڑی چیز بنگئی۔ اُسکے بعد ایک صدی کے اندر عرب کے ایک طرف غرناطہ اور ایک طرف دہلی ہو گئی۔ عرب کی بہادری اور عظمت

کی تجلی اور عقل کی روشنی زمانہ ہائے دراز تک دُنیا کے ایک بڑے
حصہ پر چمکتی رہی - اعتقاد ایک بڑی چیز اور جان ڈالدینے والا ہے - جس وقت
کوئی قوم کسی بات پر اعتقاد لاتی ہے تو اُسکے خیالات بار آور اور روح کو
عظمت دینے والے اور رفیع الشان ہوجاتے ہیں - یہی عرب اور یہی محمد
اور یہی ایک صدی کا زمانہ گویا ایک چنگاری ایسے مُلک میں پڑی جو اند عصر
میں کس مپرس ریگستان تھا! مگر دیکھو کہ اُس ریگستان نے زور شور سے اُڑجانے
والی بارودت کی طرح نیلے آسمان تک اُٹھتے ہوئے شعلوں سے دہلی
سے غرناطہ تک روشن کردیا"

ایک جواب مضمون لکھنے والے نے جسنے یہہ مضمون اختیار کیا
تھا کہ "اسلام ایک مُلکی انتظام ہے جو مشرق و مغرب میں جاری ہے"
اسلام کی نسبت اپنی یہہ راے لکھی ہے کہ " اسلام نے انسان کُشی کا
انسداد کردیا جو اُس زمانہ میں قرب و جوار کے مُلکوں میں جاری تھی - گو عیسائی
مذہب نے بھی اُسکو روکا تھا مگر اسلام کے برابر اُسکو کامیابی نہیں ہوئی
اسلام نے غلامی کو موقوف کردیا جو اُس مُلک کی پُرانی جاہلیت کی رسم تھی
اسلام نے مُلکی حقوق کو برابر کردیا اور صرف اُنہیں لوگوں کے حق میں انصاف
نہیں کیا جو اُس مذہب کے معتقد تھے بلکہ اُن شخصوں کے ساتھ بھی برابر
انصاف کیا جنکو اُسکے ہتھیاروں نے فتح کیا تھا - اسلام نے اُن محصُولوں کو
جو سلطنت کو دیا جاتا تھا گھٹاکر صرف دسواں حصہ کردیا - اسلام نے تجارت
کو تمام محصولات اور مزاحمتوں سے آزاد کردیا - اسلام نے مذہب کے معتقدوں

تو اس بات سے کہ ایک شخص نبی گروہ کو مذہبی کام کے لیئے جمع [illegible] یہہ

دیں اور تمام لوگوں کو [illegible] غالب مذہب [illegible] اسلام کا [illegible] ہر ایک

قسم کا مذہبی جوش [illegible] دیں بالکل بری [illegible] اسلام نے فتح [illegible] تمام

حقوق مفتوحہ لوگوں میں سے ان شخصوں کو دیئے جو کہ [illegible] یعنی مفتوحہ مذہب

کے پابند تھے اور انکو ایک قسم کی پناہ دی - اسلام نے مال کی حفاظت

کی [illegible] دیئے کو اور خون کا بدلہ بغیر حکم عدالت کے لینے کو موقوف کیا -

صفائی اور پرہیزگاری کی محافظت کی اور ان باتوں کی صرف ہدایت ہی نہیں

کی بلکہ انکو پیدا کیا اور دائم کر دیا - حرامکاری کو موقوف کر دیا غریبوں کو خیرات دینے

اور ہر ایک شخص کی تعظیم کرنے کی ہدایت کی -

یہی مصنف یہہ بھی لکھتا ہے کہ " جو نتیجے اسلام سے ہوئے

وہ اسقدر وسیع اور دقیق اور مستحکم ہیں کہ انکی تکمیل کر لینا تو درکنار ہم یقین نہیں کر سکتے

کہ وہ انسان کے خیال میں بھی آ سکیں اسی سبب سے بعوض اسکے کہ اُسکی

نسبت اسطرح پر دلیلیں کیجائیں جسطرح کہ سولن کے قانون یا نپولین

کی فتوحات کے نتیجوں کے اندازہ کرنے میں کیجاتی ہیں یا تو انکی نسبت یہہ

کہا جائے کہ اتفاقیہ ہو گئے ہیں یا بمجبوری ربانی مرضی کی طرف منسوب کیا جائے

بااینہمہ یہہ نظم ایک شخص واحد نے کیا تھا جسنے اپنے ملک کے تمام باشندوں

میں اپنی روح پھونکدی - اور تمام قوم کے دلپر نہایت تعظیم و تکریم کا خیال جو کسی

انسان کے واسطے کبھی ظاہر نہیں کیا گیا نقش کر دیا - جو سلسلہ قوانین و اخلاق

کا اُسنے بنایا وہ اعلیٰ درجہ کی ترقی سے بھی ایسا ہی موافق تھا جیسا کہ ادنیٰ ترین لوگوں

سے اور اُس سلسلہ نے ایک قوم سے دوسری قوم میں گزر کر ہر ایک قوم کو
جسنے اُسکو قبول کیا اُن قوموں اور سلطنتوں سے فایق کر دیا جنسے اُسکا میل ہوا"
جو معجزانہ اور حیرت انگیز کامیابی قرآن مجید کو اپنے مقاصد میں ہوئی
اگرچہ اُسکا اصلی اور واقعی سبب وہ سچے اور سراپا صداقت اُصول تھے جنکی
تلقین اُسنے کی ہے اور جو ہر ایک ایسے اُصول اور مسئلہ پر جو عقل و فطرت کے
موافق نہو (مثلاً تثلیث فی التوحید اور توحید فی التثلیث اور کفارہ اور روٹی اور شراب
پر پادری کے کچھ پڑھکر پھونک دینے اور اُسکے کھا لینے سے عیسائیوں کی
نجات پانیکا مسئلہ جو ایک ادنی قسم کا توہم ہے وغیرہ وغیرہ] غالب آئے
ہیں اور غالب آتے رہینگے - لیکن اکثر متعصب اور حق ناشناس عیسائی مورخوں
نے اُسکو تلوار اور جبر و تعدی سے منسوب کیا ہے - اسلیئے ہمارا ارادہ تھا
کہ اسکی نسبت کچھ لکھیں مگر وہ جوش استحسان جو ہمارے دلمیں اُس نہایت برجستہ
اور مدلل و لاجواب بیان کی نسبت ہے جو ہمارے بوڑھے مگر جوان ہمت
مجاہد سر سید احمد خاں بہادر نے اس معرکتہ الآرا مسئلہ کے باب
میں کیا ہے ہمکو مجبور کرتا ہے کہ ہم اُسکو بقدر حاجت بلفظہ یہاں نقل کر دیں اور
یہہ کہکر کہ " ع اے زور حیدری زبیان تو آشکار * کلک تو در کتاب
کند کار ذوالفقار " خود کچھ لکھنے کے بار عظیم سے سبکدوش ہو جائیں - چنانچہ
وہ سورہ توبہ کی تفسیر شروع کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ " سورہ انفال
اور سورہ توبہ دونوں میں کافروں سے لڑنے اور اُنکو قتل کرنے اور
مغلوب کرنے کا ذکر ہے اور یہی امر بحث کے قابل ہے جسکی نسبت مخالفین

اِسلام نے اپنی غلطی اور ناسمجھی سے مختلف پیرایوں میں اعتراض قائم کئے ہیں

اگرچہ حضرت مُوسیٰ علیہ السّلام نے کافروں کے ساتھ جو کچھ کیا اور بقدر
اور جسطرح اُنہوں نے خدا کے حکم سے کافروں کو قتل اور غارت کیا اگر اُسکا مقابلہ
مُحمّد رسُولُ اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے زمانہ کی لڑائیوں کے ساتھ کیا جاوے
تو معلوم ہوگا کہ وہ لڑائیاں بمقابلہ حضرت مُوسیٰ کی لڑائیوں کے خُدا کی رحمت
تھیں۔ پس جو لوگ توریت اور حضرت مُوسیٰ کو مانتے ہیں اُنکے لیئے تو حضرت
مسیح کا یہہ قول کافی ہے کہ " تو اُس تنکے کو جو تیرے بھائی کی آنکھ میں ہے
کیوں دیکھتا ہے اور جو شہتیر کہ تیری آنکھ میں ہے اُسے دریافت نہیں کرتا "
مگر ہمارا یہہ طریقہ نہیں ہے کہ ہم صرف حجّت الزامی پر اکتفا کریں۔ بلکہ ہمارا مقصود
ہر امر کو تحقیق کرنا اور اُسکی اصلیّت کو ظاہر کرنا ہے اسیلئے ہم اس امر کو بخوبی تحقیق
کرنا چاہتے ہیں۔

اس امر پر جو اعتراض جامع جمیع اعتراضات ہو سکتا ہے وہ یہہ ہے
کہ ایک بانی مذہب کو جسکا موضوع سچی اور سیدھی راہ کا بتانا۔ اور اُسکے نتیجوں
کی خوشخبری دینا۔ اور بدراہ کی بُرائی کو جتلانا۔ اور اُسکے بدنتیجوں سے ڈرانا اور
اپنی نصیحت اور وعظ سے انسانوں میں نیکی اور نیک دلی رحم اور صلح۔ آپس میں
محبّت و ہمدردی کا قائم کرنا ہے۔ تمام مصیبتوں اور تکلیفوں کو جو اس راہ میں
پیش آئیں صبر و تحمّل سے برداشت کرنا زیبا ہے یا زبردستی سے اور ہتھیاروں
کے زور سے اور قتل و خونریزی سے اُسکو منوانا لازم ہے۔

پس اب ہمکو اسی امر کا تحقیق کرنا مقصود ہے کہ قرآن مجید میں ہتھیار

اُٹھانے کا حکم زبردستی سے اسلام منوانے کے لیئے تھا؟ ہرگز نہیں - بلکہ قرآن مجید سے اور تمام لڑائیوں سے جو آنحضرتؐ کے وقت میں ہوئیں بخوبی ثابت ہے کہ وہ لڑائیاں صرف امن قائم رکھنے کے لیئے ہوئی تھیں نہ زبردستی سے اور ہتھیاروں کے زور سے اسلام منوانیکے لیئے "۔

اِس تمہید کے بعد محترم مجاہد نے اُس دشمنی و عناد اور بغض و عداوت کو جو کفارِ مکہ آنحضرتؐ اور صحابہ کرام سے رکھتے تھے اور جو تکلیفیں اور اذیتیں اُنکے ہاتھ سے صحابہ اور خود آنحضرتؐ کو پہنچیں اور جو سخت توہین و تحقیر وہ اپنے پیغمبر کی کرتے تھے اور جو بار بار قصد اُنہوں نے آنحضرتؐ کے قتل کا کیا اور حبشہ تک مہاجرین کے تعاقب میں گئے - اور پھر مدینہ میں بھی اُسی غرض اور ارادہ سے پہنچے - اُسکو بیان کیا ہے - مگر چونکہ ہم یہہ سب کچھ تفصیل لکھ آئے ہیں اسلیئے اُسکو قلم انداز کرتے اور اِس سے آگے جو اُنہوں نے بیان کیا ہے اُسکو لکھتے ہیں - فرماتے ہیں کہ "اِن تمام حالات سے جو عداوت کہ قریشِ مکہ کو مسلمانوں سے ہوگئی تھی اور ہر طرح پر اُن کے معدوم کرنے اور ایذا پہنچانے کی تدبیریں کرتے تھے بخوبی ظاہر ہوتی ہے - قریشِ مکہ کو مدینہ کے لوگوں سے بھی جو مسلمان ہوگئے تھے اور آنحضرتؐ کی نصرت کا وعدہ کیا تھا ویسی ہی عداوت تھی جیسی کہ مکہ کے مہاجرین سے تھی سب سے بڑا خوف قریشِ مکہ کو یہہ تھا کہ اگر یہہ لوگ زیادہ قوی ہوجائینگے تو مکہ پر حملہ کرینگے - چنانچہ جب دوبارہ آنحضرتؐ کے قتل کا مشورہ کیا تھا تو اُس مشورہ میں جس شخص نے یہہ رائے دی تھی کہ آنحضرتؐ کو طوق و زنجیر ڈالکر قید

کر دیا جاے اسکی رات اسی دلیل پر نہیں مانی گئی تھی کہ آنحضرتؐ کے اصحاب جو مکہ سے نکلگئے ہیں جمع ہوکر مکہ پر حملہ کرینگے۔ اور انکو پھر ایجا لینگے۔ اور جس شخص نے یہ راے دی تھی کہ آنحضرت کو جلا وطن کر دیا جاے۔ اُسکی راے بھی اسیوجہ پر رد کی گئی تھی کہ آنحضرتؐ اپنی فصاحت سے لوگوں کو اپنے گرد جمع کر لینگے اور قریش سے مکہ کو نکال دینگے۔ یہی سبب تھا کہ قریش مکہ مدینہ پر چڑھائی کرنے کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں بھی اس بات کیطرف اشارہ کیا گیا ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے " وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا [سورہ بقرہ آیت ۲۱۴] یعنی اہل مکہ تم سے ہمیشہ لڑتے رہینگے یہانتک کہ وہ تمکو تمھارے دین سے پھیر دیں اگر وہ ایسا کر سکیں" مدینہ والے بھی قریش کے حملہ سے مطمئن نہیں رہے تھے اسلیئے کہ مدینہ کے اُن لوگوں میں سے جو ایمان نہیں لاے تھے اور آنحضرتؐ کے مدینہ میں تشریف لانیکو پسند نہیں کرتے تھے اور مدینہ کے اُن لوگوں سے جنھوں نے آنحضرتؐ کی نصرت کا وعدہ کیا تھا نہایت ناراض تھے چند معزز لوگ مدینہ کو چھوڑ کر مکہ چلے گئے تھے اور قریش سے جا ملے تھے۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ ایسی حالت میں آنحضرتؐ اور مہاجرین اور انصار کو اپنی اور مدینہ کی حفاظت اور امن و امان قائم رہنے کے لیئے کیا کرنا لازم تھا اس مقصد کے حصول کے لیئے چار امر لازمی تھے کہ بغیر اُنکے امن اور حفاظت مطلوبہ کسیطرح قائم نہیں رہ سکتی تھی۔

اوّل- اِس بات کی خبر رکھنی کہ قُریشِ مکّہ کیا کرتے ہیں اور کس منصوبہ میں ہیں

دویم- جو قومیں کہ مدینہ میں یا مدینہ کے گرد رہتی تھیں اُنسے امن کا اور قریش کی مدد نہ کرنے کا معاہدہ کرنا- لیکن عہدشکنی کی حالت میں اُنسے مقابلہ کرنا اُس منصوبہ کے لیئے ایسا ہی ضروری تھا جیسا کہ امن کا معاہدہ کرنا- کیونکہ اگر عہدشکنی کی مکافات نہ قایم کیجاسے تو کوئی معاہد اپنے عہد پر قائم نہیں رہ سکتا اور امنِ مطلوبہ حاصل نہیں کر سکتا-

سویم- جو مُسلمان مکّہ میں مجبوری رہگئے تھے اور موقع پاکر وہاں سے بھاگ آنا چاہتے تھے اُنکے بھاگ آنے پر جسقدر ہو سکے اُنکی اعانت کرنا کیونکہ جو قافلہ مکّہ سے نکلتا تھا ہمیشہ احتمال ہوتا تھا کہ شاید اُسکے ساتھ بہانہ کر کے کوئی مُسلمان مدینہ میں بھاگ آنیکے ارادہ سے نکلا ہو-

چہارم- جو گروہ قریش کا مکّہ سے مدینہ پر حملہ کرنے کو نکلے یا کسی طرح پر احتمال ہو کہ وہ مدینہ پر آنے والا ہے ہتھیاروں سے اُسکا مقابلہ کرنا- کیونکہ ایسا کرنا اُسی امن کے قائم رکھنے کے لیئے لازمی و ضروری ہے-

اِن چار باتوں میں سے کوئی بات ایسی نہیں ہے جسکی نسبت کہا جا سکے کہ اُس سے زبردستی اور ہتھیاروں کے زور سے اِسلام کا منوانا مقصود ہے - اِن کے سوا دو امر اور ہیں جو ہتھیاروں کے اُٹھانیکا باعث ہوتے ہیں

ایک یہہ- کہ کافر. اُن مُسلمانوں کو جو اُنکے قبضہ میں ہوں تکلیف اور ایذا دیتے ہوں اُنکی مخلصی کے لیئے یا اُنکو اُنکے ظلم سے نجات دلوانیکے لیئے لڑائی کیجاوے- جسکی نسبت خدا تعالیٰ فرماتا ہے " مالکُم

لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا۔ سورۂ نساء یعنی کیا ہوا ہے تمکو کہ نہیں لڑتے ہو اللہ کی راہ میں اور کمزوروں کے بچانیکے لیئے مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمکو نکال اس شہر سے کہ ظلم کرنے والے ہیں اُسکے لوگ اور کر ہمارے لیئے اپنے پاس سے کوئی والی اور کر ہمارے لیئے اپنے پاس سے کوئی مددگار "

کون شخص ہے جو اس لڑائی کو انسانی اخلاق اور انسانی نیکی کے برخلاف کہہ سکتا ہے - اور کون شخص ہے جو اس لڑائی کی نسبت یہہ اتہام کرسکتا ہے کہ وہ زبردستی اور ہتھیاروں کے زور سے مذہب قبلوانیکے لیئے ہے -

دوسرے یہہ - کہ کافر. مسلمانوں کو اُنکے احکام مذہبی ادا کرنیکے لیئے مانع ہوں - بشرطیکہ وہ اُنکی عملداری میں رہتے ہوں - کیونکہ اس صورت میں اُنکو وہاں سے ہجرت لازم ہے نہ لڑائی کرنی - اگرچہ اس لڑائی کی بنیاد ایک مذہبی امر پر ہے - لیکن اسکا مقصد اپنی مذہبی آزادی حاصل کرنا ہے نہ کہ دوسروں کو جبر و زبردستی اور ہتھیاروں کے زور سے مذہب کا منوانا - اگر ھندو کسی قوم سے اسبات پر لڑیں کہ وہ قوم اُنکو اُنکے احکام مذہبی ادا کرنے نہیں دیتی تو کیا یہہ کہا جائیگا کہ ہندوؤں نے دوسری قوم کو بجبر اور ہتھیاروں کے زور سے ھِنْدُوْ کرنا چاہا ہے ؟

اور ایک اَور امر ہے جو اِن ہی قسم کی لڑائیوں کا ضمیمہ ہے یعنی

جس مُلک یا قوم سے ان ہی امور کے سبب مخالفت ہے اور لڑائی ان ہی امور کے سبب شتہر ہو چکی ہے اُس مُلک یا قوم پر چھاپہ مارنا۔ یا اُن کا اسباب اور انکی رسد اور اُن کے ہتھیاروں کو لوٹ لینا۔ اِس زمانہ تہذیب میں بھی کونسی مُہذب سے مُہذب قوم ہے جو اِس فعل کو نامہذب اور ناجائز قرار دیسکتی ہے؟ اور کون شخص ہے جو اسکو جبر و زبردستی ہتھیاروں کے زور سے مذہب کا قبلوانا قرار دیسکتا ہے؟ تمام لڑائیاں جو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے زمانہ میں ہوئیں وہ اِن ہی امور پر مبنی تھیں۔ ایک بھی لڑائی اِس غرض سے نہیں ہوئی کہ مخالفوں کو زبردستی اور ہتھیاروں کے زور سے اِسلام منوایا جاوے؛

بزرگ مجاہد نے اپنے اِس دعوے کے ثبوت میں کہ "لڑائی کا حکم صرف امن قایم کرنیکے لیئے تھا نہ زبردستی سے اِسلام قبلوانیکے لیئے" قرآن مجید کی چند آیتیں نقل کی ہیں جنکو ہم مع اُنکے ترجمہ کے درج کرتے ہیں۔ خدا اپنے پیغمبر کو فرماتا ہے۔

(۱) اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ [سورہ نحل]	(۱) یعنی۔ بُلا اپنے پروردگار کی راہ کی طرف پکی بات سمجھاکر اور اچھی نصیحت کرکر اور اُن سے ایسی طرز پر بحث کر جو بہت اچھی ہو۔
(۲) قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَیْکُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَ	(۲) یعنی۔ کہدے کہ خدا کا حکم مانو اور پیغمبر کی اطاعت کرو۔ پھر اگر مونھ پھرا لوگے (یعنی ایمان نہ لاؤ گے) تو وہ صرف اتنی ہی بات کا ذمہ دار ہے

اِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ؕ

(سورہ نور)

جواب لازم کی گئی ہے۔ اور اُسکے ذمہ اتم جو تمپر لازم کیا گیا ہے اور اگر اُسکی اطاعت کرو گے سیدھی راہ پر چلوگے۔ اور پیغمبر کے ذمہ حکم کے صاف صاف پہنچا دینے کے سوا کچھ نہیں ہے

(٣) اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ؕ

(سورہ تغابن)

(٣) یعنی اطاعت کرو خدا کی اور پیغمبر کا کہنا مانو پھر اگر تم منہ پھیر لوگے تو ہمارے پیغمبر کے ذمہ تو صرف حکم کا صاف صاف پہنچا دینا ہی ہے۔

(٤) وَمَا اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ؕ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ۝

(سورہ قاف)

(٤) یعنی۔ تو انپر کسی طرح بھی جبر کرنے والا نہیں [یعنی تجکو جبر کرنے کا اختیار نہیں ہے] پس جو شخص ہمارے عذاب کے وعدہ سے ڈرے اُسکو قرآن کے ساتھ نصیحت کر۔

(٥) فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ؕ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ؕ

(سورہ غاشیہ)

(٥) پس نصیحت کر کیونکہ تو صرف ایک نصیحت کرنیوالا ہے۔ کچھ اُنپر کروڑا نہیں ہے [جو انکو ایمان لانے پر مجبور کرے]

(٦) لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِى الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ (سورہ یونس)

(٦) یعنی اگر تیرا پروردگار چاہتا تو ملک کے لوگ سب کے سب اکھٹے ایمان لے آتے پھر اب کیا تو لوگوں پر جبر کر سکتا ہے تاکہ وہ دل سے مسلمان ہو جائیں؟

(٧) لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ

(٧) دین کے باب میں کسی قسم کی زبردستی کی

الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (سورہ بقرہ)

حاجت نہیں۔ کیونکہ حق و باطل کا فرق بخوبی ظاہر ہو چکا ہے پھر جو کوئی ماسوی اللہ کی پرستش کا منکر ہوا اور اللہ پر ایمان لایا تو بیشک اُسنے ایسی مستحکم گرہ میں مضبوط ہاتھ ڈال دیا جو ٹوٹ ہی نہیں سکتی اور اللہ سننے والا ہے جاننے والا۔

اسکے بعد جناب سید سلمہ اللہ تعالیٰ ارقام فرماتے ہیں کہ مخالفین اِسلام یہہ حجت پکڑتے ہیں کہ اس قسم کی نصیحتیں آنحضرت کی اُسوقت تک تھیں جبتک کہ آپ مکّہ میں تشریف رکھتے تھے۔ مگر جب مدینہ میں چلے آئے۔ اور انصار اہل مدینہ مسلمان ہوگئے۔ اور مہاجرین اور انصار ایک جگہ مجتمع ہوگئے اور آنحضرت کو بہت بڑی قوت ہوگئی۔ اُسوقت اُن نصیحتوں کو بدل دیا اور لڑنے اور قتل کرنیکا اور تلوار کے زور سے اسلام قبلوانے کا حکم دیا۔ مگر یہہ حجت محض غلط ہے۔

اوّل تو اسلیئے کہ اُن ہی سورتوں میں سے جنکی آیتوں کا ہمنے اُوپر ذکر کیا ہے۔ سورہ نور اور سورہ بقرہ ہجرت کے بعد مدینہ میں نازل ہوئی ہیں جبکہ آنحضرت کو بخوبی قوت ہوگئی تھی۔ اور اُن ہی سورتوں میں حکم ہے کہ "رسول کا کام صرف حکموں کا پہنچا دینا ہے اور دین میں کچھ زبردستی نہیں ہے" پھر یہہ کہنا کہ آنحضرت نے مدینہ میں آنیکے بعد اُن نصیحتوں کو بدل دیا تھا صریح جھوٹ ہے۔

دوسرے یہہ کہ خدا کے احکام جو بطور اصل اصول کے نازل ہے

بنا وہ جگہہ کی تبدیل یا قوت اور ضعف کی تبدیل سے تبدیل نہیں ہوسکتے

خدا کا حکم ہے کہ " زبردستی سے کسیکو مسلمان نہیں کیا جاسکتا "
پس جب آنحضرت مکہ میں تھے اُسوقت بھی کوئی شخص زبردستی سے
مسلمان نہیں ہوسکتا تھا۔ اور جب آپ مدینہ میں تشریف لے آئے
تو وقت بھی کوئی زبردستی سے مسلمان نہیں ہوسکتا تھا ان جب آپ مدینہ میں تشریف لے آئے
تو لڑائی کا حکم ہوا مگر وہ لڑائیاں لوگوں کو جبر و زبردستی سے ہتھیار انکے زور سے مسلمان
بنانے کے لئے نہیں بلکہ امن قائم کرنیکے لئے تھیں جسکو ہم آئندہ بالتفصیل بیان کرینگے

آزادی مذہب کی صلح اور معاہدے کی آیتیں

خدا تعالی نے اپنے پیغمبر کو کافروں سے صلح اور معاہدہ کرنے کی اجازت
دی جسکا ماحصل یہہ ہے کہ کافروں کے مذہب میں کچھ دست اندازی
نہ کیجائے وہ اپنے مذہب پر رہیں۔ صرف مسلمانوں کو ایذا نہ دیں
اُنسے لڑیں نہیں۔ اور اُن کے دشمنوں کی مدد نہ کریں۔ اور اُن معاہدوں
پر قائم رہنے کی نہایت تاکید کی اور معاہدہ کرنیوالوں سے جو اپنے معاہدے
پر قائم رہے ہوں لڑنے کی ممانعت فرمائی۔ صلح اور معاہدے کی اجازت
ہی صاف دلیل اس بات کی ہے کہ مذہب کی آزادی میں خلل ڈالنا مقصود
نہ تھا اور نہ لڑائی سے کسیکو زبردستی سے اور ہتھیاروں کے زور سے مسلمان
کرنا مقصود تھا بلکہ صرف امن کا قائم رکھنا مقصود اصلی تھا۔

سورہ نحل میں خدا نے فرمایا " اَوْفُوا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ

وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا - وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ط
اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ یعنی پورا کرو عہد اللہ کا (یعنی جو خدا کو درمیان
میں دیکر عہد کیا ہے) جب کہ تمنے عہد کیا ہو اور نہ توڑو اپنی قسموں کو
اُنکے مضبوط کرنیکے بعد اور بیشک تمنے اللہ کو کیا ہے اپنا ضامن -
بیشک اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو"

خود سورہ توبہ میں جسمیں نہایت خفگی سے لڑائی کا حکم ہے خدا نے
فرمایا ہے " اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْئًا
وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ
يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ یعنی جن مشرکوں سے تمنے عہد کیا ہے پھر انہوں نے
اُسکے پورا کرنے میں کچھ کمی نہیں کی اور نہ تمہارے برخلاف کسیکی مدد
کی تو تم پورا کرو اُنکے ساتھ اُنکا عہد اُنکی میعاد تک - بیشک اللہ دوست رکھتا ہے
پرہیزگاروں کو "

پھر اسی سورہ میں فرمایا " اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ یعنی جن
مشرکوں سے مسجد حرام کے پاس تمنے عہد کیا تھا - پھر جبتک کہ وہ تمہارے
لئے عہد پر قایم رہیں تو تم بھی اُنکے لئے عہد پر قایم رہو - بیشک اللہ دوست
رکھتا ہے پرہیزگاروں (یعنی بدعہدی سے بچنے والوں) کو "

اس سے زیادہ معاہدے کی رعایت کفار و مشرکین کے ساتھ
کیا ہو سکتی ہے جتنی کہ قرآن مجید میں کی گئی ہے - سورۂ نسا مدینہ

میں عجلت سے انکار کی ہے اُسمیں حکمت ہے کہ

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا ۚ فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۖ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝ [سورۂ نسا آیت ۹۴]

"اگر کسی مسلمان کے ہاتھ سے کوئی مسلمان غلطی سے مارا جاتا تو اُس کو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا چاہیئے اور اگر مقدور ہو تو ساٹھ روزے رکھنے چاہییں اور اُسکے سوا مقتول کی دیت (خونبہا) اُسکے کنبے کو دینی چاہیئے۔ پھر اگر وہ مقتول ایک ایسی قوم میں کا ہے جنسے اور مسلمانوں سے دشمنی ہے اور وہ مقتول مسلمان ہے تو اُس کو صرف مسلمان غلام ہی کا آزاد کرنا ہوگا اور اگر مقتول ایسی قوم میں کا ہے کہ اُس قوم سے اور مسلمانوں سے معاہدہ ہے تو قاتل کو غلام بھی آزاد کرنا ہوگا اور مقتول کی دیت اُسکے کنبے کو بھی دینی ہوگی"

اس سے زیادہ معاہدے کی رعایت جبکہ حکم خدا تعالیٰ سے دیا ممکن نہیں۔ کیونکہ جو حق خدا تعالیٰ نے ایسی حالت میں مسلمانوں کے لیے مقرر کیا تھا وہی حق اُن کفّار اور مشرکین کے لیئے بھی قرار دیا ہے جنسے اور مسلمانوں سے امن کا معاہدہ ہو گیا ہو۔

جن لوگوں سے معاہدہ ہوا ہے، اگر معلوم ہو کہ وہ لوگ دغابازی

کرنا چاہتے ہیں تو معاہدہ توڑنے کی اجازت دی گئی ہے۔ مگر ایسی احتیاط اور انصاف سے اُسکے توڑنے کی ہدایت کی گئی ہے کہ اُن لوگوں کو کسی طرح نقصان نہ پہنچ سکے یعنی یہہ حکم ہے کہ اسطرح پر معاہدہ توڑا جاے

اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ [سورہ انفال آیت ٦٠]	کہ دونوں فریق برابری کی حالت پر ہیں اَیمن کچھ دغابازی ہونے پاوے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنیوالوں کو دوست نہیں رکھتا۔
وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ [سورہ توبہ آیت ٦]	عین لڑائی کے زمانہ میں اگر کوئی مشرک یا کافر پناہ مانگے تو اُسکو پناہ دینے کا حکم ہے اور صرف پناہ ہی دینے کا حکم نہیں ہے بلکہ یہہ حکم بھی ہے کہ اسکو اُسکی امن کی جگہ میں پہنچا دیا جاوے۔ اِس سے زیادہ مذہب کی آزادی اور معاہدہ کی احتیاط کیا ہو سکتی ہے

اِسی بنا پر رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے مشرکین عرب کے بہت سے قبیلوں سے اور قبائل یہود سے جو مدینہ میں رہتے تھے امن کے معاہدے کیے۔ جو دلیل واضح اِس بات کی ہے کہ مقصود یہہ تھا کہ ملک میں لوگ امن سے رہیں مسلمانوں کو ایذا نہ دیں۔ اور خدا کے کلام کو سُنیں۔ کَمَا قَالَ "حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ" پھر جسکا دل چاہے ایمان لاوے جسکا دل نہ چاہے نہ لاوے۔ کَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ "لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ" وَقَالَ فِي مَوْضِعٍ آخَرَ" فَمَنْ

شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ"

لڑائی کے احکام اور اُس حالت میں بھی آزادیٔ مذہب

سب سے پہلے ہم یہہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ کن لوگوں سے لڑنیکا حکم ہوا ہے اور کس مقصد سے -

ہم اس سے پہلے بالتصریح بیان کر چکے ہیں کہ جو لوگ اپنے معاہدوں پر قائم ہیں اور مسلمانوں سے نہیں لڑتے اور نہ اُنکے دشمنوں کو لڑنے میں مدد دیتے ہیں اُن سے لڑنیکا حکم نہیں ہے - پس لڑائی کا حکم تین قسم کے لوگوں کے ساتھ ہوا ہے -

اوّل - اُن لوگوں سے جو مسلمانوں سے لڑائی شروع کریں - اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں فرمایا ہے - " قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ" [آیت ۱۹۰] یعنی لڑو اللہ کی اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے جو تم سے لڑیں اور زیادتی مت کرو - بیشک اللہ دوست نہیں رکھتا زیادتی کرنے والوں کو" دوسری جگہہ فرمایا - " فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ" [سورہ ایضاً آیت ۱۸۹] یعنی - اگر وہ لڑنا موقوف کردیں تو دست درازی کرنی نہیں چاہیئے - کیونکہ دست درازی صرف ظالموں پر کرنی ہے" ایک اور جگہہ فرمایا " فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ" [سورہ ایضاً آیت ۱۹۰] یعنی جو کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی

اُسپر زیادتی کرو جتنی کہ اُسنے تمپر زیادتی کی ہے - اور خدا سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے [یعنی اُنکے ساتھ ہے جو زیادتی سے پرہیز کرتے ہیں]

قدیم زمانہ سے عرب میں یہہ دستور چلا آتا تھا کہ حرم کعبہ میں جدال و قتال نہیں کرتے تھے - اُسکی نسبت خدا نے فرمایا - "وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُم مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ" [سورہ ایضاً آیت ۱۸۷] یعنی - لڑائی کی حالت میں اُنکو جہاں پاؤ [حرم کے اندر یا حرم کے باہر] قتل کرو کیونکہ فساد مچانا قتل سے بھی زیادہ ہے" مگر اس حکم میں بھی احتیاط کی اور فرمایا " وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۖ فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ" [ایضاً آیت ایضاً] یعنی تم مسجد حرام کے پاس اُنکو مت مارو جبتک کہ وہ وہاں تمکو نہ ماریں پھر اگر وہ وہاں بھی تمکو ماریں تو تم بھی اُنکو مارو - یوں ہی ہے سزا کافروں کی" اسکے بعد فرمایا " فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ " [ایضاً آیت ۱۸۸] یعنی اگر وہ باز رہیں [یعنی لڑنا موقوف کردیں] تو بیشک اللہ بخشنے والا ہے مہربان " یعنی تم بھی اُنکو معاف کرو اور لڑنا موقوف کردو - سورہ نحل میں خدا نے فرمایا " إِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ ۖ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ [آیت] یعنی اگر تم کافروں سے ایذا پہنچانے کا بدلہ لینا چاہو تو اُسیقدر ایذا کا بدلہ لو جسقدر تمکو ایذا پہنچائی گئی ہے اور اگر تم صبر کرو تو بیشک وہ بہتر ہے صبر کرنیوالوں کے لئے

پھر سورہ حج میں اس سے بھی زیادہ تصریح فرمائی ہے " اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰہَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۨالَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ [آیت ۴۰-۳۹] یعنی جن لوگوں کو لڑنے کا اذن دیا گیا ہے جن سے کفار لڑتے ہیں اسلئے کہ کفار کے ہاتھ سے مسلمان مظلوم ہوئے ہیں۔ اُنہوں نے مسلمانوں کو بغیر کسی حق کے اُنکے گھروں سے نکالا ہے صرف اسلئے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے"

سورہ نسا میں خدا نے فرمایا ہے کہ "کافروں سے لڑو۔ اُنکو قتل کرو جہاں پاؤ" مگر اُن لوگوں سے نہ لڑو اور نہ اُنکو قتل کرو جو ایسے لوگوں سے جا ملیں جنسے اور تُمسے امن کا معاہدہ ہے۔ اور اُنسے بھی مت لڑو اور اُنکو قتل بھی مت کرو جنکا دل لڑنے سے تنگ ہوگیا ہے اور نہ وہ تُمسے لڑنا چاہتے ہیں اور نہ اپنی قوم سے لڑنا چاہتے پھر جب وہ لڑائی سے الگ ہو جائیں یعنی نہ تُمسے لڑیں اور نہ تمہارے شامل ہوکر اپنی قوم سے لڑنا چاہیں اور تمہارے پاس صُلح کا پیغام بھیجیں تو اُنسے مت لڑو۔ کیونکہ اللہ نے اُنپر تمکو لڑنیکا کوئی قابو نہیں دیا" اسکے بعد اسی سورہ میں فرمایا ہے کہ

اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ اِلٰی قَوْمٍۭ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَهُمْ مِّیْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْکُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ یُّقَاتِلُوْکُمْ اَوْ یُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَیْکُمْ فَلَقٰتَلُوْکُمْ فَاِنِ اعْتَزَلُوْکُمْ فَلَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ وَاَلْقَوْا اِلَیْکُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ عَلَیْهِمْ سَبِیْلًا ۝ [آیت ۹۲]

"سَتَجِدُونَ آخَرِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ كُلَّمَا رُدُّوا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكِسُوا فِيهَا فَإِنْ لَمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأُولٰئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُبِينًا ۝" [آیت ۹۳]

"بعض قومیں چاہتی ہیں کہ تمسے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں اور فتنہ و فساد میں نہ پڑیں۔ پھر اگر تمہارے ساتھ لڑنیسے علیحدہ نہو جائیں اور پیغام صلح نہ بھیجیں اور اپنے ہاتھ لڑنے سے نہ روکیں تو اُنکو پکڑو اور مارو جہاں پاؤ یہی لوگ ہیں جنپر خدا نے تمکو غلبہ کرنیکا حق دیا ہے" پس لڑنا اسی پر موقوف ہے جبکہ کافر لڑائی شروع کریں۔ سورہ ممتحنہ میں نہایت صفائی سے اور بطور قاعدہ کلیہ کے بیان فرمایا ہے کہ کافروں سے کس طرح پیش آنا چاہیئے اور یہہ فرمایا ہے کہ

"لَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۝ إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝" [آیت ۸، ۹]

"جو لوگ تمسے لڑے نہیں اور نہ تمکو تمہارے گھروں سے نکالا ہے اُنکے ساتھ سلوک اور احسان کرنیسے خدا تمکو منع نہیں کرتا بلکہ سلوک کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ صرف اُنسے دوستی رکھنے کو منع کرتا ہے جو تُمسے لڑتے ہیں تمہارے دین کے سبب سے اور تمکو تمہارے گھروں سے نکال دیا ہے اور جنہوں نے تمکو تمہارے گھروں سے نکال دینے پر نکالنے والوں کی مدد کی ہے"

اِن تمام آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ لڑائی کا حکم کسیکو بزدستی اسلام قبلوانیکے لیئے نہیں ہے۔ بلکہ جو لوگ مسلمانونکو قتل کرنا اور اُن سے لڑنا چاہتے تھے اُن سے محفوظ رہنے کے لیئے لڑنیکا حکم ہوا ہے۔ اور لڑائی میں بارہا ہی کے موقوف ہوجانے اور امن کے قائم ہوجانے پر کسی کے مذہب سے کسی قسم کا تعرّض مقصود نہیں۔ **مُخالفین اسلام** چند آیتیں اس امر کے ثابت کرنیکو پیش کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں عموماً کافروں کے قتل کرنیکا حکم ہے۔ اور نیز بجبہ ہتھیاروں کے زور سے اُنکو مُسلمان کرنے کی ہدایت ہے۔ مگر اُن کا یہہ کہنا محض غلط اور صریح ہٹ دھرمی ہے جسکو بالتفصیل ہم بیان کرتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ سورہ بقرہ اور سورہ نسا میں آیا ہے کہ "وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ" اِسمیں صاف حکم ہے کہ کافر جہاں ملیں اُنکو قتل کرو۔ مگر یہہ اُنکی **صریح غلطی** ہے۔ حرم کعبہ میں قتل و قتال زمانہ جاہلیت سے منع تھا مگر جب قریشِ مکّہ سے لڑائی ٹھنی تو خدا نے حکم دیا کہ اُنکو جہاں پاؤ یعنی حرم کعبہ میں یا اُسکے باہر۔ اُنسے لڑو اور اُنکو قتل کرو پس اس آیت سے عموماً کافروں کا قتل کرنا کہاں سے نکلتا ہے خصوصاً ایسی صورت میں کہ قرآن مجید میں اُن ہی سے لڑنیکا حکم ہے جو مسلمانوں سے لڑتے ہوں نہ اُنسے کہ جو لڑنا نہیں چاہتے۔

وہ کہتے ہیں کہ سورہ نسا میں صاف حکم ہے کہ "جبتک کافر مکّہ سے ہجرت کرکے مدینہ میں نہ چلے آئیں اُنکو جہاں پاؤ قتل کر ڈالو" کافروں کا

مدینہ میں ہجرت کر کے آنا اور مسلمان ہو جانا برابر ہے۔ پس اسکے صاف معنی یہہ ہیں کہ جبتک کافر مسلمان نہ ہو جائیں انکو جہاں پاؤ مار ڈالو مگر یہ دلیل محض غلط ہے۔ یہہ آیت مکّہ کے منافقوں کے حق میں ہے جیسا کہ اس آیت کے اوپر بیان کیا ہے "فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ" الخ مکّہ کے بہت سے لوگ نفاق سے اپنے تئیں مسلمان کہتے تھے اور مسلمانوں کو تردد تھا کہ انکے ساتھ لڑائی میں کس طرح کا معاملہ کریں اُن کی

"وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا" سورہ نساء آیت

نسبت خدا نے فرمایا کہ اُن کا یہہ کہنا کہ ہم مسلمان اور تمہارے طرفدار ہیں ہرگز نہ مانو۔ اگر وہ سچے ہیں تو ہجرت کر کے چلے آئیں۔ پھر اگر وہ نہ آئیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ جھوٹے اور منافق تھے تو لڑائی میں انکو بھی جہاں پاؤ حرم کے اندر یا باہر مارو اور قتل کرو۔ پس ہجرت کا حکم کسی شخص کی نسبت جو مسلمان ہونے کا دعوے نہیں کرتا تھا نہیں دیا گیا۔ وہ دلیل لاتے ہیں کہ سورہ نساء کی بعض آیتوں میں مطلقاً کافروں سے لڑنیکا حکم ہے۔ مگر ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ان آیتوں سے کیا مطلب ثابت ہوتا ہے۔ لاشبہ ان آیتوں

"فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا"

[سورہ نساء آیت ۷۶]

اور اور بہت سی آیتوں میں لڑنیکا حکم ہے مگر لڑائی ابھی اُن ہی لوگوں سے جائیگا جنسے

"فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَكُفَّ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاللّٰهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنْكِيلًا" [سورہ نسا آیت ۸۶]

لڑنے کا حکم ہے - اور وہ وہی لوگ ہیں جو مسلمانوں سے بخصوصیت دین لڑتے ہیں - علاوہ اسکے ان آیتوں میں بھی کسیکو بجبر اور ہتھیاروں کے زور سے مسلمان کرنیکا اشارہ تک نہیں ہے -

اسی قسم کی آیتیں سورہ تحریم اور سورہ فرقان اور سورہ توبہ میں بھی آئی ہیں جنمیں کافروں سے لڑنے اور لڑائی میں اُنکے قتل کرنیکا حکم ہے - مگر جن لوگوں سے لڑنے کا حکم ہے اُن ہی لوگوں سے لڑنیکا حکم ان آیتوں میں ہے نہ عموماً ہر ایک کافر یا عام کافروں سے لڑنے کا -

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ

[سورہ تحریم آیت ۸]

فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا [فرقان آیت ۵۴]

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

پس یہہ کہنا کہ ان آیتوں میں لڑنے کا حکم ہے اور اس بات کو چھپا لینا اور نہ بیان کرنا کہ کن لوگوں سے منجملہ کفار کے لڑنے کا حکم ہے صریحاً ہٹ دھرمی ہے - قرآن مجید میں کسی کافر سے بحیثیت کفر اُس سے لڑنیکا حکم نہیں ہے - صرف تین قسم کے کافروں سے لڑنے کا حکم ہے - ایک وہ جو مسلمانوں سے لڑتے ہیں دوسرے وہ جنہوں نے عہد شکنی کی ہو - اور مسلمانوں سے لڑنے والوں کے ساتھ جا ملے ہوں تیسرے وہ جنکے ہاتھ میں

حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝ [سورہ توبہ آیت ٢٩]

قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَافَّةً ط [ایضاً آیت ٢٩]

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۝ [ایضاً آیت ١٢٤]

مسلمان عورت و مرد اور بچے بطور قیدی کے ہوں۔ اور وہ انکو ایذا پہنچاتے ہوں۔

ایک قسم کا تو ہم ابھی بیان کر رہے ہیں اور باقی قسموں کو بھی عنقریب بیان کرینگے۔ پھر کون شخص یا کوئی قوم مہذب سی مہذب اس قسم کی لڑائی کو ناواجب یا ظلم کہہ سکتا ہے اور کیونکر اس قسم کی لڑائیوں کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ وہ بزور شمشیر اسلام قبول کروانیکے لیے کی گئی تھیں۔ ہاں چند آیتیں ہیں جن پر بحث کرنا ہمکو ضرور ہے۔ سورہ بقرہ اور انفال میں خدا نے

قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ۔ [سورہ بقرہ آیت ١٨٩]

فرمایا ہے کہ "کافروں سے لڑو تاکہ فتنہ مٹ جائے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے"

اور سورہ فتح میں فرمایا ہے کہ "اے پیغمبر تو ان گنوار عربوں سے جو پیچھے رہ گئے تھے کہدے کہ تم ایک سخت لڑنیوالی قوم سے لڑنیکو بلائے جاؤ گے۔ پھر تم انسے لڑو گے یا وہ مسلمان ہو جاوینگے۔"

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۝ [سورہ فتح آیت ٦]

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ [انفال آیت ٤٠]

معترض کہہ سکتا ہے کہ ان آیتوں سے اس بات کا اشارہ نکلتا ہے کہ جبتک کافر مسلمان نہو جائیں انسے لڑتے جانا

چاہیئے **اوّل تو** یہہ کہنا غلط اسلیئے ہے کہ ان لفظوں سے کہ "یکُونَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ" کسی طرح یہہ مطلب نہیں نکلتا کہ جبتک کافر مسلمان نہوں اُنسے لڑے ہی جاؤ - کیونکہ ان لفظوں کے صرف یہہ معنی ہیں کہ دین خدا کے لئے ہوجاوے - یعنی کافروں کی مزاحمت احکام مذہبی کے بجالانے میں جاتی رہے -

سُورۂ توبہ میں بھی اللہ نے فرمایا ہے کہ

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ وَخُذُوْھُمْ وَاحْصُرُوْھُمْ وَاقْعُدُوْا لَھُمْ کُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَھُمْ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ [توبہ آیت ۵]	"مشرکوں کو مارو جہاں پاؤ اور پکڑو اُنکو اور گھیرو اُنکو اور اُنکی گھات میں بیٹھو - پھر اگر وہ توبہ کریں اور نماز پڑھیں اور زکات دیں تو اُنکا رستہ چھوڑدو [یعنی پھر کچھ تعرّض نکرو] بیشک اللہ بخشنے والا ہے مہربان"

معترضین کو اس مقام پر نہایت موقع ہے اگر وہ کہیں کہ نماز ادا کرنے اور زکات دینے کو مشروط کرنا صاف ایسا ہے جیسے کہ اسلام لانیکو شرط کرنا - مگر جب اُسکی تفریع پر خیال کیا جاوے تو معلوم ہوگا کہ اُس شرط کو لڑائی سے کچھ تعلّق نہیں ہے - بلکہ اُنکی آمدورفت کی روک ٹوک کے موقوف ہونیسے تعلّق ہے - جبتک وہ کافر تھے بلاشبہ روک ٹوک اور خبرگیری کی ضرورت تھی کیونکہ اُنسے اندیشہ تھا - مگر مسلمان ہونیکے بعد وہ اندیشہ نہیں رہا اسلیئے فرمایا "فَخَلُّوْا سَبِیْلَھُمْ" ان سب باتوں سے قطع نظر کرکے ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ان آیتوں میں اُن الفاظ

سے مسلمان ہوجانا ہی مقصود ہے تو بھی منجملہ اسباب ہوقوفی لڑائی کے اسلام بھی ایک سبب ہے مگر اس تسلیم کے بعد بھی بجبر و بزور شمشیر کافر کا مسلمان کرنا لازم نہیں آتا۔ ہمنے بالتفصیل اوپر بیان کیا ہے کہ کفار سے لڑائیکا حکم صرف مسلمانوں کے لیئے امن قائم کرنیکا تھا اور وہ امن صرف تین طرح پر قائم ہوسکتا تھا۔

اوّل۔ قبل جنگ یا بعد جنگ آپسمیں صلح ہونے اور امن کا معاہدہ ہونیسے جسکے کرنیکا خدا نے حکم دیا ہے۔ جہاں فرمایا ہے

"فَاِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ۝" اور خود رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سی کافر قوموں سے امن کے معاہدے کیئے ہیں جنکا ذکر آگے آئیگا

دوسرے۔ فتح پانے اور کافروں کا مغلوب ہوکر جزیہ دینا قبول کرنیسے جسکے بعد وہ اپنے دین و مذہب پر بدستور قائم رہتے ہیں جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے۔ "حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ ۝"

تیسرے۔ مسلمان ہوجانیسے۔

پس یہہ تینوں صورتیں امن قائم ہونیکی ہیں۔ ان تینوں صورتوں میں سے کوئی صورت پیش آئے تو لڑائی قائم نہیں رہتی تھی۔ پس ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ لڑائی سے بزور شمشیر کافروں کو مسلمان کرنا مقصود نہ تھا بلکہ صرف امن کا قائم کرنا مقصود تھا۔ دوم ان لوگوں سے لڑنیکا حکم ہے جنہوں نے دغابازی کی ہو اور معاہدوں کو توڑ دیا ہو۔ خدا نے سورہ توبہ میں

فرمایا ہے کہ

وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ

[سورہ توبہ آیت ۱۲]

"اگر عہد کرنیکے بعد اپنی قسم کو توڑ دیں تو جو کفر کے سردار ہیں اُنسے لڑو۔ کیونکہ انکی قسم کچھ نہیں"

اور ایک جگہ فرمایا ہے

أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ [سورہ ایضاً آیت ۱۳]

"کیوں نہیں لڑتے ایسی قوم سے جنہوں نے اپنی قسم توڑ دی اور رسول کو نکالنا چاہا اور اُنہی نے پہل کی"

اور سورہ انفال میں فرمایا ہے کہ

الَّذِينَ عَاهَدْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ

"جن لوگوں سے تو نے عہد کیا ہے پھر اُنھوں نے اپنا عہد ہر دفع توڑ دیا اور پرہیزگاری نہیں کرتے [یعنی عہد شکنی سے نہیں بچتے] پھر اگر تو انکو لڑائی میں پائے تو انکو ایسا مار کہ اُنکے پیچھے جو لوگ ہیں متفرق ہو جائیں"

پس معاہدہ توڑنیکے بعد اُن سے لڑنا امن قائم رکھنے کے لیے ایسا ہی ضرور ہے جیسا کہ مُعاہدہ کرنا کیونکہ بغیر اسکے نہ اَمن قائم رہ سکتا ہے نہ مُعاہدہ۔ مگر ایسی حالت میں لڑنا اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ اُس بزور شمشیر اُنکو مُسلمان کرنا مقصود ہے۔ اور نہ ایسی لڑائی مہذب سی مہذب قوم کے نزدیک بھی ناواجب ہے۔ سوم اُن لوگوں سے لڑنیکا حکم

ہے جنہوں نے مسلمانوں کو اور اُن کے بچوں اور عورتوں کو عذاب میں اور تکلیف میں ڈال رکھا ہے۔ اُسکا ذکر سورہ نسا ء میں ہے جسکو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اور ترتیب قائم رکھنے کے لیئے اُس آیت کو دوبارہ لکھتے ہیں خدا نے فرمایا۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا [سورہ نسا آیت ۷۷]	" کیا ہوا ہے تمکو کہ نہیں لڑتے ہو اللہ کی راہ میں اور کمزوروں کے بچانیکے لیئے مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمکو نکال اس شہر سے کہ ظلم کرنے والے ہیں اُسکے لوگ اور کر ہمارے لیئے اپنے پاس سے کوئی والی اور کر ہمارے لیئے اپنے پاس سے کوئی مددگار"

کیا یہہ انسانیت اور رحم کی بات نہیں ہے؟ کہ لاچار بے بس مسلمان مرد اور عورتوں اور بچوں کو کافروں کے ظلم سے بچایا جاوے اور انکی فریادرسی کے لیئے ہتھیار اُٹھایا جاوے۔ کون شخص ہے جو اس لڑائی کو ناواجب کہہ سکتا ہے" [انتہےٰ قولہ سلمہ اللہ تعالیٰ]

اَب ہم اُن واقعات کو بیان کرتے ہیں جو **غزوؤں اور سریوں** کے نام سے مشہور ہیں۔ اور یہہ دکھاتے ہیں کہ کوئی غزوہ یا سریہ اس مقصد سے نہیں ہوا تھا کہ **بجبر و بزورِ شمشیر** لوگوں کو مسلمان کیا جاوے

بلکہ ہر ایک غزوہ یا سریہ کا کوئی نہ کوئی سبب انہی اسباب میں سے
تھا۔ جنکو جنابِ سید نے اپنی مندرجہ صدر تقریر میں مفصل بیان کیا ہے۔
بزرگ سید نے ان واقعات کو نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے
مگر ہم بقدر تفصیل کے ساتھ بیان کرینگے۔ اور چونکہ ان کے وقوع کو کسی مورخ نے
کسی سنہ میں اور کسی نے کسی سنہ میں لکھا ہے اسلیئے بعلیہ جناب سید کو
بھی مجبوراً ان میں سے ایک سلسلہ اختیار کرنا پڑا اور نے اسی سلسلہ کو اختیار کیا
جسکو انہوں نے اختیار کیا ہے۔ اور ان سنہ بیان کرنے میں محرم سے
سال کی تبدیلی کا لحاظ نہیں کیا بلکہ واقعی زمانہ ہجرت سے برس کا شمار کیا ہے
۔ اور اگرچہ ان میں سے بعض واقعی ایسے ہیں جو نہ سریہ تھے نہ غزوہ مگر
انکو بھی احتیاطاً لکھدیا ہے۔ بزرگ سید نے ان واقعات اور انکے مقامات
کو جن کتابوں سے اخذ کیا ہے وہ یہ ہیں۔

سیرت[١] ہشامی۔ کامل التواریخ ابن اثیر[٢]۔ مواہب[٣] لدنیہ۔ تاریخ
ابن[٤] خلدون۔ تاریخ[٥] ابو الفدا۔ سیرت ابن[٦] اسحاق۔ مغازی[٧] واقدی
تاریخ[٨] یافعی۔ تاریخ[٩] وقدی۔ سیرت[١٠] المحمدیہ مولوی کرامت علی
زاد[١١] المعاد ابن القیم۔ فتوح البلدان بلاذری[١٢]۔ صحیح[١٣] بخاری۔ صحیح
مسلم[١٤]۔ مراصد[١٥] الاطلاع۔ مشترک[١٦] یاقوت حموی۔ معجم[١٧] البلدان۔
جنمیں ہم ناسخ[١٨] التواریخ اور تاریخ[١٩] واشنگٹن ارونگ کو بھی شامل
کرتے ہیں۔

سریہ سیف البحر یعنی ساحل بحر

یہہ ایک جگہ بحر فارس کے کنارہ پر بنی زہیر کے متعلق ہے۔

ہمارے اختیار کردہ سلسلہ کے موافق یہہ پہلا سریّہ ہے جو بہ سرداری
حضرت حمزہؓ بن عبد المطّلب عم رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہلِ مکّہ
کے تجسس حال کے لیئے بھیجا گیا تھا۔ اسمیں تیس۳۰ سوار تھے - قریش کی دشمنی
اور عداوت کا حال تو ظاہر ہی تھا۔ مگر اب جو مدینہ پر اُنکے حملہ کے ارادہ
کی خبریں سُنی جانے لگیں تو صحیح حال معلوم کیا جانا ضرور ہوا تاکہ مدینہ کے
تحفظ اور قریش کے حملہ کو روکنے کا انتظام ہو سکے - پس جب یہہ لوگ بمقام
سیف البحر پہنچے تو ابو جہل کو مکّہ والوں کے تین۳ سو سواروں کے ساتھ
موجود پایا - اب لڑائی ہونے میں شک نہ تھا مگر مجدی بن عمرو الجہنی
نے جو دونوں فریق کا حلیف تھا سمجھا بوجھا کر لڑائی نہونے دی اور ابو جہل
مکّہ کو اور حضرت حمزہؓ مدینہ کو چلے آئے -

بعض مؤرخوں نے جو یہہ لکھا ہے کہ یہہ سریّہ اُس قافلہ پر بھیجا گیا تھا
جو ابو جہل کے ساتھ شام سے مکّہ کو آرہا تھا وہ اسلیئے غلط ہے کہ تیس۳۰
آدمیوں کا تین سو سواروں پر بھیجا جانا ممکن نہیں ہے - البتہ خبر رسانی کے لیئے
اور دشمنوں کے ارادہ کی تفتیش کے لیئے جو ایک ضروری امر تھا ہو سکتا ہے
چنانچہ وہ نتیجہ حاصل ہوا - اور اُنکی حملہ آوری کی نیت کی خبر لگگئی -

سریّہ رابع - شوّال سنہ ۱ ہجری

یہہ ایک میدان ہے درمیان ابوا اور جحفہ کے - اس سریّہ میں
ساٹھ یا اسّی سوار تھے اور آنحضرت کے چچا زاد بھائی عبیدہ بن الحارث
اُنکے سردار تھے - جب یہہ لوگ ثنیۃ المرہ میں پہنچے تو قریش

سوار بسرداری **عکرمہ** بن ابی جہل یا مکرز بن حفص کے موجود پائے جنمیں سے مقداد بن عمرو حلیف بنی زُہرہ اور عُتبہ بن غزوان حلیف بنی نوفل جو دل میں مسلمان تھے موقع پاتے ہی ادھر چلے آئے۔ در حقیقت یہی باعث لڑائی نہونے کا ہوا۔ کیونکہ اگر ہوتی تو قبیلہ بنی زُہرہ اور بنی نوفل اپنے حلیفوں مقداد اور عُتبہ کی وجہ سے قریش سے برگشتہ ہو جاتے۔ مگر بعض مؤرخوں نے اسکا سبب یہہ بیان کیا ہے کہ کافروں کو یہہ گمان ہوا کہ مسلمانوں کا اپنے سے اسقدر زیادہ جنگ آزمودہ سواروں کے مقابلہ میں آنا بجز اسکے نہیں ہو سکتا کہ اُنکے پیچھے گھات میں کوئی بھاری فوج ہے۔ اور اسیلئے وہ دو ہی ستے تیر مار کر بھاگ گئے جسکو مسلمانوں نے غنیمت جانا اور مدینہ کو واپس چلے آئے۔

یہہ سریّہ خواہ بقصد دریافت حالات اہل مکہ بھیجا گیا ہو۔ یا بارادہ مقابلہ لشکر قریش مگر حملہ آوری کے طور پر بھیجا کسی طرح قرار نہیں پا سکتا۔ انتہا یہہ ہے کہ قریش کے حملہ کے روکنے کے لیئے جو امن رہنے کے لیئے لازمی تھا بھیجا گیا تھا۔

سریّہ خرار۔ ذی قعد سنہ ۱ ہجری

یہہ جحفہ کے نزدیک مقام ہے۔ اِس سریّہ میں اٹھی آدمی[۱] مہاجرین میں سے تھے اور سعد بن ابی وقاص اُنکے سردار تھے انکو کہیں کسی دشمن کا پتہ نہیں ملا اور خرار تک جاکر واپس آ گئے اِس سے ظاہر ہے کہ

---

۱ ناسخ التواریخ میں ۶۰ تن لکھے ہیں۔ مؤلف عفی عنہ

یہ لوگ صرف خبر رسانی کی غرض سے روانہ ہوئے تھے۔

غزوۂ ودّان یا غزوۂ ابوا۔ صفر سنہ (۱) ہجری

یہ ایک بستی مکّہ اور مدینہ کے درمیان فرع کی طرف جحفہ کے پاس تھی۔ جحفہ سے ودّان ۶ میل اور ابوا ۲۳ میل تھا۔ ابوا فرع کے متعلقات سے ہے اور وہاں حضرت ابن عرب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ آمنہ خاتون کی قبر ہے۔ خود جناب رسول خدا اس سفر میں تشریف لے گئے اور بنی ضمرۃ بن بکر بن عبد مناف بن کنانہ سے جنکا سردار مخشی بن عمرو الضمری تھا اس بات کا معاہدہ کیا کہ وہ نہ آپکی مدد کرینگے نہ قریش مکّہ کی۔ اور یہ معاہدہ کر کے واپس تشریف لے آئے۔ اِس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ مدینہ والوں کو قریش مکّہ کے حملہ کا کسقدر خوف تھا۔

غزوۂ بواط۔ ربیع الاوّل سنہ (۱) ہجری

یہ ایک پہاڑ ہے جہینہ کے پہاڑوں میں سے رضوے کے پاس۔ خود آنحضرت نے سفر فرمایا اور رضوے کی طرف سے بواط میں ہو کر واپس تشریف لے آئے۔ یہ صرف ایک سفر تھا خواہ اس سے مقصود لوگوں میں تبلیغ ہو یا قریش مکّہ کے ارادوں کا پتہ لگانا یا دونوں۔

غزوۂ سفوان یا بدر اولیٰ۔ ربیع الاوّل سنہ (۲) ہجری

یہ بدر کے پاس ایک میدان ہے۔ اور بدر ایک چشمہ کا نام ہے جو مکّہ اور مدینہ کے درمیان وادی صفرا کے اخیر پر واقع ہے اور وہاں سے سمندر کا کنارہ ایک رات بسے کا رستہ ہے۔ کرز بن جابر الفہری نے

مدینہ والوں کی مویشی لوٹ لی تھی پس آنحضرت نے بذات خود ان کا تعاقب کیا اور سفوان تک تشریف لے گئے۔ مگر وہ ہاتھ نہ آئے

غزوہ ذو العشیرہ جمادی الآخر سنہ ۲ ہجری

یہ ایک جگہ ہے مکہ اور مدینہ کے درمیان بنو مدلج کی طرف خود آنحضرت نے سفر کیا اور بنی مدلج اور ان کے حلیف بنی ضمرہ سے امن کا معاہدہ کر کے واپس تشریف لے آئے۔

سریہ نخلہ رجب سنہ ۲ ہجری

یہ ایک جگہ ہے مکہ کے پاس مکہ اور طائف کے درمیان اس سریہ میں مہاجرین میں سے آٹھ آدمی اور بعضوں نے لکھا ہے کہ بارہ آدمی تھے اور آنحضرت کے پھوپھی زاد بھائی عبد اللہ بن جحش انکے سردار تھے۔ چونکہ ان لوگوں کو مکہ کے قریب بھیجنا مقصود تھا جہاں جان جانیکا نہایت اندیشہ تھا اسلئے آنحضرت نے احتیاطاً عبد اللہ کو ایک سربمہر خط دیکر حکم دیا کہ مکہ کی طرف جانا اور تین روز بعد اسکو کھولکر پڑھنا۔ اور جو لکھا ہے اسپر عمل کرو۔ اس خط میں لکھا تھا کہ امض حتٰی تنزل نخلۃ فترصد بھا قریشا وتعلم لنا من اخبارھم۔ یعنی۔ نخلہ تک برابر چلے جاؤ اور جب وہاں پہنچ جاؤ تو مخفی طور پر دشمنوں کی حرکات و سکنات کو دیکھو اور ان کے ارادوں کی خبر لاؤ۔ مگر ان کے نخلہ میں پہنچنے کے دو دن بعد جو کہ ایک قریش کا ایک چھوٹا سا قافلہ طائف کا مال تجارت لئے ہوئے آن پہنچا و عبد اللہ

اور اُن کے ساتھیوں نے حکم کے برخلاف اُنپر حملہ کردیا اور عمرو بن عبداللہ الحضرمی جو مکّہ کے سرداروں میں سے تھا تیر سے مارا گیا اور حکم بن کیسان اور عثمان بن عبدُاللہ المخزومی جو ابُوجہل کے قبیلہ میں سے تھا گرفتار ہو گئے۔ مکّہ والوں میں سے کسی نے اِنکا تعاقب نہیں کیا۔ جسکی وجہ غالباً یہہ تھی کہ ابن اثیر کی ایک روایت کی موافق جو درست صحیح معلوم ہوتی ہے رجب کا مہینہ ختم نہیں بلکہ شروع ہوگیا تھا میں مشرکین عرب لڑائی کو حرام مطلق جانتے تھے۔ کیونکہ اگر یہہ وجہ نہوتی تو عبدُاللہ اور اُسکے ساتھیوں میں سے کسی ایک کا بھی زندہ بچنا محال تھا۔ جب یہہ لوگ اونٹ کا مال اور قیدیوں کو لیکر مدینہ میں آئے تو آنحضرت کو انکی اس حرکت سے بہت ملال ہوا اور آپ نے اُنکو بہت ملامت کی اور قیدیوں کو سعد بن ابی وقاص اور عتبہ بن غزوان کے واپس آنے پر جو اپنے اونٹ کی تلاش میں پیچھے رہگئے تھے اس غرض سے چھوڑ دیا اور عبداللہ بن الحضرمی کا خونبہا بھی اپنے پاس سے دیدیا کہ مکّے والوں کے کینہ کو اشتعال نہو۔

اِس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ سریّوں کے بھیجنے سے قریش کے ساتھ چھیڑ چھاڑ مقصود نہ تھی جیسا کہ سر ولیم میور وغیرہ نے لکھا ہے بلکہ صرف اُن کے ارادوں کا حال دریافت کرنا مقصود تھا نہ لڑنا اور کسی پر حملہ کرنا۔ اور نیز یہہ کہ کوئی شخص بجبر مسلمان نہیں کیا جا سکتا۔

غزوۂ بدر الکبریٰ - رمضان سنہ (۲) ہجری

جیساکہ متوقع تھا عبداللہ بن جحش کی اس خلاف حکم حرکت سے قریش
کے مدینہ پر حملہ کرنیکے ارادہ کو سخت تحریک ہوئی اور انہوں نے قریب
ایکہزار کے جنگ آزمودہ لوگ جمع کیئے جنمیں سے سو کے پاس گھوڑے
اور باقی کے پاس سواری اور باربرداری کے لیئے سات سو اونٹ تھے۔
ہمدریں اثنا انکو یہہ خبر پہنچی کہ انکا وہ قافلہ جسکو ابوسفیان بن حرب تیس یا
چالیس آدمیوں کے ساتھ شام سے مکہ کو لئے آرہا تھا اور جسمیں بہت
سامال و اسباب تھا مسلمان اسپہ حملہ کرنا اور اسکو لوٹنا چاہتے ہیں۔ اگرچہ یہہ خبر
فی الواقع صحیح نہ تھی مگر اسنے آگ پر تیل کا کام کیا اور قریش فوراً قافلہ کے بچانے
اور مدینہ پر حملہ کرنے کے لیئے چل کھڑے ہوئے۔ ادھر مدینہ میں
بھی یہہ خبر پہنچ چکی تھی کہ قریش مکہ سے بڑے کروفر کے ساتھ مدینہ
پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں اور یہہ بھی کہ انکا ایک قافلہ بہت سامال و
اسباب تجارت لیئے ہوئے شام سے مکہ کو جارہا ہے۔ پس رسول خدا
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین سو تیرہ (۳۱۳) لڑنے والے لوگوں کے ساتھ مدینہ
سے کوچ فرمایا جنمیں سے ایک یا دو کے پاس گھوڑے تھے اور باقی لوگوں
کے لیئے صرف ستر اونٹ تھے جنپر نوبت بہ نوبت تین تین چار چار آدمی سوار
ہوتے تھے۔ چنانچہ خود آنحضرت اور جناب علی مرتضیٰ اور زید بن حارثہ
ایک ہی اونٹ پر نوبت بہ نوبت سوار ہوتے تھے۔ پس مقام بدر پہنچکر
قریش سے لڑائی ہوئی۔ اور ان کے ستر آدمی مارے گئے اور اسیقدر گرفتار ہوگئے

اور اُن کا تمام مال و اسباب جو وہ چھوڑ کر بھاگ گئے تھے مسلمانوں کو ملگیا مقتولین میں سے اَبُوجَھل اور ربیعہ کے دونوں بیٹے عُتبہ اور شَیبہ اور عُتبہ کا بیٹا وَلِید اور حَنظلہ بن اَبِی سُفیَان اور نوفل اور اَبُوالبُختری وغیرہ چوبیس آدمی قُریش کے نامی گرامی سرداروں میں سے تھے جنمیں سے موافق روایت اِبنِ ہِشَام نَو کو جناب علی مرتضیٰ نے لڑکر مارا - اور یہہ پہلی دفعہ تھی کہ آپکو اپنی بے مثل شجاعت و شہامت کے جوہر دکھانیکا موقع ملا - مسلمانوں میں سے صرف چوداہ آدمی مارے گئے جنمیں سے چھ مہاجرین اور آٹھ انصار تھے - قیدیوں میں سے دو شخص نضر بن حارث اور عُقبہ بن اَبِی مُعَیط جنکی دشمنی مذہب اِسلام سے مشہور و معروف تھی اُسوقت کی لڑائی کے دستور کے موافق اپنی کردار زشت کی سزا کو پہنچے - یعنی قتل کیے گئے - مگر باقی قیدیوں کی نسبت سَر وِلیَم مِیور صَاحب لکھتے ہیں کہ "بہ تعمیل حکم اٰنحضرت مسلمانوں نے اُنکو اپنے گھروں میں رکھا اور بڑی خاطر و مدارات کی - چنانچہ چند روز کے بعد اُن میں سے ایک قیدی نے کہا کہ خدا اہل مَدِینہ کو آباد رکھے کہ اُنہوں نے ہمکو سواری پر چڑھایا اور خود پیدل چلے - اور ہمکو گیہوں کی روٹی کھلائی اور آپ کھجوروں پر قناعت کی" سَر سَید احمد خاں بہادر اس لڑائی کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ "زمانہ جاہلیت میں غنیمت کے مال کا جیساکہ اشعار* مندرجہ حاشیہ سے ظاہر ہوتا ہے یہہ دستور تھا کہ تقسیم ہونے سے پہلے

---

* ہمنے یہہ اشعار بغرض اختصار چھوڑ دیئے ہیں - مؤلف عفی عنہ

سردار لشکر جو چیز چاہتا پسند کر لیتا تھا - اور بوقت تقسیم چوتھا یعنی حصہ چہارم سردار لشکر کو دیا جاتا تھا اور باقی لڑنے والوں اور فتح کرنے والوں میں تقسیم ہوتا تھا اور خاص کسی شخص کے ہاتھ جو مال آتا تھا وہ اسکو اپنی ملکیت سمجھتا تھا - غالباً فتح کرنے والوں میں نسبت کسی مال غنیمت کے اس قسم کا جھگڑا پیدا ہوا کہ کوئی اسکو خاص اپنی ملکیت قرار دیتا تھا اور کوئی اپنی ملکیت اور کوئی مشترک ہونیکا دعوی کرتا تھا - اور اُسوقت تک مسلمانوں کے لیئے غنیمت کے مال کی نسبت کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا - اسیلئے لوگوں نے آنحضرت سے غنیمت کے مال کی نسبت پوچھا - اسپر یہہ حکم ملا کہ " قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ یعنی غنیمت کا مال کسی کی ملکیت نہیں بلکہ خدا اور رسول کی ملکیت ہے " رسول کا نام لینے سے یہہ مدعا نہیں ہے کہ رسول کی ذاتی ملکیت ہے بلکہ اس طرح کے کلام سے صرف خدا ہی کی ملکیت ہونا مراد ہے - خدا کی ملکیت قرار دینے سے یہہ مراد ہے کہ کوئی خاص شخص اُسپر دعوی نہیں کر سکتا بلکہ خدا جسطرح پر حکم دیگا اُس طرح پر کیا جائیگا - پھر اسی سورہ [یعنی انفال] کی بیالیسویں آیت میں یہہ حکم آیا کہ " مال غنیمت میں سے خمس خدا اور رسول کے لیئے ہے جو قرابت مندوں اور غریبوں اور یتیموں اور مسافروں کے فائدہ کے لیئے رہیگا اور چار خمس اُن لوگوں میں جو لڑتے تھے یا لڑائی کے متعلق کاموں میں مصروف تھے تقسیم کیا جائیگا -

جو رسم کہ زمانہ جاہلیت میں تھی اُس سے یہہ حکم تین باتوں میں مختلف تھا اوّل - سردار کی چوتھ موقوف کرنے اور خدا کے لیئے خمس نکالنے میں

دویم۔ عام طور پر کسی خاص مال پر کسیکا حق نہونے میں۔
سویم۔ جو لوگ عین لڑائی میں موجود تھے اور جو لوگ لڑائی کے متعلق کسی کام پر متعین تھے انکو بھی مال غنیمت میں سے حصہ ملنے ہیں۔

یہہ تمام احکام اور خصوصاً خمس کا نکالنا اسیلیے عمدہ احکام ہیں کہ اُس سے بہتر اور مفید تر کوئی حکم مال غنیمت کی نسبت نہیں ہو سکتا" انتہٰے قولہ مسلمہ

مسٹر جارج سیل اپنے ترجمہ قران میں اس مقام پر لکھتے ہیں کہ "یہہ عجیب بات ہے کہ پیغمبر اسلام کے اصحاب میں بھی جنگ بدر کے مال غنیمت پر ویسی ہی نزاع پیدا ہوئی جیسے حضرت داؤد کی فوج میں عمالقہ کے مال غنیمت پر جھگڑا ہوا تھا۔ جو لوگ لڑائی میں شریک ہوے تھے اُنہوں نے یہی اصرار کیا کہ جو لوگ اپنے گھروں میں بیٹھے رہے اُنکو مال غنیمت میں کچھ حصہ نملنا چاہیئے۔ اور دونوں صورتوں میں یہی فیصلہ کیا گیا کہ وہ سب برابر تقسیم کرلیں اور یہہ فیصلہ آئندہ کے لیئے قانون ہوگیا"

مگر مسٹر سیل کا یہہ تعجب بیجا ہے کیونکہ حضرت داؤد کا فیصلہ حکم ربانی کی رو سے تھا اور آنحضرت نے جو فیصلہ فرمایا وہ بھی خدا کی ہدایت سے تھا اور اسی لیئے دونوں باہم موافق تھے۔ اس لڑائیکا اصل واقعہ تو اسیقدر ہے جو ہمنے صاف طور پر بیان کر دیا ہے۔ مگر چونکہ مخالفین اسلام نے اسپر بہت کچھ الزام لگائے ہیں اسیلیے بزرگ مجاہد [سر سید احمد خاں بہادر] نے اسکی نسبت نہایت عمدہ اور محققانہ بحث کی ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ وہ الزام محض غلط ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ "اب چند امر اسمیں بحث طلب ہیں

اوّل یہہ کہ مکّہ کے قریش نے کیوں لڑائی کے لیئے لوگ جمع کیئے تھے اور کیوں لڑنیکے ارادہ سے نکلے تھے۔ تمام مسلمان مؤرخ کہتے ہیں کہ قریشِ مکّہ کو یہہ خبر پہنچی تھی کہ آنحضرتؐ کا ارادہ ابی سفیان والے قافلہ کے لوٹنے کا ہے اسلیئے اُنہوں نے اُس قافلہ کے بچانے کو لوگ جمع کیئے اور لڑائی کے ارادہ سے نکلے۔ اگر یہہ روایتیں صحیح مان لی جائیں تو بھی یہہ بات لازم نہیں آتی کہ جو خبر اُنکو پہنچی تھی وہ صحیح تھی اور درحقیقت آنحضرتؐ کا ارادہ اُس قافلہ کو لوٹنے کا تھا۔ علاوہ اسکے جبکہ قریشِ مکّہ نے بہت سے لڑنے والے آدمی جمع کرکے لڑائی کے ارادہ پر کوچ کیا تھا تو اس بات کا کسی طرح پر یقین نہیں ہو سکتا کہ اُنکا ارادہ صرف اُس قافلہ ہی کی حفاظت کا تھا اور خاص مدینہ پر چڑھائی کرنے کا نہ تھا۔ بلکہ دو دلیلیں ایسی صاف ہیں جنسے پایا جاتا ہے کہ اُن کا ارادہ اُس سے زیادہ تھا اسلیئے کہ اُنہوں نے اسقدر آدمی جمع کیئے تھے اور لڑائی کا سامان اور نفیر* عام اس طرح پر کی تھی جو قافلہ کی حفاظت کی ضرورت سے بہت زیادہ تھی۔ اور جبکہ وہ قافلہ خدشہ کے مقام سے بچکر نکل گیا اُسوقت بھی اُنہوں نے کوچ کو اور لڑائی کے ارادہ کو موقوف نہیں کیا۔ اور اگر فرض کیا جائے کہ اُن کا ارادہ اُس قافلہ ہی کے بچانیکا تھا تب بھی اہل مدینہ کو کسی طرح اسبات پر طمانیت نہیں ہو سکتی تھی کہ اُنکا ارادہ مدینہ پر حملہ کرنے کا نہیں ہے۔ بلکہ جو عداوت اہل مکّہ کو مہاجرین اور مدینہ کے انصار سے تھی اور جسپر حملہ کرنے اور غارت کرنیکی وہ ہمیشہ

---

* لڑائی کے لیئے لوگوں کے جمع کرنیکو عربی زبان میں "نفیر" کہتے ہیں۔ مؤلف عفی عنہ

دھمکی دیتے تھے اور اُسکے خواہشمند بھی تھے وہ ایک قوی دلیل اس خیال بلکہ یقین کرنے کی تھی کہ وہ ضرور مدینہ پر بھی حملہ کرینگے۔

دُوسرا یہہ کہ آنحضرت نے کیوں مدینہ سے بقصد جنگ کوچ کیا تھا۔

تمام مسلمان مورخوں کا جنکی عادت میں داخل ہے کہ بلاسند روایتوں اور غلط و صحیح افواہوں کو بلا تصحیح و تنقید اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں اور اُن ہی پر بنائے واقعات قایم کرتے ہیں یہہ قول ہے کہ "آنحضرت اور اُنکے صحابہ نے یہہ بات خیال کر کے کہ اَبی سُفیان کے ساتھ کے قافلہ میں لوگ بہت تھوڑے اور مال بہت زیادہ ہے لوٹ لینے کا ارادہ کیا تھا اور اسی وجہ سے کوچ کیا۔ اسکی خبر قریش مکہ کو پہنچی تو انہوں نے نَفِیرِ عام کی اور قافلہ کے بچانیکو نکلے" جسکا نتیجہ یہہ ہے کہ قریش کے ساتھ لڑنے اور اُنکے قافلہ کے لوٹنے کا قصد اوّل آنحضرت نے کیا اور اُسکے دفع کرنے کو قریش بقصد لڑائی نکلے۔ اِن مسلمان موّرخوں کی نادانی اور غلطی سے مخالفین مذہب اسلام کو آنحضرت اور صحابہ کی نسبت قافلوں کے لوٹنے کا جو پیغمبری کی شان کے شایاں نہیں ہے اور بلا سبب لڑائی کے لیئے ابتدا کرنیکے الزام لگانیکا موقع ہاتھ آیا ہے اور بہت زور و شور سے ان الزاموں کو قائم کیا ہے۔ لیکن اُس زمانہ کی حالت پر اور جو طریقہ دشمنوں کے ساتھ پیش آنیکا اُس زمانہ میں بلا اعتراض کے مروّج تھا اُسپر اگر لحاظ کیا جاوے تو ایسا کرنے میں بھی اگر کیا گیا ہے کوئی مقام اعتراض کا نہیں ہوسکتا۔ اور اگر ہم اُس طریقہ تعجب انگیز کا جو حضرت موسیٰ نے اپنے دشمنوں

کے ساتھ اختیار کیا تھا اِسکے ساتھ مقابلہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اگر ایسا کیا گیا بھی ہو تو حضرت موسیٰ کے برتاؤ سے بہت ہی خفیف درجہ رکھتا ہے مگر درحقیقت یہہ الزام محض غلط اور بے بنیاد ہیں اور وہ حدیثیں اور روایتیں جنکی بناپر وہ الزام قایم کیے ہیں از سرتاپا غلط اور غیر معتبر ہیں۔

قرآن مجید۔ میں یہہ واقعہ نہایت صفائی سے مندرج ہے اور اسمیں صاف بیان ہوا ہے کہ کس گروہ کے مقابلہ میں آنحضرتؐ نے مقابلہ کے قصد سے کوچ فرمایا تھا۔ آیا قافلہ کے لوٹنے کے ارادہ سے یا اُس گروہ کے مقابلہ کے لیئے جسکو قریشِ مکہ نے لڑنیکے ارادہ سے جمع کرکے کوچ کیا تھا اور آنحضرتؐ کا کوچ فرمانا قریشِ مکہ کے کوچ کرنیکے بعد ہوا تھا یا اُسکے قبل ہوا تھا۔ ہم قرآن مجید کی آیتوں سے ثابت کرینگے کہ آنحضرتؐ کا خیال بھی اُس قافلہ کے لوٹنے کا نہ تھا اور قریشِ مکہ کے بقصد جنگ فوج کثیر کے ساتھ کوچ کرنیکے بعد جس سے ہر طرح مدینہ پر اُنکا ارادہ حملہ کرنیکا پایا جاتا تھا اور دینی یہہ کہ بوجہ قوی احتمال ہوتا تھا مدینہ کی حفاظت کی غرض سے کوچ کیا تھا۔ اور جبکہ خود قرآن مجید۔ کی آیتوں سے یہہ امر ثابت ہوتا ہے تو روایت یا کوئی حدیث جو اُسکے برخلاف ہو اور کتاب میں مندرج ہو اور کسی نے روایت کی ہو عقلاً و نقلاً مردود ہے۔ عقلاً میں نے اسلیئے کہا کہ جو لوگ مسلمان نہیں ہیں یہہ اگر صرف تاریخانہ اصول پر نظر رکھیں تو بھی اس بات کو تسلیم کرینگے کہ زبانی روایتیں جو ایک زمانہ بعد تحریر میں آئیں قرآن مجید کے مقابلہ میں جبکہ اُن دونوں میں اختلاف ہو قابل قبول اور لایق وثوق نہیں ہوسکتیں۔ اسی سورہ [انفال]

کی پانچویں آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی آنحضرتؐ اپنے گھر یعنی مدینہ ہی میں تھے اور وہاں سے کوچ بھی نہیں کیا تھا کہ آپسمیں صحابہ کے اختلاف تھا بعض تو لڑنیکے لیے نکلنا پسند کرتے تھے اور بعض ناپسند جیسا کہ خدا فرماتا ہے

کَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۙ [سورہ انفال آیت ۵]	یعنی "جسطرح تیرے پروردگار نے تجکو تیرے گھر [مدینہ] سے حق پر نکالا - اور بیشک ایک گروہ ایمان والوں میں سے ناپسند کرتا تھا [لڑائی کے لیے نکلنے کو] جو لوگ لڑنے کے لیے

نکلنا ناپسند کرتے تھے اُسکی وجہ چھٹی آیت میں بیان ہوئی ہے - یعنی

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۗ [سورہ ایضاً آیت ۶]	تجھسے جھگڑتے ہیں حق بات میں اُسکے خوب ظاہر ہو جانیکے بعد بھی گویا کہ وہ ہانکے جاتے ہیں موت کیطرف اور وہ اُسکو آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں"

ادنیٰ تامل سے معلوم ہوتا ہے کہ ابی سفیان کا قافلہ جو شام سے آتا تھا اُسمیں نہایت قلیل آدمی تھے اُنسے لڑنیکے لیے کوچ کرنے میں اور اُسکے لوٹنے میں کوئی خوف کی بات نہ تھی - بلکہ یہہ خوف قریشِ مکہ کی اُس فوج سے تھا جو اُنھوں نے نفیرِ عام کے بعد جمع کی تھی - اس سے لازمی نتیجہ یہہ نکلتا ہے کہ قبل اسکے کہ آنحضرتؐ مدینہ سے کوچ فرمائیں قریشِ مکہ لڑنیکو نکل چکے تھے یا آمادہ جنگ ہو چکے تھے -

اسمیں کچھ شک نہیں ہے کہ آمادگی جنگ کے بعد اور مدینہ سے

کوچ کرنیکے قبل بعض صحابہ کی یہہ راے ہوئی کہ شام کے قافلہ کو لوٹ لیا جاے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان مورخوں اور راویوں نے اس راے کو جو بعض صحابہ نے دی تھی غلطی سے اس طرح پر بیان کیا ہے کہ گویا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ قافلہ کے لوٹنے ہی کا تھا اور جو آمادگی جنگ مدینہ میں ہوئی تھی وہ قافلہ ہی کے لوٹنے کے لیے ہوئی تھی۔ زمانہ دراز کے بعد کسی واقعہ کے بیان میں جو افواہی چلا آتا ہو اس قسم کی غلطی کا واقع ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ مگر قرآن مجید سے صاف ظاہر ہے کہ وہ زبانی روایتیں غلط ہیں بلکہ جو آمادگی جنگ کی مدینہ میں ہوئی وہ بمقابلہ قریش کے ہوئی تھی نہ واسطے لوٹنے قافلہ کے۔

اس سورہ کی چھٹی آیت میں جو جملہ "بعد ما تبین" آیا ہے وہ اسپر دلالت کرتا ہے کہ خدا تعالی نے آنحضرت پر منکشف کر دیا تھا اس لڑائی میں مسلمانوں کو فتح ہوگی۔ اسکے بعد ساتویں آیت میں دو گروہوں کا ذکر ہے۔ ایک وہ گروہ جسکے ساتھ کچھ شان و شوکت یعنی لڑائی کا سامان نہ تھا۔

"اذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انها لکم وتودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم ویرید اللہ ان یحق الحق بکلماتہ ویقطع دابر الکافرین" [سورہ انفال آیت ۷]

یعنی یاد کرو جبکہ تم سے اللہ نے وعدہ

اس گروہ سے وہ قافلہ مراد ہے جو شام سے آتا تھا اور جسکے ساتھ صرف تیس یا چالیس آدمی تھے۔ دوسرا گروہ قریش مکہ کا تھا جسکے ساتھ بہت سا لشکر اور بہت کچھ شان و شوکت تھی۔ خدا نے کہا ان دونوں گروہوں میں سے ایک گروہ تمہارے

کیا تھا دو گروہوں میں سے ایک کا	لیئے ہے - تم اُس بے شان و شوکت
کہ وہ بیشک تُمہارے لیئے ہے	گروہ کو لینا چاہتے ہو - مگر خدا چاہتا ہے
اور تُم یہہ چاہتے تھے کہ اُنمیں سے	کہ جو حق بات ہے یعنی دین اسلام وہ ثابت
غیر مسلح گروہ تُمہارے لیئے ہو اور	ہو جاوے اور کافروں کی جڑ کٹ جاوے
اللہ چاہتا تھا کہ سچ کو سچ کردے اپنے	پس اس آیت سے بخوبی ثابت ہوتا ہے
حکم سے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے"	کہ لڑنیکا حکم قریش مکّہ کے مقابلہ کے لیئے

تھا نہ اُس قافلہ کے لُوٹنے کے لیئے -

ساتویں آیت سے چھٹی آیت کے مضمون کی بھی زیادہ تشریح ہوتی ہے کہ بعض صحابہ جو لڑائی کے لیئے نکلنے کو ناپسند کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ گویا اُنکو موت کیطرف ہانکا جاتا ہے اور وہ اپنے مرنے جانے کو دیکھ رہے ہیں اُس خوف کا سبب یہی تھا کہ اُنکو قریشِ مکّہ کے مقابلہ میں نکلنے کا حکم ہوا تھا جو لشکر کثیر کے ساتھ لڑائی کو نکلے تھے اور جس سے یقین یا احتمال قوی مدینہ پر اور مہاجرین اور انصار پر حملہ کرنے کا تھا - نہ اُس قافلہ پر حملہ کرنے کا جسکے ساتھ کچھ شان و شوکت یعنی سامان جنگ نہ تھا -

بیان مذکورہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ خود قُرآن مجید سے مندرجۂ ذیل امر ثابت ہوتے ہیں -

اوّل یہہ کہ مدینہ ہی میں اور مدینہ سے کوچ کرنے سے پہلے یہہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ قریش مکّہ لشکر کثیر کے ساتھ جنگ کے ارادہ سے نکلے ہیں - دُوسرے یہہ کہ مدینہ ہی میں خدا نے حکم دیدیا تھا کہ قُریشِ

مکّہ کے مقابلہ میں لڑنے کو جاؤ اور جن صحابہ نے اس درمیان میں قافلہ لوٹنے کی راے دی تھی خود خدا تعالےٰ نے مدینہ ہی میں اُسکو نامنظور کیا تھا۔

اب ہم اگر اُن روایتوں پر جو قرآن مجید کے برخلاف نہیں ہیں اعتبار کریں تو معلوم ہوتا ہے اور جو واقعات پیش آے اُنسے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مدینہ سے جو لوگ لڑنے کو نکلے وہ قریشِ مکّہ کے مقابلہ میں اُنکے حملہ کے دفع کرنیکے لیئے نکلے تھے نہ قافلہ کے لوٹنے کے لیئے۔

سیرتِ ہشامی میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مدینہ سے مکّہ کیطرف کوچ فرمایا اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ کوچ قریشِ مکّہ کے مقابلہ میں تھا نہ شام کے قافلہ پر۔ کیونکہ وہ قافلہ شام سے آتا تھا جو مدینہ سے جانب شمال واقع ہے اور مکّہ سے جانب جنوب اور شام سے قافلہ کے مکّہ میں آنیکا رستہ مدینہ سے جانب غرب پڑتا ہے۔ پس اگر قافلہ پر حملہ کرنیکے لیئے کوچ کیا جاتا تو مدینہ سے غرب کی جانب کا رستہ اختیار کیا جاتا نہ جنوب کا۔

سیرتِ ہشامی میں لکھا ہے کہ آنحضرت مدینہ سے نکلکر نقب المدینہ میں تشریف لاے۔ پھر وہاں سے عقیق میں وہاں سے ذو الحلیفہ میں۔ وہاں سے اُلاتُ الجیش یا ذات الجیش میں وہاں سے تربان میں۔ وہاں سے مِلَل میں۔ وہاں سے غمیس الحمام میں۔ وہاں سے صخیرات الیمام میں۔ وہاں سے سیالہ میں وہاں سے

فج الرحا میں - وہاں سے شنوکہ میں اور عرق الظبیہ میں پہنچے
تو وہاں ایک عرب ملا [غالباً مکّہ سے آنیوالا تھا] اُس سے لوگوں کا
حال پوچھا - مگر اُسنے کچھ نہیں بتایا - پھر آنحضرت وہاں سے عِلم تک
میں ٹھہرے - پھر وہاں سے چلے اور جب منصرف میں پہنچے تو
بائیں طرف مکّہ کا رستہ چھوڑ دیا اور دائیں طرف چلے اور ارادہ ہو
بدر جانیکا ارادہ کیا اور رحقان اور وہاں سے مضیق الصفرا میں
پہنچے اور بسبس بن عمرو جہنی اور عدی بن ابی الزغبا جہنی
کو ابو سفیان کی اور اور لوگوں کی [قریش مکّہ کی] خبر دریافت کرنیکو روانہ
کیا اور مضیق الصفرا کو بھی بائیں طرف چھوڑ کر دائیں طرف چلے اور
وادی ذفران میں پہنچے وہاں قریش کے آنیکی خبر آئی
ذفران کے مقام میں آنحضرت نے تمام لوگوں سے جن میں انصار
بھی شامل تھے قریش کے بڑھے چلے آنیکی خبر کی اور سب لوگ لڑنے مرنے
پر مستعد پایا - تب آنحضرت وہاں سے ثنایا یعنی اصافر پر گئے اور وہاں
دبہ میں اترے - اور وہاں سے قریب بدر پہنچکر مقام کیا اور تحقیق خبر
ملی کہ قریش مکّہ کا لشکر یہاں سے بہت قریب پڑا ہوا ہے - انجام کار
دونوں لشکروں میں لڑائی ہوئی

تمام مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ اس سے پہلے شام کا قافلہ جسکے
ساتھ ابوسفیان بن حرب تھا سمندر کے کنارے کنارے ہو کر نکلگیا تھا
اور بدر میں نہیں آیا تھا - چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ جب ابوجہل

مدینہ سے لوگوں کو باہر نکالا تو اُس سے کہا گیا کہ قافلہ مدینہ کے کنارہ
کا رستہ پایا اور رستہ سے جدا گیا - اب مکہ کو کیوں پلٹو نہ کہا کہ آپ
دیا جائیگا - پس یہہ تمام واقعات ثابت کرتے ہیں کہ مدینہ سے آنحضرت
و اصحاب کے نکلنے کا مقصد صرف قریش مکہ کے قافلہ پر نہیں بلکہ انکے حملہ
دفع کرنے کی غرض سے تھا - مدینہ کو جہاں مہاجرین نے پناہ لی
تھی اور مہاجرین اور انصار دونوں کیلئے حملہ سے بچانا نہایت ضرور تھا -
ہر ایک دانا شخص جسکو خدا نے جنگ کے سمجھنے کی لیاقت
دی ہے بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ اگر حملہ آور قریش مدینہ کی دیوار تک
پہنچ جاتے تو اُن کا روکنا اور انکے حملہ کو دفع کرنا ناممکن تھا - مہاجرین کو
وہاں گئے ہوئے پورے دو برس بھی نہیں ہونے پائے تھے مدینہ
کے جن لوگوں نے اُنکو پناہ دی تھی اور دل و جان سے مہاجرین کے
مددگار تھے اور جو انصار کہلاتے تھے اُنکی تعداد بھی بمقابلہ آبادی مدینہ
اور اُسکے گرد و نواح کے کچھ زیادہ نہ تھی - پس جبکہ اہل مدینہ یہہ حالت
دیکھتے کہ اُن لوگوں کے سبب سے مدینہ پر کیا آفت آئی ہے اور
غنیم نے اُسکو گھیر لیا ہے تو اُن سب کی حالت بالکل بدل جاتی - اور حملہ آوروں کا
حملہ دفع کرنا غیر ممکن ہو جاتا - اسلئے ضرور تھا کہ مدینہ سے آگے بڑھکر
اُنکا مقابلہ کیا جائے اور جو کچھ خدا کو کرنا منظور ہو وہ مدینہ سے باہر ہو جائے
اسی لئے آنحضرت نے قریش کے مقابلہ کیلئے مدینہ سے باہر
نکلنا اور آگے بڑھکر اُنکو روکنا ضرور سمجھا تھا - اب کون شخص ہے جو ان

واقعات کو انصاف کی نظر سے دیکھکر اُنکو کسی الزام کی بُنیاد قرار دیسکتا ہے" (انتہے قولہ سلمہ اللہ تعالے)

(۱) سریہ عمر بن العدی الخظمی - رمضان ۲ ہجری

(۲) سریہ سالم بن عمیر - شوال ۲ ہجری

تعجب ہے کہ علامہ قسطلانی نے اِن دونوں واقعوں کو سریہ کر کے لکھا ہے حالانکہ نہ وہ سریہ تھے نہ آنحضرت نے اُن دونوں میں سے کسیکو بھیجا تھا - عمر بن عدی نے ازخود ایک عورت عصما بنت مروان کو جو یزید بن الخطمی کی جورو تھی اور اُسکی رشتہ دار بھی مارڈالا - اور سالم بن عمیر نے ایک بڈھے یہودی کو مارڈالا - یہہ ایک معمولی واقعات ہیں جو دُنیا میں ہوتے رہتے ہیں اُنکو اس خیال سے کہ دو کافر مارے گئے سریہ میں داخل کرنا محض غلط ہے - بالفرض اگر پہلے واقعہ کی خبر آنحضرت کو ہوئی اور اُسپر کچھ مواخذہ نہیں کیا جسکے کچھ اسباب ہونگے تو بھی اُسکو سریہ قرار نہیں دیا جا سکتا -

غزوہ بنی قینقاع - شوال ۲ سنہ ہجری

بنی قینقاع یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا جو مدینہ میں رہتے تھے اور ایک بازار اُن کے نام سے موسوم تھا اور سُوق بنی قینقاع کہلاتا تھا - اِن سے بھی امن کا معاہدہ تھا - مگر جب بدر کی لڑائی ہوئی تو اُنھوں نے اظہار بغاوت* کیا - اسی درمیان میں ایک مسلمان عورت سے جو سُوق

---

* دیکھو تاریخ ابن اثیر جلد ثانی صفحہ [۵۶] مطبوعہ مصر - مؤلف عفی عنہ

بنی قینقاع میں کسی کام کو گئی تھی نالایق طور پر ہنسی کی اور اسکا کپڑا اٹکا کر اسکا ستر عورت کھول ڈالا - اسپر ایک مسلمان غصہ میں آیا اور اُس یہودی کو جسنے عورت کو بے ستر کیا تھا مار ڈالا - یہودیوں نے اُس مسلمان کو گھیر کر مار ڈالا - اسپر یہودیوں اور مسلمانوں میں نزاع قائم ہوگئی - ظاہرا معلوم ہوتا ہے کہ یہہ سب واقعات اُس وقت ہوئے ہیں جب آنحضرت بدر کی لڑائی میں مصروف تھے - جب آپ واپس تشریف لائے تو اُن یہودیوں نے علانیہ معاہدہ توڑ دیا اور عہدنامہ جو تحریر ہوا تھا واپس بھیجدیا[۵۱] - اب اگر ایسے ہنگامے اور فساد جاری رکھے جاتے تو نتیجہ یہہ ہوتا کہ مدینہ ایک جنگ گاہ بنجاتا جسمیں مخالف فرقوں کے لوگ بلا مزاحمت و بلا عقوبت ایک دوسرے کو قتل کرتے - اسیلیے اُنکے محلہ کا محاصرہ کرلینا ضرور ہوا - اور قبل شروع کرنے لڑائی کے بطور قطع حجت اُنکو کہا گیا کہ اِسلام قبول کرو ورنہ تمہارا بھی وہی حال ہوگا جو بدر والوں کا ہوا - اُنہوں نے اسپر سختی سے یہہ گستاخانہ جواب دیا کہ "اے محمد اپنی قوم کو شکست دیکر نازاں ہو تجکو ایسے لوگوں سے سابقہ پڑا جو ہنر جنگ سے محض ناواقف تھے - اگر تو ہمسے بھی ویسا ہی برتاؤ کیا چاہتا ہے تو ہم تجکو دکھا دینگے کہ لڑنے والے ایسے ہوتے ہیں"[۵۲] پس پندرہ دن محاصرہ جاری رہا اور اسکے بعد اُنکا حلیف عبد اللہ بن اُبیّ بن سلول خزرجی جو منافقانہ طور پر مسلمان کہلاتا تھا درمیان میں پڑا اور یہہ ٹھہرا کہ یہودی مدینہ سے

---

[۵۱] دیکھو تاریخ ابن اثیر جلد ثانی صفحہ [۵۵] [۵۲] دیکھو تاریخ ابن اثیر و تاریخ ابن ہشام

چلے جائیں۔ چنانچہ عُبادہ بن صامتؓ اُنکی حفاظت کو مُتعین ہوئے
اور وہ لوگ بامن وامان مع مال واسباب مدینہ سے چلے گئے۔
البتہ اُن کے ہتھیار اور مکان ضبط کر لیئے گئے۔ اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے
کہ یہہ واقعہ آنحضرتؐ کی طرف سے حملہ تھا۔ یا بجبر مُسلمان کرنا قصد تھا۔
یا صرف امن کا قائم رکھنا۔

غزوۃ السویق۔ ذی الحجہ ۲ سنہ ہجری

ابُوجہل وغیرہ صنادید قریش کے مارے جانے سے قریش کی سرداری
ابُوسُفیان کے ہاتھ آئی چونکہ اُسکا بیٹا حنظلہ اور اُور اقربا جنگ بدر
میں مارے گئے تھے اُنکے جوش انتقام میں اُسنے قسم کھائی کہ جب تک
بدلہ نہ لوں گا خوشبو نہ لگاؤنگا اور نہ عورت سے ہمبستر ہونگا۔ پس جو ہیں
اسیران قریش چھوٹ کر صحیح سلامت اپنے گھروں میں پہنچے وہ دو سو
سواروں کے ساتھ مکّہ سے نکلا اور چھپتا ہوا مدینہ کے قریب پہنچگیا
اور رات کو قبیلہ بنی نضیر کے یہودیوں کے سردار حُیَیّ بن اخطب کے
پاس مسلمانوں کے تجسّس حال کے لیئے گیا مگر اُسنے ملاقات نہ کی اسلیئے
سلام بن مشکم اُنکے ایک دوسرے سردار کے پاس پہنچا وہ اُس
رات وہاں رہا اور صبح کو عُریض تک مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر آیا اور کھجور کے
کئی درخت جلا دیئے اور دو آدمیوں کو مار ڈالا۔ خبر کے معلوم ہونے پر
آنحضرتؐ نے خود اُسکا تعاقب کیا اور قرقرۃ الکدر تک تشریف لیگئے
مگر کوئی ہاتھ نہ آیا۔ چونکہ قُریش خوراک کے لیئے ستوا کے تھیلے ساتھ لائے تھے

جنکو بھاگتے وقت گھوڑوں کا بوجھ کم کرنیکو پھینک گئے اسلیے یہ غزوہ

اسی نام سے مشہور ہوگیا۔

غزوہ قرقرۃ الکدر یا بنی سلیم محرم ۳ سنہ ہجری

یہہ ایک چشمہ ہے اس شکر سے جو عراق سے مکہ کو جاتا ہے

مدینہ سے تین منزل پر۔ یہہ معلوم ہوا تھا کہ بنی سلیم اور بنی غطفان

مدینہ پر چھاپا مارنے کو وہاں جمع ہوئے ہیں۔ اسلیے آنحضرت دو سو

آدمیوں کے ساتھ اوس طرف گئے۔ مگر وہ لوگ آنے سے پہلے ہی منتشر ہو

گئے۔ اسلیے آپ مدینہ کو واپس تشریف لے آئے مگر آنے کی

... عبداللہ ... کو اونکی گوشمالی کے لیئے بھیجا اور وہ کچھ مارے

اور کچھ بھاگ گئے ... کے بھی تین آدمی مارے گئے۔

سریہ محمد بن مسلمہ ربیع الاول ۳ سنہ ہجری

کعب بن اشرف ... قریش کا حامی تھا اور مسلمانوں

کو اور آنحضرت کو ایذا پہنچاتا تھا اور قریش مکہ کو حملہ کرنے کی ترغیب دیتا تھا

چنانچہ ... نے لکھا ہے کہ بدر کی لڑائی کے بعد یہہ خود مکہ

گیا اور قریش کو ... آمادہ کیا مقتولین بدر کے مرثیے لکھے اور

قریش کو ... جوش دلایا۔ سو محمد بن مسلمہ نے اپنے چند ساتھیوں

کی مدد سے مار ڈالا ... واقعہ تو اسیقدر ہے۔ اب رہی یہہ بات کہ

ان لوگوں نے خود مارا یا آنحضرت کے حکم سے۔ یہہ ایک ایسا امر ہے

کہ جسکا قابل اطمینان تصفیہ نہیں ہوسکتا۔ مگر ہم تسلیم کرتے ہیں کہ آنحضرت کے

حکم سے مارا اور اس بات کا تصفیہ کہ ایسی حالتمیں کہ وہ دشمنوں سے سازش رکھتا اور مدینہ پر حملہ کی ترغیب دیتا تھا اُسکا قتل کر دینا بلحاظ اُن اصولوں کے جو انتظام جنگ اور دشمنوں کے جاسوسوں اور تھانگیوں سے علاقہ رکھتے ہیں واجب تھا یا نا واجب اُن لوگوں کے تصفیہ پر چھوڑتے ہیں جو اصول جنگ سے واقف ہیں۔ یہہ تقریر ہمارے یورپ کے مجاہد کی ہے اور ہم اسقدر اور اضافہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے خواہ اُسکو از خود مارا ہو یا آنحضرت کے حکم سے۔ دونوں صورتوں میں کچھ قابل الزام نہیں ہے کیونکہ وہ اُس قبیلہ میں سے تھا جسنے مسلمانوں کے ساتھ عہد کیا تھا اور یہہ حلف کرلیا تھا کہ اُس چھوٹی سی جمہوری سلطنت کو جو آنحضرت کے تحت میں ابھی قائم ہوئی تھی اندرونی اور بیرونی خطروں سے بچاینگے۔ پس جس سلطنت کا وہ شریک تھا اُسی کے برخلاف علانیہ کارروائی کرنیکا مجرم اور اُس سزا کا مستوجب تھا جو ایسے جرائم کے لیئے اس تہذیب و شایستگی کے زمانہ میں بھی نہایت واجب بلکہ ضروری سمجھی جاتی ہے۔

بعض عیسائی مؤرخ جنہوں نے اپنی نادانی یا تعصب سے اسکو "خونِ ناحق" سے تعبیر کیا ہے وہ غالباً اس امر کو بھول گئے ہیں کہ آنحضرت کے اُس فرمانِ عام میں جسکی رو سے مدینہ اور اُسکے مضافات کی رعایا کی ملکی اور مذہبی آزادی کا تحفظ کیا گیا تھا اور جسمیں یہودی بھی شامل تھے ایک شرط یہہ بھی تھی کہ "ہر ایک مجرم کا تعاقب کیا جایگا اور اسکو سزا دیجائیگی"۔ پس مسلمانوں نے اِس شخص کو سزا دینے میں گویا اُس قانون پر

عمل کیا جو یونان کے مشہور و معروف مقنن سولن نے اپنے شہر ایتھنز کی حفاظت کے لیئے اُسکے باشندوں پر فرض کر دیا تھا کہ جلاد بنا حسنے کریں اور مفسدوں کو تلاش کر کے قتل کریں - اور نیز اُس قانون پر جو عیسائی سلطنت انگلستان نے جاری کیا ہوا ہے اور جسکے بموجب وہاں کا ہر ایک شخص مجاز ہے کہ ہر ایک مفسد و عمداً کو پکڑکر مار ڈالے -

غزوۂ ذی امر - ربیع الاوّل ۳ ہجری

یہہ ایک موضع کا نام ہے جو نواح نجد میں واقع ہے - مجاہد سید نے لکھا ہے کہ " یہہ صرف ایک سفر تھا جو آنحضرت نے نجد اور غطفان کی جانب فرمایا تھا - اس سفر میں نہ کسی سے مقابلہ ہوا اور نہ کسی سے لڑائی ہوئی - ایک مہینہ تک اُس نواح میں آپنے قیام کیا - پھر واپس تشریف لے آئے - مگر مسٹر واشنگٹن ارونگ نے اسکے متعلق ایک ایسے واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کریم النفسی اور حمدلی اور خوف خطر کی حالت میں صرف خدا تعالی کے حفظ و حمایت پر اعتماد و رکھروسہ کرنیکا ایک عجیب و غریب اور بے مثل و بے نظیر ثبوت حاصل ہوتا ہے - اور چونکہ یہہ ایک ایسے شخص کی شہادت ہے جسکو شہادت دینی منظور نہیں اسلیئے زیادہ تر توجہ اور اعتماد کی مستحق ہے وہ لکھتا ہے کہ " اس سفر میں آنحضرت ایک درخت کے نیچے اپنے لشکر سے دُور تن تنہا سو رہے تھے کہ یکایک ایسا غل ہوا کہ آپ بیدار ہو گئے اور آپ نے دیکھا کہ ایک کافر جو آپکا جانی دشمن تھا ننگی تلوار لیئے

ہوئے سر پر کھڑا ہے اور کہتا ہے کہ "اے محمدؐ بتا کہ اب تجکو کون
بچا سکتا ہے" آپ نے فرمایا خدا جو ہر ایک امر پر قادر اور ہر ایک شئے
پر غالب ہے - جسکو سنکر اُسپر ایسا رعب طاری ہوا کہ جسم میں تھرتھری پڑگئی
اور تلوار ہاتھ سے گر پڑی جسکو آپ نے اُٹھا لیا اور گھما کر فرمایا کہ "اب بتا کہ
تجکو کون بچا سکتا" اُسنے کہا کہ "افسوس میرا بچانے والا کوئی نہیں" آپ نے
ارشاد کیا کہ "خیر رحم کرنا مجھسے سیکھ لے" اور یہہ فرما کر اُسکی تلوار اُسکو دیدی
اس سنگدل کا دل آپ کے اس رحم سے موم ہو گیا - اور اسکے بعد وہ
مدت العمر آپکی وفاداری و جاں نثاری میں سرگرم و ثابت قدم رہا -

سریہ قردہ جمادی الآخر ۳ سنہ ہجری

یہہ ایک چشمہ کا نام ہے جو نجد میں ہے - قریش مکہ کی تجارت
کا رستہ جنسے ہر وقت اندیشہ جنگ تھا ایک ضروری امر تھا - انہوں نے
قدیم رستہ تجارت کا چھوڑ کر ایک نیا رستہ عراق میں ہو کر نکالنا چاہا اور ابو سفیان
قافلہ لیکر نکلا اور فرات بن حیان رستہ بتانے والا تھا - جب اسکی خبر آنحضرت
کو پہنچی تو زید بن حارثہ کو انپر بھیجا اُسنے قافلہ لوٹ لیا اور فرات بن
حیان کو پکڑ لایا جو بعد اسکے مسلمان ہو گیا -

یہہ تمام واقعات ایسے ہیں کہ ایک جنگجو دشمن کے مقابلہ میں ہر ایک قوم
کو کرنے پڑتے ہیں - ان واقعات سے اس بات پر استدلال نہیں ہو سکتا
کہ یہہ لڑائیاں بزور شمشیر مسلمان کرنیکے لیئے تھیں -

غزوہ اُحد۔ شوال سنہ ۳ ہجری

یہہ اُس سرخ پہاڑ کا نام ہے جو مدینہ سے کچھ فاصلہ پر واقع ہے ۔ جیساکہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں مقتولین بدر کے وارثوں کو خونخواہی کے جوش نے بیچین کر رکھا تھا ۔ پس اُنہوں نے ملکر یہہ تجویز کی کہ اُس مال تجارت سے جسکو ابو سفیان شام سے لایا تھا اور اب تک بلا تقسیم پڑا ہوا تھا مدینہ پر ایک بھاری فوج کے ساتھ حملہ کرنے کی تیاری کیجیے ۔ چنانچہ وہ مال بیچا گیا اور اصل سرمایہ تقسیم ہوکر پچاس ہزار مثقال* سونا اور ایکہزار اونٹ جو منافع کا تھا مہم کی تیاری کے لیئے رکھا گیا ۔ مختلف قبائل عرب کے پاس چار معزز اور ذی اثر شخص استمداد کے لیئے بھیجے گئے جنمیں سے ایک وہ مشہور و معروف ابو عزہ شاعر بھی تھا جو بدر کی لڑائی میں پکڑا گیا تھا اور اس وعدہ پر اسکی جان بخشی کی گئی تھی کہ اپنے پُرتاثیر اشعار سے مشرکوں کو مسلمانوں کے برخلاف کبھی برانگیختہ نکریگا ۔ جسکا نتیجہ یہہ ہوا کہ تین ہزار اور صاحب ناسخ التواریخ کی روایت کے موافق پانچہزار سپاہی مکہ میں جمع ہو گئے ۔ جنمیں سے سات سو زرہ پوش تھے ۔ سواری کے لیئے دو سو عربی گھوڑے اور تین ہزار اونٹ تھے اور پندرہ عماریاں عورتوں کی سواری کی تھیں جنکو اس غرض سے ساتھ لائے تھے کہ لڑائی کے وقت دفیں بجاکر اور غیرت انگیز گیت گاکر لوگوں کو لڑنے مرنے پر آمادہ کریں ۔

الغرض یہہ فوج قہار مکہ سے چلکر بلا مزاحمت مدینہ کے سامنے

---

* ایک مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے ۔ مؤلف عفی عنہ

پہنچگئی - اور اُسمین اور شہر میں صرف کوہ اُحُد حد فاصل رہگیا اور اُنہون نے کھیتوں اور باغوں کو تاخت و تاراج کرنا شروع کر دیا -

اِدھر بھی لڑائی کی تیّاری ہوئی اور اگرچہ آنحضرتؐ کی مرضی مدینہ ہی میں بیٹھکر لڑنے کی تھی لیکن مسُلمانوں کے اصرار سے ایکہزار آدمی کے ساتھ باہر نکلکر ڈیرہ لیا - یھودی جنپر معاہدے کی شرایط کے موافق مسُلمانوں کے ساتھ شامل ہوکر مخالفوں کے حملہ کو دفع کرنا فرض تھا اپنا نفاق مخفی نرکھ سکے اور باوجود طلب اُن میں سے ایک بھی شریک لشکرِ اسلام نہوا - اور عَبدُاللہ بن اُبَیّ بن سلول بھی تین سو سے زیادہ منافقوں کے ساتھ مَدینہ کو واپس چلا گیا - جس سے سپاہ اِسلام میں صرف سات سَو آدمی رہگئے - مگر مسلمانوں کی قوّت ایمانی اور ثابت قدمی کو دیکھنا چاہیئے کہ اُن کو اسکی کچھ پروا نہ ہوئی اور ثباتِ عزم میں ایک سرِمو فرق نہ آیا یہانتک کہ چودہ ۱۴ یا پندرہ ۱۵ برس کے دو لڑکے بھی نہایت شوق اور اصرار کے ساتھ شریک جہاد ہوئے - رات معمُولی انتظامِ حفاظت کے ساتھ گزری اور صبحکو نماز کے بعد آنحضرتؐ نے پہاڑ کو پُشت کی طرف رکھکر لڑائی کی صف باندھی اور پچاس تیراندازوں کو لشکر کے عقب میں ایک گھاٹی کی حفاظت کے لیے جو محلّ خطر تھی مقرر فرمایا - اور تاکید کے ساتھ حُکم دیا کہ خواہ فتح ہو یا شکست مگر تُم اپنی جگہ نہ چھوڑنا -

مُشرکین کو اپنی کثرت اور قوّت و شوکت پر بڑا گھمنڈ تھا پس وہ اپنے بڑے بُت ھُبَل کی سواری کے اونٹ کو قلب فوج میں رکھکر بڑھے

جوش وخروش کے ساتھ آگے بڑھے - اور عورتوں نے جنگی سرحلقہ ابوسفیان کی جورو ہندہ تھی گیت گا گا کر اور دفیں بجا کر سپاہیوں کو لڑائی کی رغبت اور جرأت دلانی شروع کی -

گیت

"نحن بنات طارق   نمشی علی النمارق   مشی القطا البوارق
والمسك فی المفارق   والدر فی المخانق   ان تقبلوا نعانق
ونفرش النمارق   او تدبروا نفارق   فراق غیر وامق"

یعنی ہم بیٹیاں ہیں ستارہ صبح کی - مسندوں کو اپنے پاؤں سے روندتی ہیں قطا[۱] پرندے کی طرح - بانکپن اور چھانک دمک کی چال سے - سر کے بالوں میں مشک ملے ہوئے - اور موتیوں کے کنٹھے پہنے ہوئے - اگر لڑائی میں آگے بڑھوگے تو ہم تمکو پیار سے گلے لگائینگی - اور تمہارے لیے مسندیں بچھائینگی - اگر پیٹھ پھیر لوگے تو ہم الگ ہو جائینگی بیزاری کا الگ ہونا"

اور چونکہ فوج کا نشان بنی عبد الدار کے لوگوں کے پاس تھا اُن کو یہہ گیت سُنا کر آمادہ جنگ کرتی تھیں -

گیت

ضربا بنی عبد الدار   ضربا حمات الدار   ضربا بکل بتار یعنی

ہاں ! اے بنی عبد الدار کے بہادرو ایک وار کرکے دکھاؤ - ہاں ! اے وطن یعنی مکّہ کے حمایتیو اپنی تلواروں کے جوہر دکھاؤ - ہاں !

---

[۱] ایک پرند جانور کا نام ہے جو خوش رفتاری میں مشہور ہے - مؤلف عفی عنہ

خوب تلواریں مارو۔"

اوّل مُشرکوں نے لڑائی میں سبقت کی اور بڑے زور شور سے حملہ کیا مگر اُنکا حملہ رد کیا گیا اور جناب علیؑ مرتضیٰ اور حمزہؓ سید الشہدا اور ابو دجّانہ انصاری اور اَور بہادران اِسلام کے دلیرانہ بلکہ شیرانہ حملوں نے کافروں کے پانوں اُکھاڑ دیئے اور اُن میں بھاگڑ پڑگئی اور ابُو سُفیان بھی بھاگ نکلا۔ اُنکے بارہ مشہور و معروف بہادر علمدار یکے بعد دیگرے مارے گئے جنمیں سے آٹھ کو حضرت علیؓ مُرتضیٰ نے مارا۔ اب فتح کامل ہونیکو تھی کہ مُسلمان لوٹنے میں مصروف ہوگئے۔ اور چند آدمیوں کے سوا وہ لوگ بھی جو گھاٹی کی حفاظت پر متعیّن تھے مورچہ چھوڑ کر چلے آئے۔ خالدؓ بن ولید نے جو ہیں یہہ دیکھا سواروں کو سمیٹ کر اُسی گھاٹی کے رستہ سے مسلمانوں کے عقب پر آن گرا۔ اور ابُو سُفیان اور فوج کے پیادے بھی پھر پڑے اور مُسلمانوں کو دونوں طرف سے گھیر لیا اور سخت لڑائی ہوئی اور یکایک مخالف سمت سے آندھی کے آجانیسے مُسلمانوں کو خود اپنی پہچان نہ رہی اور باہم لڑنے لگے اور بعض بڑے بڑے شجاعانِ اسلام کے مارے جانیسے لڑائی کا رنگ بدل گیا اور کافر خود آنحضرتؐ پر آمڈ آئے اور ایک پتھر لگ کر آپ کے نیچے کے چار دانت ٹوٹ گئے اور پیشانی مُبارک بھی زخمی ہوئی اور آپ گھوڑے سے گر گئے اور مشہور ہوگیا کہ شہید ہوگئے۔ جس سے بجز معدودے چند سب لوگ بھاگ نکلے۔ مگر حضرت علیؓ مُرتضیٰ ایک قدم بھی میدان سے نہ ہٹے اور چونکہ آپنے

سن لیا تھا کہ آنحضرت شہید ہو گئے ہیں اسیلئے آپکو سخت طیش تھا کہ یکایک
آپ نے دیکھا کہ کچھ مسلمان دوسری طرف ابتک لڑ رہے ہیں۔ پس آپ نے
اُسطرف کا قصد کیا اور کُفار کی صفوں کو چیر کر لڑتے بھڑتے وہاں تک
پہنچ گئے جہاں ابُو دجانہ وغیرہ چند مجاہدین جانبازانہ سینہ سپر کیے ہوئے
آنحضرت کو دشمنوں کے حملہ سے بچا رہے تھے۔ آنحضرت کو زندہ و
سلامت دیکھکر آپکی جان میں جان آگئی اور پہلے سے بھی زیادہ شدت
قوت کے ساتھ دشمنوں پر متواتر حملے کر کے انکو پیچھے ہٹا دیا۔ اور آنحضرت
کو پہاڑ کے ایک محفوظ مقام پر چڑھا لیگئے اور اپنی ڈھال میں پانی لا کر آپکے
زخموں کو دھویا۔ اور جناب سیّدۃ النساء فاطمۃ الزہراء نے جو آپکی
شہادت کی خبر سُنکر چند عورتوں کے ساتھ مدینہ سے چلی آئی تھیں بوریا
جلا کر اُسکی راکھ زخموں میں بھری جس سے خون بند ہو گیا۔ اور آپ نے بیٹھے
بیٹھے لوگوں کو نماز ظہر پڑھائی جو آپکو زندہ و سلامت معلوم کر کے پھر اکٹھے
ہو گئے تھے۔

مُشرکین لڑتے لڑتے ایسے تھک گئے تھے کہ اپنی فتح کی
تکمیل نہ کر سکے۔ پس ابُو سُفیان مسلمانوں کو بآواز بلند یہہ سُنا کر کہ
آئندہ سال تمسے بمقام بدر پھر لڑونگا میدان سے ہٹ گیا۔ مشرکین
کی عورتوں نے شہیدوں کے ناک اور کان کاٹ لیئے اور ہار اور پہنچیاں
بنا کر پہن لیں اور ہندہ نے حضرت حمزہ کا جگر نکالکر دانتوں سے چبایا۔
آنحضرت اور مسلمانوں کو شہیدوں خصوصاً حضرت حمزہ کی یہہ حالت دیکھکر

نہایت طیش اور قلق ہوا اور اُسی حالت میں بمقتضائے بشریت آنحضرتؐ کی زبان سے یہہ نکلا کہ اگر خدا نے مجکو قابو دیا تو میں ایک حمزہؓ کے بدلے قریش کے کئی سرداروں کی لاشوں کے ساتھ ایسا ہی کرونگا - لیکن معاً آپکو نزول وحی کا احساس ہوا اور یہہ آیہ کریمہ نازل ہوئی - "اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۚ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ " [یعنی اے مسلمانوں] اگر تم بدلہ لینا چاہو تو اُسیقدر بدلہ لو کہ جسقدر تمپر عقوبت کی گئی ہے - اور اگر تم صبر کرو تو وہ صبر کرنیوالوں کے لیے بہتر ہے - اور آنحضرتؐ کو حکم ہوا " وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ " یعنی - اور تو صبر کر اور تو صبر نہیں کر سکتا مگر اللہ کی مدد سے " چنانچہ آپ نے بجواب اسکے جناب احدیت میں عرض کیا کہ میں صبر ہی کرونگا - اور شہیدوں کو جو شمار میں ستر یا کچھ زیادہ تھے دفن کر کے مدینہ کو چلے آئے -

اب ہم مخالفین سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہہ لوگ جنہوں نے اپنے پیغمبر کی حفاظت میں سینہ سپر ہو کر اپنی جانیں لڑادیں بزور شمشیر مسلمان ہوئے تھے ؟

غزوہ حمراء الاسد - شوال ۳ سنہ ہجری

یہہ ایک جگہہ ہے مدینہ سے آٹھ میل پر

اُحد سے واپس آنیکے دوسرے دن آنحضرتؐ نے اِس خیال سے کہ مبادا دشمن یہہ سمجھکر کہ مسلمانوں میں اب کچھ سکت باقی نہیں رہی مدینہ کا پھر قصد کریں اُن ہی لوگوں کے ساتھ جو شریک جنگ تھے مدینہ سے نکلکر حمراء الاسد میں قیام فرمایا - اور جب اطمینان ہوگیا کہ قریش

مکّہ کو چلے گئے تو تین روز بعد مدینہ میں واپس آ گئے۔ جو لوگ اس غزوہ میں شریک تھے اگرچہ اُن میں سے بعض نُو نُو اور دس دس اور بعض اس سے بھی زیادہ زخموں سے مجروح تھے۔ چنانچہ جناب علیؓ مرتضی بہت کثرت سے زخم کھائے ہوئے تھے مگر کسی نے روانی کے لیے نکلنے میں توقّف اور درنگ نہیں کیا۔ بلکہ بڑی خوشی اور اطمنان سے آنحضرتؐ کی رکاب سعادت انتساب میں دشمنوں کے تعاقب میں نکلنے کو سعادتِ دارین سمجھے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بزرگوار آنحضرتؐ کے احکام کی بجا آوری اور نصرتِ دین حق کو اپنے اوپر کسقدر واجب و لازم جانتے تھے۔ اور یہہ کہ اِس سے کوئی غرض دنیوی انکو مدّنظر نہ تھی۔

اس غزوہ میں قریش میں سے دو شخص گرفتار ہوئے۔ ایک وہی ابُو عزہ مغوی شاعر جسکا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں۔ دوسرا معاویہ بن مغیرہ جسنے حضرت حمزہ کی لاش کی ناک کاٹ لی تھی۔ ابُو عزہ فوراً قتل کیا گیا۔ اور معاویہ جو آنحضرتؐ کے داماد عُثمان بن عفّان معروف بذی النُّورین کا رشتہ دار تھا اُنکی سفارش سے آنحضرتؐ نے اِس شرط پر اُسکو چھوڑ دیا کہ تین دن کے اندر مدینہ سے چلا جائے۔ مگر موت اُسکو گھیر کر پھر وہیں لے آئی۔ یعنی رستہ بھُولکر پھر مدینہ میں آ گیا اور اِس اُمید پر کہ وہ پھر بچا لینگے اپنے شفیع کے گھر میں جا چھپا۔ مگر مسلمانوں نے پکڑ کر اُسکو مار ڈالا۔

سریہ عبداللہ بن اُنیس محرم سنہ ۴ ہجری

عبدُاللہ بن اُنیس نے آنحضرتؐ سے یہہ بات سُنی کہ سُفیان بن خالد ھُذَلِی نے عُرَنَہ میں جو وادی عرفلت کے پاس ایک آبادی ہے کچھ لوگ آنحضرتؐ سے لڑنے کے لیے جمع کیے ہیں۔ یہہ سُنکر وہ مدینہ سے غائب ہوگیا اور سُفیان کے پاس پہنچا۔ اُسنے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اسنے کہا کہ میں بنی خزاعہ کا ایک شخص ہوں۔ مینے سُنا ہے کہ تُمنے محمدؐ سے لڑنیکو لوگ جمع کیے ہیں۔ مَیں بھی تُمہارے ساتھ ہوا چاہتا ہوں۔ اُسنے کہا اچھا آؤ۔ عبدُاللہ تھوڑی دور اُسکے ساتھ چلے اور اسکو دھوکا دیکر مار ڈالا اور اُسکا سر کاٹ کر آنحضرتؐ پاس لے آئے۔ مگر کسی کتاب میں یہہ بات نہیں لکھی ہے کہ آنحضرتؐ نے اُسکو ایسا کرنیکو کہا تھا" یہہ تحقیق تو ہمارے بوڑھے مجاہد کی ہے مگر صاحب ناسخ التواریخ نے اس واقعہ کو آنحضرتؐ کے حکم سے منسوب کیا ہے لیکن یہہ روایت ویسی ہی غلط اور اُسی وجہ سے نامعتبر ہے جس وجہ سے وہ روایت غلط اور نامعتبر ہے کہ ابی سُفیان بن حرب کے قتل کرنیکو آنحضرتؐ نے ایک شخص کو مکہ بھیجا تھا اور جسکا ذکر ہم سال ششم کے واقعات میں کرینگے

سریہ قطن یا سریہ ابی سلمہ بن عبد الاسد المخزومی محرم سنہ ۴ ہجری

قطن ایک پہاڑ کا نام ہے جو فَید کی طرف واقع ہے اور فید پانی کا ایک چشمہ ہے قبیلہ بنی اسد کے متعلق۔

ابی سلمہ مخزومی ڈیڑہ سو آدمی لیکر جنمیں مھاجرین اور انصار

دونوں تھے طلیحہ اور سلمہ پسران خُویلِد کی تلاش میں نکلے جو سنا گیا تھا کہ مدینہ پر ڈاکہ ڈالنا چاہتے ہیں اور قطن پہاڑ تک انکی تلاش میں گئے مگر کوئی ہاتھ نہیں آیا اور نہ کسی سے لڑائی ہوئی۔

سریّہ رجیع - صفر ۴ھ ہجری

یہہ ایک چشمہ کا نام ہے جو حجاز کے کنارہ قوم ھذیل سے متعلق ہے۔ چند لوگ قوم عُضل اور قوم قارہ کے آنحضرت پاس آئے اور کہا کہ ہم لوگوں میں اسلام پھیل گیا ہے کچھ لوگ مذہب کے مسائل سکھانیکو ہمارے ساتھ کردیجئے۔ آپ نے چھ آدمی ساتھ کردیئے۔ جب رجیع میں پہنچے تو اُنہوں نے دغابازی کی اور انکو تلواروں سے گھیر لیا۔ اخیر کو یہہ کہا کہ اگر تم قریشِ مکّہ کے قبضہ میں جانا قبول کرلو تو ہم تمکو مارینگے نہیں۔ قریش نے ہمارے آدمی قید کرلیئے ہیں اُنکے بدلے تمکو دیکر اپنے آدمی چھڑا لائینگے اُن چھ میں سے مرثد بن ابی مرثد - خالد بن بکر - عاصم بن ثابت نے نہ مانا اور نہایت بہادری سے وہیں لڑکر شہید ہوگئے۔ اور زید بن دثنہ اور عبدُاللہ بن طارق اور خبیب بن عدی نے جوان کا کہنا مان لیا تو انکی مشکیں باندھکر مکّہ لے چلے اتفاقاً عبدُاللہ نے زور کیا اور چھوٹ گئے اور تلوار پکڑکر لڑنے پر طیار ہوئے۔ کافروں نے پتھروں سے مارکر انکو بھی شہید کیا۔ باقی دو کو مکّہ لیجاکر بیچ ڈالا قریش نے خبیب کو سولی پر لٹکایا اور چالیس آدمیوں نے جنکے باپ اُحُد کی لڑائی میں مارے گئے تھے نیزے مار مار کر مار ڈالا اور اسکے بعد اسیطرح زید بن دثنہ کو شہید کردیا

اور چالیس۴۰ روز تک برابر سولی ہی پر لٹکائے رکھا۔

سریّہ بیر معونہ۔ صفر سنہ ۳ ہجری

یہہ ایک کنواں ہے درمیان بنی عامر اور حرہ بنی سلیم کے ابو براء عامر بن مالک اگرچہ مسلمان نہیں ہوا تھا مگر مذہب اسلام کو ناپسند بھی نہیں کرتا تھا اُسنے آنحضرتؐ سے کہا کہ اگر آپ کچھ لوگ اسلام کا وعظ کرنیکو نجد کیطرف بھیجیں تو غالباً اُس طرف کے لوگ اسلام قبول کرلینگے آپ نے فرمایا اہل نجد سے اندیشہ ہے۔ ابو براء نے کہا اُنکی حفاظت کا میں ذمہ دار ہوں۔ اسپر آپ نے چالیس۴۰ آدمی جو قرآن کے قاری اور نہایت عابد و زاہد تھے ساتھ کردیئے۔ بیر معونہ پر یہہ لوگ ٹھہرے اور حزام بن ملحان کے ہاتھ آنحضرتؐ کا شقہ عامر بن طفیل نجدی کے پاس بھیجا اُسنے حزام کو قتل کرڈالا۔ اور بہت بڑی جماعت سے بیر معونہ پر چڑھ آیا اور سب مسلمانوں کو گھیر کر مار ڈالا۔ صرف ایک شخص مُردوں میں پڑا ہوا بچگیا۔ عامر بن فہیرہ جنکا ذکر ہم واقعہ ہجرت مقدسہ میں کر آئے ہیں اور جو اس گروہ کے سردار تھے وہ بھی مارے گئے۔

غزوۂ بنی نضیر۔ ربیع الاوّل سنہ ۴ ہجری

یہہ یہودیوں کے ایک قبیلہ کا نام ہے۔ عمرو بن اُمیۃ الضمری مدینہ کو آتا تھا۔ رستہ میں قبیلہ بنی عامر سے جس سے کہ آنحضرتؐ کا عہد تھا دو شخص ملے عمرو بن اُمیہ نے اُن دونوں کو سوتے میں مار ڈالا۔ جب آنحضرتؐ کو خبر ملی تو آپ نے فرمایا کہ میں اُن دونوں کی دیت دونگا

اور اُسمیں بنی نضیر سے بھی مدد چاہی - کیونکہ بنی نضیر اور آنحضرت کے درمیان بھی معاہدہ تھا - اور بنی نضیر اور بنی قامر اپسمیں حلیف تھے آنحضرت خود اُن کے محلہ میں تشریف لیگئے اور ایک دیوار کے تلے جا بیٹھے اُنہوں نے آنحضرت کے قتل کا باہم مشورہ کیا اور یہہ تجویز کی کہ دیوار پر چڑھکر ایک بڑا پتھر آپ پر ڈالدیا جائے - اور عمرو بن حجاش اس کام کے لیئے مقرر ہوا - اتنے میں آنحضرت وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ کو چلے آئے - جبکہ بنی نضیر کی یہہ دغا بازی محقق ہوگئی تو آنحضرت نے اُنپر چڑھائی کی اور وہ قلعہ بند ہوگئے - اور آپ نے انکا محاصرہ کرلیا اور یہہ بات ٹھہری کہ وہ مدینہ سے چلے جائیں - اور اُن کے اونٹ سوا ہتھیاروں کے جسقدر مال واسباب اُٹھا سکیں لیجائیں - چنانچہ اُنہوں نے چھ سو اونٹوں پر اپنا اسباب لادا اور اپنے مکانوں کو خود توڑ دیا اور خیبر میں جاکر آباد ہوگئے -

غزوہ بدرالاخریٰ - ذیقعد سنہ ۴ ہجری

اُحد سے واپس جاتے ہوئے ابوسفیان نے وعدہ کیا تھا کہ میں تُمسے پھر لڑونگا - اس وعدہ پر آنحضرت نے مدینہ سے کوچ کیا - اور بدر میں پہنچکر مقام فرمایا - ابوسفیان بھی مکہ سے نکلکر ظہران یا عسفان تک آیا - مگر آگے نہیں بڑھا اور کہا کہ یہہ سال قحط کا ہے اسمیں لڑنا مناسب نہیں اور سب لوگوں کو لیکر مکہ کو واپس چلا گیا -

---

غزوہ ذات الرّقاع ۔ محرّم ۴ ہجری

اِس غزوہ کا یہہ نام اسیلئے ہوا کہ مسلمانوں نے اپنے جھنڈوں میں جو پھٹ گئے تھے پیوند لگائے تھے - اور بعضوں کا قول ہے کہ جہاں مسلمانوں کا لشکر ٹھہرا تھا وہاں ایک درخت تھا جسکا نام ذات الرّقاع تھا - بنی محارب - اور بنی ثعلبہ نے جو قبیلہ غطفان سے لڑائی کے لیئے کچھ لوگ جمع کیئے تھے اُنکے مُقابلہ کے لیئے آنحضرتؐ نے کوچ کیا تھا - جب آپ غطفان میں پہُنچے تو ایک بہت بڑا گروہ دشمنوں کا نظر آیا - دونوں طرف کے لوگ لڑنیکے ارادہ سے آگے بڑھے مگر لڑائی نہیں ہوئی اور ہر ایک گروہ واپس چلا گیا -

غزوہ دُومتہ الجَندل ربیع الاوّل ۵ ہجری

یہہ ایک قلعہ کا نام ہے جو مَدینہ اور دِمشق کے بیچ میں ہے اور اُسکے قریب پانی کا ایک چشمہ ہے - اس بات کا خیال ہونے پر کہ یہاں کے لوگوں نے بھی لڑائی کے لیئے کچھ لوگ جمع کیئے ہیں آنحضرتؐ نے اُسطرف کوچ کیا مگر اثنا راہ میں سے واپس تشریف لے آئے - غالباً اسیلئے کہ اُس خیال کی صحت نہ پائی ہو گی -

غزوہ بنی مصطلق یا مُریسیع شعبان ۵ ہجری

یہہ عرب کے ایک قبیلہ کا نام ہے - اور مُریسیع ایک چشمہ کا نام ہے جو قُدَید کی طرف واقع ہے آنحضرتؐ کو یہہ خبر پہنچی کہ حارث بن ضرار نے لڑائی کے ارادہ پر لوگوں کو جمع کیا ہے - آنحضرتؐ نے اُنکی

مُقابلہ کے لیئے کوچ کیا اور مریسیع کے مقام پر دونوں لشکروں کا مُقابلہ ہوا اور بنی مصطلق کو شکست ہوئی۔

غزوۂ خندق یا احزاب ذیقعد ۵ ہجری

اب بنی نضیر کے جلاوطن یہودی انتقام پر آمادہ ہوئے اور اُنکے چند سردار بنی وائل کے کئی رئیسوں کو ساتھ لیکر مکّہ گئے اور ابُوسُفیان کو مدینہ پر حملہ کرنیکے لیئے اُبھارا اور وہ چار ہزار آدمیوں کے ساتھ بقصدِ مدینہ مکّہ سے نکلا۔ رستہ میں غطفان اور کنانہ اور اور قبایل صحرائی کے لوگ شامل ہوتے گئے اور قریب دس ہزار کے لشکر جمع ہوگیا۔

آنحضرت نے شہر سے باہر جاکر لڑنا خلاف احتیاط سمجھا اور مدینہ کے گرد خندق کھودکر جسمیں بنفس نفیس شریک ہوتے تھے مورچے باندھ لیئے۔ ابتک یہود بنی قریظہ کی نسبت عہد شکنی اور دغابازی کا گمان نہ تھا۔ بلکہ یہہ اُمید تھی کہ وہ شرایط معاہدہ کے موافق مُسلمانوں کی مدد کرینگے اور کم سے کم یہہ کہ دُشمنوں کے شریک نہونگے۔ مگر اُنہوں نے اپنے ہمجنس یہودیوں کی رعایت سے عہد توڑ دیا اور صاف کہدیا کہ

"مُحمّد کون ہے اور رسول کیا چیز ہے کہ ہم اُسکی اطاعت کریں۔ ہمسے اور اُس سے کوئی عہد وپیمان نہیں ہوا" اِن کے علاوہ سیکڑوں منافق موجُود تھے۔ جنسے یہہ اندیشہ تھا کہ دُشمنوں کو شہر کے غیر محفوظ مقامات بتادینگے۔ پس مُسلمان ایک سخت ضغطہ کی حالت میں تھے اور ایک

شخص کے بھی بچنے کی توقع نہ تھی - الغرض یہہ تمام لشکر مدینہ پر آپہنچا اور ایک مہینہ کے قریب تک لڑائیاں ہوتی رہیں اور دشمنوں نے دو دفعہ بڑی شدت اور قوت کے ساتھ عام حملہ بھی کیا - مگر ہر دفعہ ناکام ہٹائے گئے محاصرہ کو طول ہو گیا تھا اور سخت جاڑے کا موسم تھا - لشکر کفار میں رسد کی بہت قلت تھی - اور بھوک اور تکلیف کے مارے گھوڑے مرتے جاتے تھے - اعرابِ صحرائی جو صرف لوٹ کی طمع سے شریک ہوگئے تھے ہمت ہار چکے تھے اور خدا نے یہودیوں اور مشرکوں میں تفرقہ اور پھوٹ ڈالدی تھی اور ایک دوسرے سے بدگمان ہو گئے تھے اسی درمیان میں قریش کا رستم دستاں عمرو بن عبدِ وَدّ جو ہزار آدمی کو اکیلا کافی ہوتا تھا اسلام کے شیرِ لشکر شکن علی مرتضی کے ہاتھ سے مارا جا چکا تھا -

اِس شخص کی ایسی دھاک پڑی ہوئی تھی کہ جب اُسنے خندق کو پھاند کر دیو کی طرح چنگھاڑنا شروع کیا کہ " هَلْ مِنْ مُبَارِزٍ - هَلْ مِنْ مُبَارِزٍ " یعنی کوئی ہے ؟ جو مجھسے لڑنیکو نکلے - کوئی ہے ؟ جو میرے مقابلہ میں آئے " تو خوف کے مارے مسلمانوں کا یہہ حال ہو گیا " کَاَنَّ عَلٰی رُؤُسِهِمُ الطَّیْرُ " مگر غیرت و شجاعت اَسَدُ اللّٰهی اسکی متحمل نہو سکی اور آنحضرت سے اُسکے مقابلہ کی اجازت چاہی - اور آپنے جو یہہ فرمایا کہ " اِنَّهٗ عَمْرٌو " تو عرض کیا کہ ع " وہ ہے گر عمرو تو ہوں نام کو حیدر میں بھی " اِس مضمون کو فتحعلیخان صبا ملک الشعراے ایران نے کیا خوب ادا کیا ہے

"ہمہ سروں کہ ہمدم ہست ایں | کہ ہست یلی آستہ زاستیں
علی گفت اے شاہ اینک منم | کہ یک بیشہ شیر ہست در جوشنم"

چنانچہ اجازت ملتے ہی شیر غضبناک کی مانند اسکی طرف جھپٹے اور ایک بڑی کشمکش و کوشش کے بعد اسکو پچھاڑا اور چھاتی پر چڑھکر سر کاٹ لیا اور سب مسلمانوں نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ جسکے مارے جانیسے مشرکونکی گویا کمر ٹوٹ گئی۔ اسی اثنا میں یکایک خدانے برق و باد کا ایک بھاری لشکر اُنپر بھیجا۔ جس سے ابو سفیان محاصرہ اُٹھاکر رات ہی کو بھاگ جانے پر مجبور ہوا۔ اور اسکے بعد اُسکو پھر کبھی مدینہ پر حملہ کرنے کیلئے نکلنے کی جُرأت نہوئی۔

یہ واقعہ قرآن مجید میں ایسے لطف کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ اُسکا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے۔

"یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَآءَتْکُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمْ رِیْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا وَکَانَ اللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرًا اِذْ جَآءُوْکُمْ مِّنْ فَوْقِکُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ مِنْکُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰہِ الظُّنُوْنَا" الیٰ آخر الآیات [سورہ احزاب]

یعنی۔ اے مسلمانو۔ یاد کرو خدا کے احسان کو جو تم پر ہوا۔ جبکہ چڑھ آئی تمہیں تم پر فوجیں پھر بھیجی ہمنے اُنپر ایک تند ہوا اور ایسی فوجیں کہ جنکو تم دیکھ نہیں سکتے تھے [یعنی موکلان برق و باد] اور خدا دیکھتا تھا جو کچھ کہ تم کر رہے تھے۔ جبکہ چڑھ آئے تھے دشمن تمہارے اوپر [مشرق]

کیطرف سے اور نیچے [مغرب] کی جانب سے۔ اور جبکہ آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں اور کلیجے مونہہ کو آ گئے تھے۔ اور تم خدا [کے وعدہ نصرت] کی نسبت طرح طرح کے گمان کر رہے تھے"

سریّہ عبداللہ بن عتیک۔ ذیقعد ۵ سنہ ہجری

جس زمانہ میں مدینہ پر چڑھائی کرنے کو قومیں جمع ہو رہی تھیں اور آنحضرتؐ مدینہ کے گرد خندق کھودنے میں مصروف تھے۔ اسی زمانہ میں ابو رافع بن عبداللہ جسکو سلام بن ابی الحقیق بھی کہتے تھے یہودیوں کا ایک سردار مدینہ پر حملہ کرنیکے لیئے قوموں کے جمع کرنے میں بہت کوشش کر رہا تھا عبداللہ بن عتیک اور عبداللہ بن انیس اور ابو قتادہ اور اسود بن خزاعی اور مسعود بن سنان خیبر کو گئے جہاں وہ رہتا تھا اور کسی طرح رات کو اسکی خوابگاہ میں چلے گئے اور اسکو مار ڈالا مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ پیغمبر خدا نے انکو اس یہودی سردار کے قتل کرنیکو بھیجا تھا۔ شاید ایسا ہوا ہو۔ مگر ہم اسلیئے شبہ میں ہیں کہ ایشیائی مورخوں کی عادت ہے کہ خواہ مخواہ ہر چیز کو جناب پیغمبر سے منسوب کر دیتے ہیں علاوہ اسکے یہہ قصہ ایسی عجیب باتوں کے ساتھ ملا کر لکھا ہے کہ وہی باتیں اُسکے سچ ہونے میں شبہ ڈالتی ہیں۔ نہایت شبہ ہے کہ یہہ واقعہ ہوا بھی یا نہیں مگر ہمکو مناسب ہے کہ جو طرف ضعیف ہے اسکو اختیار کریں۔ پس ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جناب رسول خدا کے حکم سے وہ گئے اور اُنہوں نے اُس یہودی کو جو قوموں کو مدینہ پر حملہ کرنیکے

لیئے جمع کر رہا تھا مار ڈالا مگر اس واقعہ سے ہمارے اُس دعویٰ میں کہ
تلوار کے زور سے اِسلام قبُلوانا اِن لڑائیوں سے مقصود نہ تھا۔ کچھ خلل
واقع نہیں ہوتا۔ اور ہم ناظرین کو اپنی اُس توجیہہ پر توجہ دلاتے ہیں جو کعب
بن اشرف یہودی کے قتل کے باب میں لکھ آئے ہیں۔

غزوۂ بنی قریظہ۔ ذی الحجہ ۵ سنہ ہجری

یہہ بدر کی لڑائی کے موقع پر بھی بدعہدی کر چکے تھے اور دشمنوں کو
ہتھیار دینے سے اُنکی مدد کی تھی۔ مگر معاف کر دیئے گئے تھے اور دوبارہ
عہد لیا گیا تھا۔ اب جو اُنہوں نے ایسے سخت موقع پر جیسا کہ خندق کی لڑائی
کا موقع تھا پھر دغابازی کی اور عہد توڑ ڈالا تو کسی طرح درگزر نہیں کیا جا سکتی تھی
پس جو ہیں ابُوسُفیان محاصرہ اُٹھا کر مکہ کو گیا اُنکی گڑھی کا محاصرہ کر لیا گیا
جو پچیس ۲۵ دن تک جاری رہا۔ اسی درمیان میں اُنہوں نے اپنے سردار کعب
بن اسد سے صلاح کی کہ کیا کرنا چاہیے اُسنے کہا کہ تین ۳ کاموں میں سے
ایک اختیار کر لو ۔ یا ہم سب اِسلام قبول کر لیں۔ یا خود اپنی آل اولاد اور
عورتوں کو قتل کر کے محمدؐ سے لڑ کر مر جائیں۔ یا آج ہی کہ سبت کا دن ہے
اور اسوجہہ سے مُسلمانوں کو ہمسے حملہ کی توقع نہیں ہے اُنپر حملہ کر دیں
مگر وہ اِن تینوں باتوں میں سے کسی پر بھی راضی نہوئے۔ اور صُلح کا پیغام
بھیجا۔ اسکا جواب یہہ تھا کہ بلا کسی شرط کے اپنے تئیں سپرد کر دیں اور
آنحضرتؐ جو چاہینگے اُنکی نسبت حکم دینگے" اسپر اُنہوں نے درخواست کی
کہ تھوڑی دیر کے لیئے ابُولبابہ کو جو اُن لوگوں میں سے تھے جو بنی قریظہ

کے حلیف تھے ہمارے پاس بھیجدیا جائے - وہ گئے اور اُن لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ ہم پیغمبر کے حکم پر اپنے تئیں سپرد کر دینا قبول کرلیں یا نہیں اُنہوں نے جواب دیا کہ ہاں - مگر ساتھ ہی اپنی گردن پر ہاتھ پھیرا جس سے یہہ اشارہ تھا کہ سب قتل کئے جاوینگے - تب اُنہوں نے اسبات پر اپنے تئیں سپرد کر دینے سے کہ آنحضرتؐ جو چاہینگے اُنکی نسبت حکم دینگے انکار کیا -

ابُولبابہ خوب جانتے تھے کہ بنی قریظہ دو دفعہ اپنا عہد توڑ چکے ہیں اُنکا کوئی معاہدہ جو وہ آیندہ کیلئے کریں قابل اعتبار نہوگا - اور اگر وہ اسلام قبول کرنے پر راضی ہوں تو بھی اُسپر یقین نہوگا اور وہ منافق سمجھے جاوینگے جنکی نسبت جب وہ علانیہ کوئی دشمنی کر چکے ہوں وہی حکم ہوگا جو اُن لوگوں کی نسبت ہے جو علانیہ کافر ہیں - اسکے علاوہ ابُولبابہ کو معلوم تھا کہ وہ بغاوت کی سزا کے مستحق ہیں - اگر اُنکی جگہہ کوئی مُسلمان قوم ہوتی تو وہ بھی اُس سزا سے بچ نہیں سکتی تھی - اسی سبب سے اُنہوں نے اشارہ کیا کہ سب قتل کئے جاوینگے - اب بنی اوس جو بنی قریظہ کے حلیف تھے درمیان میں پڑے اور آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ جس طرح آپنے یہود بنی قینقاع سے جو بنی خزرج کے حلیف تھے معاملہ کیا وہی اُنکے ساتھ بھی کیجئے - اسپر آپ نے فرمایا کہ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو؟ کہ تُمہاری قوم میں کا ایک شخص یعنی سعد بن معاذ جو حکم دیدے وہ منظور کیا جائے؟ بنی اوس اور بنی قریظہ دونوں اسپر راضی ہو گئے اور بنی قریظہ نے اپنے تئیں سپرد کردیا -

بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ بنی قریظہ نے اوّل اپنے تئیں اسی بات پر

سپرد کر دیا تھا کہ آنحضرتؐ انکی نسبت جو چاہیں حکم دیں اور بعد کو سعد بن معاذ حَکَم یعنی پنچ قرار دیئے گئے تھے مگر یہہ قول صحیح نہیں - بُخارِی میں جو سب سے زیادہ معتبر کتاب ہے اَبُو سَعِید خدری سے دو روایتیں منقول ہیں اور اُن میں اور تاریخ ابن ہِشام میں صاف بیان ہوا ہے کہ بَنِی قریظہ نے اس بات پر اپنے تئیں سپرد کیا تھا کہ سعد بن معاذ جو اُنکی نسبت حکم دیں وہ کیا جائے - غرضکہ سعد بن معاذ بُلائے گئے اور اُنہوں نے یہہ حکم دیا کہ لڑنے والوں کو قتل کر دیا جائے اور اُنکی عورتیں اور بچے قید کر لیئے جائیں - اور اُنکا مال تقسیم کر دیا جائے مگر بُخارِی کی حدیث میں عورتوں اور مال کی تقسیم کا کچھ ذکر نہیں - بہرحال اس حکم کی تعمیل ہوئی - تمام عورتیں اور بچے اور لڑکے جنکے داڑھی مونچھ نہیں نکلی تھی قتل سے محفوظ رہے اور تمام مرد بجز تین۳ شخصوں کے جنکی نسبت ثابت ہوا تھا کہ اس بغاوت میں شریک نہ تھے قتل کیئے گئے - ایک عورت جسنے ایک شخص کو مار ڈالا تھا بطور قصاص کے ماری گئی - اِس موقع پر یہہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ان لوگوں کو بطور قیدیانِ جنگ سزا نہیں دیگئی تھی بلکہ باغیوں کے لئے جو سزا ہونی چاہیئے وہ دیگئی تھی - مقتولین کی تعداد میں نہایت مبالغہ معلوم ہوتا ہے - کسی مؤرخ کا چار۴۰۰ سو اور کسی کا چھ۶ سو اور آٹھ۸ سو اور نو۹ سو بیان کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہہ روایتیں قابل اعتماد نہیں ہیں - اور بلحاظ اُس آبادی کے جو اُس زمانہ میں مدینہ میں تھی یقین نہیں ہو سکتا کہ چار۴۰۰ سو آدمی بھی لڑنے والے بنی قریظہ کی

بستی میں ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں اور بچوں سمیت چار۴ سو یا کچھ زیادہ
تعداد اُن لوگوں کی ہوگی جسکو لوگوں نے غلطی سے مقتولین کی تعداد سمجھ لیا
۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ یہہ واقعہ نہایت خوفناک تھا۔ مگر کونسا زمانہ ہے
اور کونسی قوم ہے جسکے ہاتھ سے باغیوں کو اس سے سخت سزائیں دیگئی
ہوں۔ جن لوگوں نے بغاوت کی تاریخیں پڑھی ہیں یا اپنی آنکھوں سے
اس انیسویں۱۹ صدی عیسوی میں بھی جو سِوِلِزیشن کا زمانہ کہلاتا ہے۔
اس سے تھوڑا زمانہ پہلے بغاوت کے واقعات دیکھے ہیں اُنکی آنکھوں
میں کئی سو آدمیوں کا بجرم بغاوت قتل ہونا کوئی بڑا واقعہ معلوم نہوگا۔
رہی یہہ بات کہ اس قسم کی لڑائیوں اور ایسی خونریزی کو حضرت موسٰی نے
اپنے زمانہ میں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
اپنے زمانہ میں کیوں جائز رکھا اور مثل حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ
علیہما السلام کے کیوں نہ اپنی جان دیدی اُسکی نسبت ہم اخیر کو بحث کرینگے
اس مقام پر صرف ہمکو یہہ بات دکھانی ہے کہ جو لڑائیاں آنحضرت کے
زمانہ میں ہوئیں وہ اس بناپر نہ تھیں کہ لوگوں کو بجبر اور ہتھیاروں کے زور
سے مسلمان بنایا جائے۔ سو اس عظیم واقعہ سے بھی جو بنی قریظہ کے
قتل کا واقعہ ہے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ بزور شمشیر صرف امن کا قائم رکھنا
مقصود تھا نہ کسیکو بجبر مسلمان کرنا۔

سریۂ قرطا یا محمد بن مسلمہ محرم ۔ سنہ ۵ ہجری

قرطا ایک قبیلہ ہے بنی بکر بن کلاب میں کا۔ یہہ لوگ ضریہ

کی طرف ہٹتے تھے جو مدینہ سے سات منزل ہے اور عمرہ کے
لیئے مکہ جانے کو نکلے تھے۔ جیسا کہ اُنکے سردار نے آنحضرتؐ کے
سامنے بیان کیا۔ غالباً اُنکے نکلنے سے شبہ ہوا ہوگا اسیلئے محمد بن مسلمہ
کو تیس۳۰ سوار دیکر اُسطرف روانہ کیا گیا مگر وہ لوگ انکو دیکھکر بھاگ گئے اور
اُن میں سے ثمامہ بن اثال پکڑا گیا۔ جسکو محمد بن مسلمہ نے لاکر مسجد کے
ایک ستون سے باندھ دیا۔ مگر آنحضرتؐ کے حکم سے اُسکو چھوڑ دیا گیا اور
بعدکو وہ مسلمان بھی ہوگیا۔

غزوہ بنی لحیان۔ ربیع الاول ۶ سنہ ہجری

غزوۂ رجیع میں ذکر ہوچکا ہے کہ رجیع کے مقام پر لوگوں نے
دغابازی سے مسلمانوں کو مار ڈالا تھا اُسکا بدلہ لینے کو آنحضرتؐ نے
دو۲۰۰ سو سواروں کے ساتھ کوچ کیا اور غیر معروف رستہ اختیار کیا تاکہ بنی
لحیان یہہ نہ سمجھیں کہ اُنپر چڑھائی ہوتی ہے۔ مگر جب وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ انکو
خبر پہنچگئی تھی اور پہاڑوں میں جا چھپے تھے اسیلئے آپ واپس تشریف لے آئے

غزوہ ذی قردہ یا غزوہ غابہ ربیع الآخر ۶ سنہ ہجری

غابہ ایک گانوں ہے مدینہ کے پاس شام کی طرف۔
عُیینہ بن حصن الفزاری نے بنی غطفان کے سوار لیکر مقام
غابہ میں آنحضرتؐ کے اونٹوں کو لوٹ لیا اور وہاں ایک آدمی بنی غفار کا
مع اپنی جورو کے تھا اُسکو مار ڈالا اور اُسکی جورو اور اونٹوں کو لیگئے سلمہ بن
عمرو بن اکوع نے جو ایک نامی تیرانداز تھا تن تنہا اُن کا تعاقب کیا

اور اونٹوں کو چھڑا لیا - جب یہہ خبر مدینہ میں پہنچی تو لوگ آنحضرتؐ
پاس جمع ہو گئے تاکہ اُنکو سزا دیں - آپ نے سعد بن زید کو سردار
ا کے اُن لوگوں کے تعاقب میں بھیجا - کچھ خفیف سی لڑائی ہوئی اور
چند آدمی مارے گئے - اُن لوگوں کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ گئے -
سعد کے روانہ ہونیکے بعد آنحضرتؐ خود بھی روانہ ہوئے اور ذی قرد
تک جو ایک چشمہ کا نام ہے پُہنچے اور پھر سب لوگ واپس چلے آئے -

سریہ عکاشہ بن محصن اسدی ربیع الآخر سنہ ۶ ہجری

غمر یا غمرِ مرزوق ایک چشمہ ہے بنی اسد میں فید سے دو منزل
عکاشہ بن محصن اسدی چالیس آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے
اسطرف اعراب یعنی گنوار عرب رہتے تھے غالباً اُن ہی کی تنبیہ و
تادیب کو گئے ہونگے - وہ لوگ بھاگ گئے عکاشہ اُن کے دو سو
اونٹ پکڑ لائے -

سریہ ذی القصہ یا سریہ بنی ثعلبہ ربیع الآخر سنہ ۶ ہجری

ذی القصہ ایک گانو ہے مدینہ سے چوبیس میل -
آنحضرتؐ نے دس آدمی بنی ثعلبہ کے پاس روانہ کئے تھے
محمدؐ بن مسلمہ اُن کے سردار تھے - یہہ لوگ ذی القصہ میں
رات کو رہے - مگر رات کو وہاں کے سو آدمیوں نے اُنکو گھیر کے
تیروں سے مار ڈالا - صرف محمد بن مسلمہ بچے مگر زخمی ہوئے
صبح کو ایک شخص اُنھیں اُٹھا کر مدینہ میں لے آیا - اِس واقعہ کے

بعد آنحضرت نے ابو عُبَیدہ بن الجرّاح کو چالیس آدمی دیکر اُن لوگونکی سزا دینے کے لیئے بھیجا تھا مگر وہ سب پہاڑوں میں بھاگ گئے اُنکا گلا سڑا اسباب جو رہگیا تھا اُسکو ابو عُبیدہ لوٹ لائے۔

سریّہ جموم ۔ ربیع الآخر (۶) سنہ ہجری

جموم ایک مقام ہے بطن نخلہ میں۔

زید بن حارثہ بطور گشت کے اُس طرف گئے قوم مُزَینہ کی ایک عورت نے جسکا نام حلیمہ تھا بنو سلیم کی کچھ مخبری کی جسپر زید نے اُس بستی کو گھیر لیا۔ اُنکے اونٹ چھین لیئے اور چند آدمیوں کو قید کر لیا جنمیں حلیمہ کا شوہر بھی تھا۔ مگر آنحضرت نے اُسکو چھوڑ دیا۔

سریّہ عیص جمادی الاوّل ۶ سنہ ہجری

یہہ ایک موضع ہے مدینہ سے چار میل پر

قریشِ مکّہ کا ایک قافلہ جسمیں تجارت وغیرہ کا سامان تھا۔ شام سے آتا تھا آنحضرت نے زید بن حارثہ کو بھیجا کہ قریشِ مکّہ تک اُس سامان کو نجانے دے۔ زید گئے اور قافلہ کا مال و اسباب چھین لیا۔ اور چند آدمی قید کر لیئے۔

سریّہ طرف جمادی الآخر ۶ سنہ ہجری

یہہ ایک چشمہ کا نام ہے مدینہ سے چھتیس ۳۶ میل

زید بن حارثہ پندرہ آدمیوں کے ساتھ بطور گشت کے بنو ثعلبہ کی طرف گئے جو اعراب میں سے تھے۔ مگر وہ بھاگ گئے اور اُنکے

اُونٹ بھی چھوڑ گئے - جنکو زید لیکر چلے آئے -

سریّہ حسمی - جمادی الآخر سنہ (۶) ہجری

یہہ وادی القریٰ سے دو منزل درے ہے جو مدینہ سے چھہ منزل ہے -

دحیہ بن خلیفہ کلبی شام سے واپس آئے تھے - جب ارض جُذام میں پہنچے تو ھُنید بن عوص اور اُسکے بیٹے نے انکو لُوٹ لیا - دحیہ نے مدینہ میں آکر یہہ حال بیان کیا - اسی درمیان میں بنو نصیب نے جو رُفاعہ کی قوم سے تھے اور مسلمان ہو چکے تھے ھُنید پر حملہ کیا اور مال واسباب واپس کر لیا - آنحضرتؐ نے زید بن حارثہ کو ھُنید کی سزادہی کو مقرر کیا - وہ گئے اور لڑائی میں ھُنید اور اُسکا بیٹا مارا گیا - اُنکا اسباب لوٹ لیا گیا - اور کچھ لوگ قید ہوئے - معلوم ہوتا ہے کہ اس ہنگامہ میں بنی نصیب کا بھی کچھ اسباب لوٹا گیا - اور اُن کے کچھ آدمی بھی قید ہو گئے - جب اُنہوں نے آنحضرتؐ پاس آکر یہہ حال بیان کیا تو آپ نے حضرت علی مرتضیٰ کو متعین کیا - اُنہوں نے جاکر بنی نصیب کا سب مال واسباب واپس دلا دیا اور قیدیوں کو چھڑوا دیا -

سریّہ وادی القریٰ - رجب سنہ (۶) ہجری

یہہ ایک میدان ہے مدینہ اور شام کے درمیان - وہاں بہت سی بستیاں ہیں - زید بن حارثہ کچھ آدمی لیکر بطور گشت اُس طرف گئے وہاں کے لوگوں سے لڑائی ہوئی - زید کے ساتھ کے آدمی جو مسلمان

تھے مارے گئے اور زید بھی سخت زخمی ہوئے۔

سریّہ دومۃ الجندل شعبان سنہ (۶) ہجری

دومۃ الجندل کے لوگ [جو عیسائی تھے] ہمیشہ حملہ کا موقع تکتے تھے۔ چنانچہ ہجرت کے چوتھے سال میں بھی اُنکے حملہ کا احتمال ہوا تھا۔ اور خود آنحضرت نے کوچ فرمایا تھا۔ اُن ہی اسباب سے اِس سال عَبْدُ الرَّحْمٰن بن عوف کو سردار کرکے اُن لوگوں پر بھیجا اور فرمایا کہ کوئی دغا کی بات مت کرو اور خدا کی راہ میں لڑو۔ اور کسی نابالغ بچہ کو مت مارو یہہ بھی فرمایا کہ اگر وہ تیری اطاعت کرلیں تو اُنکی سردار کی بیٹی سے شادی کرلینا۔ عرب میں قوموں کا اپنا پورا پورا ساتھی یا حمایتی بنا لینے کے صرف دو طریقے سب سے عمدہ تھے ایک حلیف ہوجانا۔ دوسرا رشتہ مندی کرلینا اِسی پولیٹکل مصلحت سے آنحضرتؐ نے عَبْدُ الرَّحْمٰن کو وہاں کے سردار کی بیٹی سے شادی کرلینے کی ہدایت کی تھی۔ اور یہی ایک بڑا سبب تھا کہ آنحضرتؐ نے اخیر عمر میں متعدد قبیلوں کی عورتوں کو اپنی ازواج مطہرات میں داخل کیا تھا باوجودیکہ عالم شباب میں بجز ایک بیوی کے کوئی اور نتھی۔

پس عَبْدُ الرَّحْمٰن وہاں گئے تین دن قیام کیا۔ اور اِسلام کا وعظ کیا کیے۔ اور مُسلمان ہوجانے کی اُنکو ہدایت کی۔ اصبح بن عمرو کلبی جو وہاں کا سردار اور عیسائی تھا مُسلمان ہوگیا اور اُسکے ساتھ اور بہت سے آدمی مُسلمان ہوگئے اور جو مسلمان نہیں ہوئے اُنہوں نے اطاعت اختیار کی۔ اور جزیہ دینا قبول کرلیا۔ عبدُ الرَّحْمٰن

نے اصبغ کی بیٹی سے شادی کر لی۔

سریّہ فدک شعبان ۶ سنہ ہجری

یہہ ایک گانوں ہے حجاز میں مدینہ سے دو منزل
آنحضرتؐ کو خبر پہنچی کہ قبیلہ بنو سعد بن بکر لوگوں کو جمع کرکے یہودیوں کو
جو جلاوطن ہوکر خیبر میں جا بسے تھے مدد دینے کا ارادہ کررہے ہیں اسلیے جناب
علی مرتضیٰ کو سو آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا۔ آپ نے انپر چھاپا مارا اور
اُن کے سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں لوٹ لائے۔ اور کوئی لڑائی نہیں ہوئی

سریّہ زید بن حارثہ یا سریّہ اُمّ قرفہ رمضان ۶ سنہ ہجری

زید بن حارثہ مسلمانوں کا بہت سا مال تجارت لیئے ہوئے شام
کو جاتے تھے۔ جب وادی القریٰ میں پہنچے تو قوم فزارہ نے جو بنی
بدر کی ایک شاخ ہے اور جنکی سردار اُمّ قرفہ نامے ایک عورت تھی
سب اسباب لوٹ لیا۔ آنحضرتؐ نے زید ہی کو اُنکے سزا دینے کو متعین
کیا۔ زید نے یکایک اُنپر چھاپا مارا۔ اور اُمّ قرفہ اور اُسکی بیٹی کو پکڑ لیا۔
قیس بن محسّر نے اُس ضعیف عورت کو نہایت بُری طرح سے
مارڈالا یعنی اسکا ایک پانوں ایک اونٹ سے اور دوسرا پانوں دوسرے
اونٹ سے باندھکر اونٹوں کو مختلف سمت میں ہنکا کہ اُسکے دو ٹکڑے
ہوگئے۔ تاریخوں سے یہہ بات قابل اطمینان نہیں معلوم ہوتی کہ اُمّ قرفہ
کے مارڈالنے کے بعد اُسکے پانوں اونٹوں سے باندھے تھے یا وہ زندہ
تھی اور اونٹوں کے پانوں سے باندھکر اُسکو مارا تھا۔ مؤرخین نے اِسکا

ذکر بھی فرو گزاشت کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے اس بیرحمانہ واقعہ کو اگر در حقیقت وہ ہوا تھا منظور کیا فرمایا۔ ضرور قیس پر نہایت درجہ کی خفگی فرمائی ہوگی کیونکہ عموماً آپکی یہہ نصیحت تھی کہ عورتیں اور بچے مارے جائیں۔ مع ہذا اِس سریّہ کے متعلق ایسی مختلف روایتیں ہیں جنمیں سے کسی پر بھی اعتماد نہیں ہوسکتا۔ علامہ ابن ہشام نے لکھا ہے کہ اس سریّہ کے سردار ابوبکر صدیقؓ تھے اور سلمہ بن الاکوع نے تھے اور اسمیں ایک ضعیف عورت کے مع اُسکی بیٹی کے پکڑے جانیکا ذکر ہے۔ مگر اُسکے مارے جانیکا ذکر نہیں۔ اُسکا مارا جانا زیادہ تر یقین کے قابل ہے کیونکہ صحیح مسلم میں جو حدیث کی نہایت معتبر کتاب ہے اُس عورت کا پکڑا جانا بیان ہوا ہے مگر مارے جانیکا ذکر نہیں۔ پھر ایک روایت میں ہے کہ اُسکی بیٹی حزن بن ابی وھب کو دیدی گئی۔ اور اُس سے عبدُ اللہ بن حزن پیدا ہوئے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ لڑکی آنحضرتؐ نے لے لی اور اُسکو مکہ بھیجدیا اور اُسکے بدلے میں چند مسلمانوں کو قریش سے چھڑالیا۔ سر ولیم میور نے تسلیم کیا ہے کہ اس عورت کے قتل ہونیکا علم آنحضرتؐ کو نہیں ہوا۔ لیکن تعجب ہے کہ اسپر بھی انہوں نے آپکو اُسکے قتل کا شریک گردانا ہے۔

سریّہ عبداللہ بن رواحہ شوال سنہ ۶ ہجری

ابو رافع سلّام بن ابی الحُقیق یہودی کے مرنے یا مارے جانے کے بعد جسکا ذکر ہم سریّہ عبدُ اللہ بن عتیک میں کر آئے ہیں

اُسیر بن رزام یھودیوں کا سردار قرار پایا اُسنے اپنے حلیف بنی غطفان
کو اپنے ساتھ ملایا اور لڑائی کی تیاری کی - آنحضرتؐ کو جب یہہ خبر ملی
تو آپنے عبدُاللہ بن رواحہ کو مع تینؓ اور آدمیوں کے اس
خبر کی تحقیق کرنے کو بھیجا - جب عبدُاللہ واپس آئے تو آپ نے
تیس آدمی اُنکے ساتھ کیئے اور اُسیر بن رزام پاس روانہ کیئے ظاہر
معلوم ہوتا ہے کہ اُنکا بھیجنا کسی معاہدے یا صلح یا اَور کسی قسم کی گفتگو کے
لیئے تھا نہ لڑائی کے لیئے - کیونکہ لڑائی کے لیئے تیس آدمی نہیں بھیجے
جا سکتے تھے عبداللہ نے اُس سے گفتگو کی اور وہ اس لالچ میں آپ کے
پاس آنے پر راضی ہوا کہ خیبر کی سرداری اُسکو مل جائے - وہ بھی تیس ۳۰
آدمی اپنے ساتھ لیکر چلا - یہہ سب اونٹوں پر سوار ہو کر چلے - یھودی آگے
اور مُسلمان اُنکے پیچھے بیٹھے - جب قرقرہ میں پہنچے تو اُسیر کے
دلمیں کچھ شبہ ہوا جیسا کہ زاد المعاد میں لکھا ہے اور اُسنے عبداللہ کی
تلوار پر ہاتھ ڈالا عبداللہ کو بھی شبہ ہوا - اور وہ اونٹ پر سے کود پڑے
اور اُسکے پانوں پر تلوار ماری - اُسیر بھی کود پڑا - اور خاردار سونٹا عبداللہ
کے موہنہ پر مارا - اِس ہنگامہ کو دیکھکر ہر ایک مُسلمان نے اپنے ساتھی
پر حملہ کیا اور مار ڈالا -

سَرِیَّۂ عُرَینِیِین شوّال (۶) سنہ ہجری

عُرَینَہ مَدِینہ کے قریب ایک میدان میں ایک باغ تھا -
وہاں کے چند کسان آنحضرتؐ پاس آئے - نہایت مفلس اور تباہ حال

اور بیمار تھے۔ شاید استسقا کی بیماری تھی جسکا علاج اونٹ کا دودھ اور پیشاب پینا اونہاں اونٹ بٹھاے بنائے ہوں دمیں ذیرے رہتا تھا۔ انہوں نے جھوٹ موٹ بیان کیا کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں ہماری مدد کرو۔ آپ نے اپنے چند اونٹنیاں اور چرواہے اُنکے ساتھ کر دیئے۔ مگر جب وہ حرّہ کے مقام پر پہنچے تو انہوں نے جیسا کہ صحیح مسلم میں بیان ہوا ہے اُن چرواہوں کی آنکھیں پھوڑ دیں اور اُنکے ہاتھ پانوں کاٹ ڈالے جس سے وہ مر گئے اور اونٹنیاں لیکر چاہتے کرز بن جابر الفہری مع چند آدمیوں کے اُنکے تعاقب میں بھیجا گیا وہ پکڑے گئے۔ اور انکی بھی آنکھیں پھوڑی گئیں اور ہاتھ پانوں کاٹ کے ڈالدیے گئے کہ وہ مر گئے۔

ہم غزوۂ اُحُد میں لکھ آئے ہیں کہ مسلمانوں کو یہہ حکم مل چکا تھا کہ اگر تم عقوبت کرنا چاہو تو اُسیقدر عقوبت کرو کہ جسقدر تمپر عقوبت کی گئی ہو پس غالباً اسی بنا پر مسلمانوں نے اُنکو اُسیطرح مارا جسطرح اُنہوں نے چرواہوں کو مارا تھا۔

سریّہ عمرو بن اُمیہ۔ شوّال ۶ ہجری

اَبُو سُفیان بن حرب نے مکّہ سے ایک آدمی مدینہ میں بھیجا کہ کسی بہانہ سے آنحضرت کو قتل کردے۔ وہ مع خنجر جو اُسکے پاس چھپا ہوا تھا پکڑا گیا مگر جان بخشی کے وعدہ پر جب اُسنے یہہ حال بتا دیا تو اُسکو چھوڑ دیا گیا۔ اور وہ مکّہ کو چلا گیا۔ مواہب لدنیہ میں لکھا ہے

کہ اسپر آنحضرت نے ابوسفیان کے قتل کے لیئے عمرو بن اُمیہ
اور سلمہ بن اسلم کو بھیجا - لیکن اُن کا وہاں جانا کُھل گیا - لوگ
اُنپر دوڑے مگر وہ کسی طرح پر بچکر نکل آئے - مگر یہہ روایت اور اس
قسم کی اور روایتیں جو ہم اوپر لکھ آئے ہیں اسقدر لغو ہیں کہ مخالف
مذہب مورخوں نے بھی اُنکو صحیح نہیں سمجھا چنانچہ واشنگٹن اروِنگ
جو ایک عیسائی مورخ ہے اپنی تاریخ اسلام کے بیسویں باب میں
لکھتا ہے کہ " محمدؐ پر جو یہہ الزام لگایا گیا ہے کہ دشمن سے فریب
کی تدبیریں کیں کیونکہ سنا گیا ہے کہ اُسنے عمرو بن اُمیہ کو خفیہ پیغام
کے ساتھ مکہ کو بھیجا کہ ابوسفیان کو مار ڈالے مگر یہہ راز کھل گیا
اور قاتل بسرعت بھاگ آنیسے بچگیا - مگر یہہ الزام اچھی طرح ثابت
نہیں ہے اور اُنکی (یعنی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی) کردار اور
سیرت عام کے برخلاف ہے "-

غزوہ حدیبیہ - ذی قعد سنہ (۶) ہجری

یہہ ایک گانو ہے اور اُسمیں اس نام کا ایک کنواں ہے
اُسی کے نام سے یہہ گانو مشہور ہو گیا ہے - یہاں سے مکہ ایک منزل ہے
زمانہ جاہلیت میں - ذیقعد - ذی الحجہ - محرم اور رجب کے مہینوں
میں لوگ لڑنے بھڑنے کو حرام جانتے تھے - اور یہہ مہینے حج اور
زیارت کعبہ کے لیئے جو تمام اقوام عرب کا قومی اور مشترک معبد
تھا مخصوص تھے - چنانچہ کعبہ میں انبیاے سلف خصوصاً حضرت

ابراهیم و اسمٰعیل علیہم السلام اور قربانی کے مینڈھے اور
عیسیٰ علیہ السلام کو گویا بیٹے ہوئے حضرت مریم کی
تصویر کا* ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ عرب کے بعض قبیلوں کے
لوگ جو یہودی یا عیسائی ہو گئے تھے وہ بھی حج اور زیارت
کو آتے تھے اور کوئی کسی سے مزاحم ہونے کا حق نہ رکھتا تھا - پس اسی بنا
پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں جاکر حج و عمرہ ادا کرنیکا
ارادہ کیا - قربانی کے لئے اونٹ ہمراہ لیئے - اور قربانی کی علامت
کے طور پر جو نشانیاں مقرر تھیں وہ ان پر کردیں اور ایک ہزار پانسو بیس لوگوں
کے ساتھ کوچ فرمایا - اور چونکہ یہ امید تھی کہ قریش مکہ حج اور زیارت
کے مانع نہ ہونگے اسلیے لوگوں کے پاس اسباب سفر صرف ایک ایک
تلوار تھی اور کوئی ہتھیار نہ تھا - مگر جب حدیبیہ میں پہنچے قریش
نے مکہ میں آنے سے روکا - دونوں طرف سے پیغام سلام ہوئے
اور لوگ آئے گئے مگر انہوں نے نہ مانا - آخرکار عثمان بن عفان
بھیجے گئے اور انکو بھی انہوں نے قید کرلیا - اور یہہ مشہور ہوگیا کہ قریش
نے انکو قتل کر ڈالا پس آنحضرت نے مجبوراً لڑنے کا ارادہ کیا - اور سب
لوگوں سے لڑنے اور مارنے مرنے پر بیعت لی - مگر بعد کو وہ خبر
غلط معلوم ہوئی - اسکے بعد قریش نے سہیل بن عمرو کو صلح کا
پیغام دیکر بھیجا - اور صلح اس بات پر منحصر تھی کہ اس سال آپ مکہ میں نہ جائیں

* دیکھو کتاب اخبار مکہ مصنفہ علامہ ازرقی صفحہ ۱۳۰ و تاریخ ابن ہشام وغیرہ ۱۲ منہ

اور عمرہ کو آئیں۔ اور واپس چلے جائیں۔ اور سال آیندہ کو قضا کریں
اور تین دن سے زیادہ مکّہ میں نہ ٹھہریں اور ایک ایک تلوار
[illegible] کے پاس کوئی ہتھیار نہو۔ بعد بہی گفتگو کے آنحضرت سپر
[illegible] اور حضرت علی مرتضیٰ کو عہدنامہ لکھنے کو فرمایا۔ اور
کہا [illegible] بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سہیل نے کہا ہمتو نہیں جانتے
[illegible] لکھو باسمک اللہم آپ نے فرمایا یہی لکھو پھر فرمایا
لکھو هذا ما صالح عليه محمد رسول الله سہیل نے کہا۔
اگر ہم اس بات کو قبول کرتے کہ آپ خدا کے رسول ہیں تو آپ سے
لڑتے ہی کیوں آپ اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھوائیے۔ آپ نے فرمایا
[illegible] محمد بن عبد اللہ [illegible] رسال
[illegible] اس بات پر صلح ہوئی کہ دس برس تک لڑائی
[illegible] میں رہیں اور لڑائی ہو۔ اور یہہ بھی معاہدہ
[illegible] میں کا بلا اجازت اپنے ولی کے آنحضرت
[illegible] کے پاس بھیجدیں۔ اگر آنحضرت کے
ساتھیوں میں سے کوئی شخص مکّہ میں چلا آئے تو قریش اسکو واپس
نہیں دینگے * غرضکہ آنحضرت نے اس معاملہ میں ایسی نرمی اور
عالی ظرفی کا برتاو کیا کہ دونوں طرف سے عہدنامہ کی تصدیق ہوگئی۔ اور

---

* کسی مسلمان کا آنحضرت کی مرضی کے برخلاف قریش کے پاس چلاجانا مرتد ہوسکے
بغیر ممکن تھا پس مرتد کو واپس لیکر آپ کیا کرتے مولف عفی عنہ

آنحضرت نے اسی مقام پر قربانی کے اونٹ ذبح کیے اور ارادہ حج

عمرہ کا موقوف کیا اور مدینہ کو واپس تشریف لے آئے

غزوہ خیبر جمادی الآخر سنہ ۷ ہجری

یہ ایک مشہور و معروف بہت بڑا شہر ہے مدینہ سے ۸

منزل شمال کی طرف۔

اہلِ خیبر جنمیں وہ تمام یہودی بھی جا ملے تھے جو مدینہ

سے جلا وطن کئے گئے تھے ہمیشہ مسلمانوں سے لڑنے کی تیاریاں

کرتے رہتے اور انہوں نے بنی اسد اور بنی غطفان کو اپنا

حلیف کر لیا تھا۔ اور اپنے قلعوں کی مضبوطی پر جو شمار میں دس تھے بہت

نازاں تھے۔ جب ان لوگوں کی آمادگی جنگ حد سے زیادہ ہو گئی

تو آنحضرت نے اس فساد کے مٹانے کا ارادہ کیا اور مدینہ سے

چڑھائی کی۔ بنی اسد کا سردار طلیحہ بن خویلد اسدی تھا اور بنی

غطفان کا سردار عیینہ بن حصن ابن بدر فزاری تھا خیبر والوں

نے اپنے قلعوں کو بند کر لیا اور ایک مہینہ تک لڑائی جاری رہی۔

سب سے پہلے حصن ناعم فتح ہوا اور پھر بعض دوسرے قلعے بھی فتح ہوئے

اہل خیبر سخت لڑائیاں لڑتے رہے مگر جب جناب حیدر کرار نے

یہودیوں کے بڑے نامی گرامی بہادروں حارث اور اسکے بھائی مرحب

اور عنتر اور یاسر کو مار لیا۔ اور ایک عجیب و حیرت انگیز قوت

و دولت کے ساتھ انکے سب سے مضبوط قلعوں وطیح و سلالم اور

قموص کو فتح کرلیا - تو انہوں نے امن چاہا اور تین امر پر صلح ہوئی -
اوّل - یہہ کہ تمام اہل خیبر کو اور اُن کے اہل و عیال کو جان کی
امان دیجائے - دُوسرا یہہ - کہ تمام اہل خیبر اپنا مال و اسباب بطور
تاوانِ جنگ کے دیدیں - لیکن اگر کوئی شخص اپنا مال چھپا رکھے تو اس سے
جان اور اہل و عیال کے امن کا معاہدہ قائم نہ رہیگا - تیسرا یہہ کہ تمام زمین
خیبر کی انکی ملکیت رہیگی - مگر وہ اپنے گھروں میں آباد رہینگے - اور زمینوں
پر بھی قابض رہینگے اور اُنکی پیداوار کا نصف حصّہ بطور خراج دیا کرینگے - اور
کسی بدعہدی پر آنحضرت کو اختیار ہوگا کہ اُنکو جلاوطن فرمائیں" - کنانہ بن ربیع
بن ابی الحقیق نے دغابازی کی اور نہایت بیش قیمت مال چھپا رکھا - جو
تلاش کے بعد ملا - پس وہ مارا گیا - اور اُسکے اہل و عیال قید کر لیے گئے

غزوہ وادی القریٰ - جمادی الآخر سنہ ۷ ہجری

خیبر سے مراجعت فرماکر آنحضرت وادی القریٰ میں پہنچے اور وہاں
چار دن ٹھہرے تو اہل تیماء نے اِسلام تو قبول نہیں کیا - مگر جزیہ دینے
پر صلح کرلی -

سریّہ تربہ وغیرہ - شعبان سنہ ۷ ہجری

اس مہینے میں تین مختلف اطراف میں تین سریّے بھیجے گئے
جنمیں پہلا سریّہ تربہ کا تھا - جو مکّہ کے قریب دو منزل پر ایک جگہ ہے
اس سریّہ کے سردار عمر فاروق تھے اور تیس آدمی اُنکے ساتھ تھے
مگر وہاں کے لوگ بھاگ گئے اور یہہ واپس چلے آئے -

دُوسرا سریّہ ابُوبکر صدیق کا بنی کلاب پر تھا اُسنے کچھ خفیف سی لڑائی ہوئی۔ کچھ آدمی مارے۔ کچھ قید ہوئے۔

تیسرا سریّہ بنی مُرّہ پر بھیجا گیا جو فدک میں رہتے تھے اس سریّہ میں تیس آدمی تھے اور بشیر بن سعد اُنکے سردار تھے جو خفیف لڑائی کے بعد واپس آگئے۔

سریّۂ غالب لیثی و اُسامہ بن زید رمضان ۷ھ ہجری

غالب بن عبد اللہ لیثی نجد کی طرف منقعہ پر جو مدینہ سے آٹھ منزل پر ہے بھیجے گئے تھے اور دو سو تیس آدمی اس سریّہ میں تھے۔ وہاں بہت ہی خفیف سی لڑائی ہوئی۔ اور پھر سب لوگ واپس آگئے۔ اُسامہ بن زید حرقہ کی طرف بھیجے گئے تھے جو حرقہ کی طرف ہے یہاں کسی سے لڑائی نہیں ہوئی۔ مگر ایک شخص اُسامہ کو ملا جسپر اُنہوں نے تلوار اُٹھائی۔ اور اگرچہ اُسنے کلمۂ شہادت پڑھا۔ مگر اُسامہ نے اُس کو مار ڈالا۔ اور اس باعث سے آنحضرتؐ نے نہایت خفگی ظاہر فرمائی۔

سریّۂ بشیر بن سعد انصاری شوّال ۷ھ ہجری

یمن اور حباب جسکو فزارہ اور عذرا بھی کہتے ہیں۔ بنی غطفان سے علاقہ رکھتے تھے جو خیبر والوں کی مدد کو گئے تھے اس وجہ سے یہہ سریّہ اُنپر بھیجا گیا تھا۔ مگر وہ لوگ بھاگ گئے اُنکا مال واسباب ہاتھ آیا اور صرف دو آدمی قید ہوئے۔

سریۂ ابن ابی العوجاء سلمی ذی الحجہ (۷) سنہ ہجری

یہہ سریہ بنی سلیم کی طرف بھیجا گیا تھا - وہاں سخت لڑائی ہوئی اور دشمن چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے اور سب لوگ مارے گئے اور ابن ابی العوجاء بھی زخمی ہوئے اور مردوں میں پڑے رہ گئے -

سریہ غالب بن عبد اللہ لیثی صفر (۸) سنہ ہجری

یہہ سریہ بنی ملوح پر جو کدید میں رہتے تھے بھیجا گیا تھا - وہاں کچھ لڑائی نہیں ہوئی - مگر کچھ اسباب ہاتھ آیا - اسی مہینہ میں خالد بن ولید اور عثمان بن ابی طلحہ اور عمرو بن عاص مکہ سے مدینہ میں چلے آئے اور مسلمان ہو گئے -

سریۂ غالب بن عبد اللہ لیثی صفر (۸) سنہ ہجری

یہہ سریہ بنی مرہ کی جانب بھیجا گیا تھا اُن ہی لوگوں پر جن پر بشیر بن سعد بھیجے گئے تھے - اُن سے لڑائی ہوئی کچھ لوگ مارے گئے اور کچھ اسباب لوٹ لیا گیا -

سریۂ شجاع بن وہب اسدی - ربیع الاول (۸) سنہ ہجری

یہہ سریہ ذات عرق کی طرف بھیجا گیا تھا جو مدینہ سے پانچ منزل ہے - اور جہاں بنی ہوازن نے لوگ جمع کیے تھے وہاں کچھ لڑائی نہیں ہوئی - مگر اُن کے اونٹ لوٹ لاے -

سریۂ کعب بن عمیر غفاری - ربیع الاول (۸) سنہ ہجری

یہہ سریہ ذات اطلح کی طرف بھیجا گیا تھا جو ذات القراع کے قریب ہے

یہاں بہت کثرت سے لوگ لڑنے کیلئے جمع تھے - نہایت [illegible]
ہوئی اور ہوا اگر نہیں بھیجے گئے تھے سب کے سب [illegible]
ہوئے پر ایک بڑا لشکر بھیجنے کا ارادہ ہوا [illegible]
چلے گئے -

سریہ موتہ - جمادی الاول سنہ ۸ ہجری

یہ ایک قصبہ ہے شام کے علاقہ میں [illegible]
آنحضرت نے حارث بن عمیر ازدی کو [illegible] شام
کے نام ایک خط دیکر بصرہ کے کو بھیجا تھا جب موتہ [illegible]
ایک نصرانی امیر شرحبیل بن عمرو غسانی نے [illegible]
اسپر آنحضرت نے تین ہزار آدمیوں کا لشکر جسکے سردار زید بن حارثہ
تھے اسکی سزادہی کو بھیجا نہایت سخت لڑائی ہوئی [illegible] اور جعفر
بن ابیطالب اور عبداللہ بن رواحہ [illegible] فوج کا [illegible]
بڑی بہادری کے ساتھ یکے بعد دیگرے [illegible] اور فوج کا [illegible]
خالد بن ولید نے لیا - اور نہایت سخت لڑائی کے بعد فتح پائی - [illegible]
میں تمام عیسائی قومیں جو اس نواح میں رہتی تھیں شامل تھیں - اور [illegible] کی
فوج بھی جو قسطنطنیہ کا شہنشاہ تھا اور شام کے تمام صوبہ پر اسکی حکومت
تھی اور اسی زمانہ میں فارس کو فتح کرچکا تھا ان لوگوں کے ساتھ لڑائی میں شریک تھی

سریہ عمرو بن عاص جمادی الآخر سنہ ۸ ہجری

یہہ سریہ ذات السلاسل کے نام سے مشہور ہے سلاسل ایک

چشمہ کا نام تھا ذات القراع کے پاس مدینہ سے دس منزل بنی
قضاعہ نے کچھ لوگ لڑنے کے لیے جمع کئے تھے جب یہہ خبر انحضرت
کو پہنچی تو عمرو بن عاص کو تین سو آدمی دیکر اُس طرف روانہ کیا۔ سلاسل
کے قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ دشمن بہت کثرت سے جمع ہیں۔ اسلیے
دو سو آدمی اُنکی مدد کو اور بھیجے گئے۔ مگر بنی قضاعہ آخر کار بھاگ گئے
اور جمعیت متفرق ہو گئی۔

سریہ ابی عبیدہ بن جراح۔ رجب ۸ سنہ ہجری

اس سریہ میں تین سو آدمی تھے جو سمندر کے کنارہ پر چند روز ٹھہرے
رہے اور کسی سے کچھ لڑائی نہیں ہوئی۔

سریہ ابی قتادہ انصاری شعبان ۸ سنہ ہجری

اس سریہ میں صرف پندرہ آدمی تھے اور بمقام خضرہ جو نجد میں
ہے بنی غطفان کے لوگوں کی طرف بھیجا گیا تھا۔ کچھ لڑائی ہوئی اور کچھ
لوگ قید کر لیے گئے اور دو سو اونٹ اور ایکہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔

سریہ ابی قتادہ۔ رمضان ۸ سنہ ہجری

اس سریہ میں صرف آٹھ آدمی تھے۔ اور یہہ لوگ اِضم کی طرف
بھیجے گئے تھے جو ایک چشمہ ہے درمیان مکہ اور یمامہ کے اور مدینہ
سے تین منزل ہے۔ یہہ سریہ صرف اسلیے بھیجا گیا تھا کہ قریش مکہ کی
کچھ خبر ملے۔ اور نیز مکہ والے خیال کریں کہ انحضرت اُس طرف تشریف
لیجائینگے۔ حالانکہ آپکا ارادہ قریش پر حملہ کرنے کا تھا۔

غزوۂ فتح مکہ - رمضان سنہ ۸ ہجری

منجملہ شرائط معاہدہ حدیبیہ ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو قومیں چاہیں
اس معاہدہ میں آنحضرت کے ساتھ شامل ہو جائیں - اور جو قومیں چاہیں
قریش کے معاہدہ میں داخل ہو جائیں چنانچہ بنو خزاعہ آنحضرت کے
ساتھ اور بنو بکر قریش کے ساتھ معاہدہ میں شریک ہوئے - مگر پورے
دو برس بھی نہ گزرے تھے کہ بنو بکر نے بنو خزاعہ کے ساتھ اپنی عداوت
اور جنگ وجدل کو جو شروع زمانہ اسلام سے موقوف تھی پھر تازہ کیا - اور
نوفل بن معاویہ دئلی نے بنو خزاعہ پر حملہ کیا اور کچھ آدمی مارے گئے
قریش مکہ نے برخلاف شرائط معاہدہ ہتھیار بھیجنے سے بنو بکر کی مدد کی
اور بعض سردارانِ قریش خود بھی بہ تبدیل لباس اُنکے شریک ہوئے اور
بنو خزاعہ کو یہانتک عاجز کیا کہ اُنھوں نے حرم کعبہ میں پناہ لی - مگر نوفل
نے وہاں بھی اُنکا تعاقب کرنا چاہا اور کہا کہ "آجکے دن خدا کوئی چیز نہیں ہمکو اپنا بدلہ
لینا چاہیئے" - ناچار بنو خزاعہ نے بُدَیل بن ورقا کی پناہ لی جو اُنہی
میں سے تھا - مگر مکہ میں رہتا تھا - اور عمرو بن سالم کو استمداد کے لیے
آنحضرت کی خدمت میں بھیجا - قریش عہد شکنی تو کر بیٹھے مگر معاً یہ اندیشہ ہوا
کہ آنحضرت کو خبر پہنچیگی تو آپ ضرور اسکی مکافات فرمائینگے - پس ابو سفیان
اسکی معذرت اور دوبارہ عہد کرنے کو مدینہ میں آیا - مگر ناکام رہا - اور
کیونکر ناکام نہ رہتا کہ قریش نے بنو خزاعہ کے بہت سے لوگوں کو قتل
کر دیا تھا اور اُنپر بے انتہا زیادتی کی تھی - پس ممکن نہ تھا کہ اُس ظلم اور خوں ریزی

دس ہزار فوج جرار کے ساتھ آن پہنچے ہیں۔ اور یہہ آگ اُس فوج کی
تو ہے۔ جسکو سنکر اُسکے ہوش اُڑ گئے اور بجز اسکے کچھ بن نہ آیا
اُس کے کہنے کے موافق اُسکے پیچھے بیٹھ گیا۔ اور آنحضرت کی خدمت
میں حاضر ہوا اور اپنا مسلمان ہونا بھی ظاہر کیا۔ اور شاید دل میں کچھ
[illegible] مسلمان ہو گیا۔ [illegible] اسکو اپنے پاس
ٹھہرا رکھا [illegible] کے بعد [illegible] اور کی
[illegible] اور مکہ کو واپس جانے کی اجازت
دی۔ اور تاکید کی کہ [illegible] جو شخص تیرے
گھر میں پناہ لیگا اُسکو امن دیا جائیگا۔

اب آنحضرت مکہ پر بڑھے اور مشتہر کر دیا گیا کہ جو شخص ابوسفیان
کے گھر پناہ لیگا اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے چپ چاپ بیٹھا رہیگا
یا ہتھیار ڈال دیگا۔ یا حرم کعبہ میں پناہ لیگا اُسکو امن دیا جائیگا۔ مگر چند مرد اور
کچھ عورتیں جو نہایت مفسد اور واجب القتل تھے مستثنا کیے گئے
اور فوج کے سرداروں کو مکہ پر بڑھنے کا حکم ہوا۔ عکرمہ بن ابوجہل
اور صفوان بن اُمیہ نے خالد بن ولید کے لشکر کا خفیف سا
مقابلہ کیا اور چند مسلمان شہید ہو گئے۔ مگر قریش کے ستر آدمی مارے گئے
اور وہ بھاگ نکلے۔ باقی کسی نے مقابلہ نہیں کیا۔ اور آنحضرت بلا مزاحمت
بسواری شتر مکہ میں داخل ہوئے۔ اور اس طرح پر وہ پیشین گوئی
پوری ہوئی جو حضرت اشعیاہ نبی نے وحی کی رو سے فرمائی تھی کہ

" دو شخص خدا کی سچی پرستش از سرِ نو قائم کرینگے - اور ان میں سے ایک کو گدھے کا سوار اور دوسرے کو اونٹ کا سوار بتایا تھا [کتاب اشعیاہ باب ۲۱ آیت ۷] جسکا پہلا حصہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے سے جو گدھے پر سوار ہو کر یروشلیم (بیت المقدس) میں داخل ہوئے تھے پورا ہو چکا تھا - کیونکہ بلاشبہ یہودیوں نے جو مکاری اور دغابازی سے شریعت کے صرف ظاہری احکام کی پابندی اختیار کی تھی اور دلی نیکی اور روحانی پاکیزگی کو بالکل چھوڑ دیا تھا آپ نے اسکو بتایا اور خدا کی سچی پرستش قائم کی - مگر دوسرا حصہ پورا ہونا باقی تھا جو اب پورا ہوا - کہ آنحضرت اونٹ پر سوار ہو کر داخل مکہ ہوئے اور شرک و بت پرستی کی جگہ خدائے واحد کی پرستش قائم کی اور حضرت عیسٰی کے بعد جو لوگوں نے انکو خدا کا بیٹا مانا اور تین خدا قائم کرکے پھر تین سے ایک خدا بنایا تھا اور خدائے واحد کی پرستش میں خلل آگیا تھا اسکو مٹایا اور پھر سے خدا کی سچی پرستش قائم کی - اور یوں فرمایا " یَا اَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ " آنحضرت نے سرِ راہ کعبہ کا طواف کیا - اور پھر جسطرح آپ کے جد امجد ابراہیم خلیل اللہ نے اپنی قوم کے بتوں کو توڑا تھا اسیطرح قریش کے بتوں کو جو حرم کعبہ میں جابجا نصب تھے توڑنا شروع کیا - چنانچہ " جَاءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا " فرماتے جاتے تھے اور توڑتے جاتے تھے - اب چند بت کعبہ کی دیواروں پر باقی رہگئے تھے جہاں ہاتھ

پہنچ سکتا تھا۔ پس جناب علی مرتضیٰ نے عرض کیا کہ میرے کاندھے پر پائے مبارک رکھکر انکو بھی توڑ ڈالیے۔ مگر آپنے فرمایا نہیں۔ بلکہ تم میرے کاندھے پر چڑھکر انکو توڑو جس سے ظاہر مقصود یہہ تھا کہ جناب موصوف کا خلیفہ اور وزیر اور شریک فی الامر ہونا ہر کسیکو معلوم ہوجاے پس وہ صاحب ولایت کبریٰ جو محمد رسول اللہ کے ساتھ وہی نسبت رکھتا تھا جو حضرت موسیٰ کے ساتھ حضرت ھارون کو تھی * اُس قبلۂ انام کے دوش مبارک پر پانو رکھکر کعبہ پر چڑھ لیا۔ اور بتوں کو زمین پر پٹک کر اُس مشکل خدمت کو پورا کیا۔ جسکی بجاآوری کا وعدہ کوہ صفا کی دعوت کے موقع پر کیا تھا [دیکھو صفحہ ۴۶] کعبہ کے اندر جو فرشتوں اور پیغمبروں کی تصویریں تھیں اُنکے مٹا ڈالنے کا حکم حضرت فاروق کو ہوا۔ اور اُنھوں نے اُنکو مٹا ڈالا۔ مگر حضرت ابراھیم و اسماعیل کی تصویروں کے مٹانے میں اُنکو تامّل ہوا اور نہ مٹایا جنکو سلامت دیکھکر آنحضرت نے خود مٹا دیا۔

---

* بخاری اور مسلم نے الاتفاق سعد بن ابی وقّاص کی سند پر روایت کی ہے کہ جناب رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت علی مرتضیٰ کو فرمایا کہ "انت منّی بمنزلۃ ھارون من موسےٰ الّا انّہ لا نبیّ بعدی" یعنی تمکو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ھارون کو موسےٰ سے تھی۔ مگر یہہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ یعنی نبوت کے سوا تمام کمالات روحانی جیسے مجکو حاصل ہیں ویسے ہی تمکو بھی حاصل ہیں اور جس طرح ھارون موسےٰ کے ساتھ خدا کے حکم کی بجاآوری میں شریک تھے ویسے ہی تم میرے ساتھ شریک ہو۔ وکفیٰ بذلک فضلاً۔ مؤلف عفی عنہ

تب مکہ اور اہل مکہ سب آنحضرت کا مال تھا اور جو جو ظلم و ستم انہوں
نے آنحضرت اور صحابہ پر کیے تھے وہ کسی کو معلوم تھے۔ پس آپ چاہتے
تو سب کو غلام و لونڈی بنا لیتے۔ اور جسکو جو سزا چاہتے دیتے۔ مگر اللہ
سے عفو و کرم کرا کے ان سب باتوں کو بھلا دیا اور اہل مکہ سے
وہی کیا جو یوسف عَلَيْهِ السَّلَام نے اپنے بھائیوں سے کیا
تھا اور انکو خطاب کر کے فرمایا کہ "لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ
لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ" یعنی۔ آج میں نے اپنے قصور تمکو معاف کیے
خدا بھی سب قصور بخشے وہ بڑا رحم والا ہے وہ بھی معاف کرے۔ اور پھر فرمایا
اِذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ۔ یعنی "جاؤ تم سب آزاد کیا"۔ اور تمہارے لیے
سب ہمارا اپنی قسم صاف ہے۔ ۔ ۔ وہ بھی معاف کر دیے گئے
جاہلیت کے زمانہ سے یونانیوں کو یہ خیال تھا کہ انکا بڑا معبد جو شہر (دلفی)
میں تھا اسکو کوئی فتح نہیں کر سکتا اسی طرح مشرکین مکہ کو بھی (بلا تشبیہہ)
کعبہ کی نسبت ایسا ہی یقین تھا کہ وہ کبھی کسی سے فتح ہونے والا نہیں۔ اور
ابرہہ وغیرہ بادشاہوں کی ناکامیابی سے انکا یہہ خیال مستحکم ہوگیا تھا۔
اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت بھی ایسا ہی گمان رکھتے
تھے۔ لیکن جب انکے خلاف توقع مکہ فتح ہوگیا۔ اور انکا بڑا بت
ھُبَلْ جسکو اُحُد کی لڑائی میں مدد کے لیے ساتھ لیگئے تھے اور اور
بڑے بڑے بت مٹی میں مل گئے۔ تو انکو معلوم ہوگیا کہ بادشاہی اور
چیز ہے اور پیغمبری اور چیز۔ اور خدا کے دست قدرت کے

سیاسنے بُت کوئی چیز نہیں ہیں - اور وہ جوق جوق آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہونے اور بطوع خاطر مُسلمان ہونے شروع ہوئے - اور آپ نے اُن سے اس اقرار پر بیعت لینی شروع کی کہ "خدا کے ساتھ کسیکو شریک نکرینگے - نہ اُسکی ذات میں نہ صفات میں نہ استحقاق عبادت و بندگی میں - اور چوری نکرینگے - حرامکاری کے مرتکب نہ ہونگے - خونِ ناحق نکرینگے بیٹیوں کو نہ مارینگے - اور نہ کسی پر بُہتان لگا ئینگے - اور تمام اُمورِ خیر میں آپکی اطاعت فرماں برداری کرینگے - اور عورتوں سے بھی اسی مضمون پر بیعت لی - مگر اتنا زیادہ کیا کہ کسی کے سوگ میں مونہہ نہ نوچینگی - اور نہ تپانچوں سے پیٹینگی - اور نہ سر کے بال کھسوٹینگی - اور نہ گریبان چاک کرینگی - اور نہ سیاہ کپڑے پہنینگی - اور نہ چلاکر روئینگی - اور نہ قبر پر سوگواری میں بیٹھینگی" اور اس طرح پر خدا کا وعدہ نصرت پورا ہوا جو خدا نے فرمایا " اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا - فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا " یعنی "جب خدا کا وعدہ نصرت پورا یعنی مکّہ فتح ہوجائے اور تو لوگوں کو دین خدا میں فوج فوج داخل ہوتا دیکھے تو اپنے پروردگار کی حمد بجالا اور اُس سے طلب آمرزش کر [گنہگاروں کے لئے] کیونکہ بیشک خدا معاف کردینیوالا ہے"۔

اللہ اکبر وہ بھی کیا سماں ہوگا کہ جب آنحضرتؐ کے ارشاد سے بلال بن رباح نے اُسی کعبہ پر چڑھکر کہ جسمیں لات و مَنات اور عُزّیٰ و ھُبَل کی مدح و ثنا کے رات دن غلغلے ہوتے تھے بآوازِ بلند یہہ کہا کہ

"اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ۔ اشہد ان محمداً رسول اللہ اشہد ان محمداً رسول اللہ" اور تمام کوہ و دشت خدا کے نام پاک کی عظمت و جلالت سے بھر گیا۔ اور اُس رسول جلیل افتخار آل خلیل کی رسالت حقہ کی منادی کی صدا ہر ایک مسلم و مشرک کے کان تک پہنچ گئی۔ اور توحید کا ڈنکا چار کھونٹ میں بج گیا۔

اب ہم ناظرین کو اُن آیات بینات کے مضمون کی طرف متوجہ کرتے ہیں جنکو آغاز رسالت مقدسہ کے ذکر میں لکھ آئے ہیں اور مزید ہوش کے لیئے یہاں پھر لکھتے ہیں۔ اور وہ یہہ ہیں "یاایھا المدثر قم فانذر وربک فکبر۔ وثیابک فطہر۔ والرجز فاہجر۔ ولا تمنن تستکثر۔ ولربک فاصبر" اور پوچھتے ہیں کہ بحر رسالت کے اُس دُر یتیم نے جسکو مشرکین مکہ حقارت سے "یتیم عبد المطلب" کہا کرتے تھے۔ اُن ساتوں حکموں کو جو ان آیات میں ہیں علی وجہ الکمال پورا کیا؟ یا نہیں؟ اور یہہ کہ دنیا میں ایسا کون شخص گزرا ہے؟ کہ جسنے ایسا اور اسطرح پر قیام بامر اللہ کیا ہو؟ اور عذاب آخرت سے ایسے طور پر لوگوں کو ڈرایا ہو؟ اور خدا کے نام پاک کو ایسا بلند کیا ہو؟ اور خلایق کے تزکیہ نفس اور طہارت باطنی و ظاہری میں ایسے اعلی درجہ کی کوشش کی ہو؟ اور شرک کے گندے نالے کی جگہہ توحید کا دریائے طہور بہایا ہو؟ اور اس احسان عظیم کے عوض میں اپنے لیئے

کسی چیز کا بھی خواہشمند نہوا ہو؟ اور بے انتہا تکلیفوں اور مصیبتوں اور ذلتوں
اور حقارتوں کو محض لوجہ اللہ برداشت کیا ہو؟ یہ ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص
اپنی نسبت خدا کی طرف سے کچھ احکام تجویز کرے مگر یہ نہیں ہوسکتا
کہ انکو ایسا ورا ان طرح پر پورا بھی کر دکھلائے - یہ صرف اسی سے ہوسکتا
ہے اور بیشک اُسی سے ہوسکتا ہے کہ جسکو خود خدا نے
ایسے احکام فرمائے ہوں اور وعدہ نصرت و برکت کیا ہو - وَلَا حَوْلَ
وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

سریہ خالد بن ولید وغیرہ رمضان (۸) سنہ ہجری

فتح مکہ کے بعد خالد بن ولید "عُزّٰے" کے توڑنے کے لیے جو
قبیلہ بنی کنانہ کا بت تھا - اور عمرو بن العاص "سُواع" کے
توڑنے کے لیے جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر بنی ھُذیل کا بت
تھا - اور سعد بن زید الاشہلی "منات" کے توڑنے کیلئے جو
نہایت مشہور بت قبیلہ اوس و خزرج کا مشلل میں تھا مقرر ہوئے
اور وہ انکو توڑ کر چلے آئے -

سریہ خالد بن ولید شوال (۸) سنہ ہجری

"عُزّٰے" کو توڑ کر واپس آنیکے بعد خالد بن ولید کو تین سو پچاس
آدمیوں کے ساتھ بنی جذیمہ کی طرف اسلام کی ہدایت کرنیکے
لیئے بھیجا گیا - مگر بنی جذیمہ پہلے سے مسلمان ہوگئے تھے اور
اُنہوں نے ایک آدھ مسجد بھی نماز پڑھنے کے لیئے اپنے ہاں بنالی تھی

لیکن وہ مُسلح ہوکر مقابلہ میں آئے - جب پوچھا گیا کہ مُسلح ہوکر کیوں آئے ہو؟
تو اُنھوں نے کہا کہ عرب کی ایک قوم سے اور ہم سے دشمنی ہے -
ہمکو خوف ہوا کہ وہی قوم ہمپر چڑھکر نہ آئی ہو - اُنسے کہا گیا کہ ہتھیار رکھدو -
اُنہوں نے ہتھیار رکھدیئے - اُن سے ایک یہہ غلطی بھی ہوئی کہ اپنا مسلمان
ہونا ظاہر کرنیکیلئے " اسلمنا " کہنے کی جگہہ " صبانا - صبانا " کہا تھے
اور اگرچہ انکا اس کہنے سے یہہ مدعا تھا کہ ہمنے اپنا پہلا مذہب چھوڑ دیا ہے
- مگر مسلمان اس لفظ کو کافر ہوجانیکے معنوں میں سمجھتے تھے - چنانچہ انکا
یہی مطلب سمجھا گیا - اور اُنکو قید کرلیا گیا - صبحکو خالد نے حکم دیا کہ جسکے پاس
جو قیدی ہے اُسکو مارڈالے - بنی سلیم کے پاس جو قیدی تھے اُنکو
اُنہوں نے مارڈالا - مگر مہاجرین والنصار نے اپنے قیدیوں کو قتل کیا -
بلکہ اُن سب کو چھوڑدیا - جب آنحضرتؐ پاس یہہ خبر پہنچی تو آپ خالدؓ
کی اس حرکت سے سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ " خداوندا جو کچھ خالدؓ
نے کیا میں اُسمیں بے قصور ہوں " اور جناب مرتضوی کو حکم ہوا کہ جو لوگ
مارگئے ہیں انکا خون بہا اُنکے وارثوں کو جاکر دے آؤ - چنانچہ آپنے نہایت
فراخدلی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی - جس سے وہ سب لوگ خوش اور
شکرگزار ہوئے -

غزوۂ حُنین جسکو غزوۂ اوطاس اور غزوۂ ہوازن بھی کہتے ہیں شوال سنہ (۸) ہجری

حُنین اور اوطاس دو مقاموں کے نام ہیں - جو مکہ اور طائف

کے بیچ میں ہیں اور ھوازن ایک قوم تھی جس سے اِن مقاموں پر لڑائی ہوئی۔

بعض قبائل صحرائی جنمیں بنی ھوازن اور بنی ثقیف اور بنی مضر اور بنی جشم اور کچھ لوگ بنی ہلال کے اور بہت سے لوگ مختلف قبیلوں کے ایک تعداد کثیر میں جمع ہوے اور اُنہوں نے بسرداری مالک بن عوف مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہا۔ جسکی خبر پاکر آنحضرت نے بھی لڑائی کی تیاری کی۔ اور بارہ ہزار ۱۲۰۰۰ آدمیوں کے ساتھ کوچ فرمایا۔ جمیں دو ہزار ۲۰۰۰ مکہ کے نومسلم تھے۔ مالک بن عوف بمقام حُنین پہنچگیا۔ یہہ ایک ایسی دشوار گزار جگہہ تھی کہ فوج کا انتظام کے ساتھ گزرنا محال تھا۔ پس فوج اسلام نے جو بلا ترتیب جنگ اور بغیر کسی خیال کے مونہہ اندھیرے گزرنا شروع کیا۔ تو دشمن جو کمیں گاہوں میں بیٹھے ہوئے تھے یکایک ٹوٹ پڑے اور تیروں کی بوچھار کردی۔ جس سے مسلمانوں میں نہایت ابتری پڑگئی اور بھاگ نکلے۔ یہانتک کہ آنحضرت کے پاس بھی بہت ہی تھوڑے آدمی رہگئے۔ جب یہہ حال دیکھا تو آنحضرت ایک اونچی جگہہ جاکر کھڑے ہوئے۔ اور حضرت عبّاس نے جنکی نہایت اونچی آواز تھی لوگوں کو ڈانٹا کہ کہاں بھاگے جاتے ہو۔ غرضکہ سب لوگ نہایت عجلت کے ساتھ پھر پڑے اور اکھٹے ہوگئے اور نہایت سخت لڑائی کے بعد دشمنوں کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ نکلے۔ اِسکے بعد آنحضرت نے ابو عامر اشعری کو اُن لوگوں کے تعاقب میں

بھیجا جو اوطاس کی جانب بھاگے تھے اُن سے بھی کچھ لڑائی ہوئی اور ابُو عامر ایک تیر کے زخم سے مر گئے۔ اور مالک بن عوف نے ثقیف کے ایک قلعہ میں جاکر پناہ لی۔ اور بہت سے قیدی اور مال و اسباب مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ قیدیوں کی تعداد چھ ہزار لکھی ہے اور اونٹوں اور بکریوں کی تعداد تو بہت ہی زیادہ بیان کی گئی ہے۔

کئی دن بعد ھوازن کے لوگ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور التجا کی کہ قیدی احساناً چھوڑ دیئے جائیں۔ یہ بات کسیقدر مشکل تھی کیونکہ تمام لڑنے والوں کا جیسا حق غنیمت کے مال میں حصہ لینے کا تھا ویسا ہی ان قیدیوں کے معاوضہ میں فدیہ لینے کا بھی تھا۔ اور وہ لوگ اپنے تئیں عوضانہ نہ دے سکتے ہوں۔ مگر آنحضرتؐ کا رحم جبلّی اسکا مقتضی ہوا کہ وہ بغیر عوضانہ لینے کے چھوڑ دیئے جائیں۔ اسلئے انکو یہ تدبیر سوجھائی کہ کل نماز کے وقت آؤ [جس سے غالباً یہ مقصود تھا کہ سب لوگ ایک جگہہ جمع ہونگے] اور جب نماز ہو چکے تو قیدیوں کے چھوٹنے کی درخواست کرو۔ اُنھوں نے ایسا ہی کیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو کچھ میرا اور بنی عبدُ المُطّلب کا حصّہ ہے میں نے تمکو دیا۔ پس مہاجرین و انصار نے بھی عرض کیا کہ ہمارے حصّہ کا بھی اختیار رسول اللہ کو ہے۔ بعض لوگوں نے انکار کیا۔ مگر آخر کو سب راضی ہوگئے۔ اور تمام قیدی بغیر معاوضہ لینے کے احساناً چھوڑ دیئے گئے۔

غزوہ طائف۔ شوّال سنہ ۸ ہجری

حُنین سے واپس آکر آنحضرتؐ نے طائف کی طرف کوچ فرمایا

کیونکہ بنی ثقیف نے طائف کے قلعوں میں جاکر پناہ لی تھی - اور لڑائی کا سامان کیا تھا - ایک مہینے تک یا کچھ زیادہ محاصرہ رہا - اور ابھی فتح نہیں ہوئی تھی کہ ذیقعد کے مہینے کا چاند دکھائی دیا - اور آنحضرتؐ محاصرہ اٹھا کر عمرہ ادا کرنیکے لیئے مکہ میں آگئے - اور اُس سے فارغ ہوکر مدینہ کو تشریف لیگئے - محاصرہ کے دنوں میں طائف کے اطراف وجوانب کے بتوں کو جناب علی مرتضیٰ نے جاکر توڑ ڈالا اور طفیل بن عمرو الدوسی نے ذوالکفین نام لکڑی کا ایک بت توڑ ڈالا اور جلا دیا - کچھ عرصہ کے بعد اہل طائف نے کچھ شخصوں کو آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجا - اور چار باتوں پر صلح چاہی -

ایک یہہ - کہ "لات" جو انکا بت ہے وہ تین برس تک نہ توڑا جائے - جب یہہ نامنظور ہوا - تو ایک برس کی درخواست کی - اور جب اسکو بھی آپ نے منظور نفرمایا تو اُنھوں نے چاہا کہ ایک مہینے تک جب کہ وہ واپس جائیں نہ توڑا جائے - آپ نے اسکو بھی نامنظور فرمایا -

دوسری یہہ - کہ اُنکے لئے نماز معاف کردی جائے - آپ نے فرمایا جس دین میں نماز نہیں ہے اُسمیں کچھ بھلائی نہیں ہے -

تیسری یہہ - کہ وہ اپنے بت اپنے ہاتھوں سے نہ توڑیں -

چوتھی یہہ - کہ جو عامل محصول وصول کرنیکے لیئے مقرر ہو اُسکے سامنے وہ نہ بلائے جائیں اور نہ اُنکی زمینوں کی پیداوار کا دسواں حصہ لیا جائے - اور نہ کوئی جرمانہ لیا جائے - اخیر کی ان دو شرطوں کو آپ نے

منظور فرمایا اور صلح ہوگئی - اور ابو سفیان اور مغیرہ بن شعبہ کو "لات"
کے توڑنے کے لیئے بھیجا گیا - اور مغیرہ نے اپنے ہاتھ سے اسکو توڑ دیا -
یہہ کسقدر ہنسی کی بات ہے کہ جب وہ توڑا جاتا تھا تو بنی ثقیف کی عورتیں
اُسکے گرد جمع ہوگئی تھیں اور اُسکی موت پر گریہ وزاری کرتی تھیں -

سریہ عیینہ بن حصن الفزاری محرم ۹ ہجری

اس سریہ میں پچاس سوار تھے - اور بنی تمیم پر جنھوں نے ابھی تک
اطاعت نہیں قبول کی تھی بھیجا گیا تھا - وہ لوگ جنگل میں اپنے مویشی کو چرا
رہے تھے کہ دفعتاً عیینہ اُنپر جا پڑے - وہ لوگ بھاگ گئے اور گیارہ
مرد اور اکیس عورتیں اور تیس ۳۰ بچے گرفتار ہوئے - اُنکو مدینہ میں لے آئے
اسکے بعد بنی تمیم کے چند سردار ملکر مدینہ میں آئے اور اطاعت
قبول کی - اور آنحضرت نے تمام قیدیوں کو بلا کسی معاوضہ کے اُنکو دیدیا -

سریہ قطبہ بن عامر صفر ۹ ہجری

یہہ سریہ قبیلہ خثعم پر بھیجا گیا تھا - مورخین لکھتے ہیں کہ اس سریہ کو حکم
تھا کہ بنی خثعم کو لوٹ لیں مگر کسی نے نہیں لکھا کہ ایسا حکم دینے کی کیا وجہ تھی
وہ قبیلہ کچھ مالدار نہ تھا - نہ اُنکے پاس بہت سا اسباب یا مویشی تھے کہ کوئی بدظنی
سے کہہ سکے کہ مال اور لوٹ کے لالچ سے ایسا حکم دیا تھا بہر حال اگر درحقیقت
ایسا حکم دیا تھا تو ضرور اسکے لیئے کوئی جائز سبب ہوگا -

اس سریہ میں کل بیس آدمی بھیجے گئے تھے - اور جو واقعہ گزرا اُسکا
بیان بھی مختلف ہے - زاد المعاد میں لکھا ہے کہ قبیلہ خثعم کے گانو کا

ایک آدمی ملا۔ اُس سے کچھ حال پوچھا وہ غالباً اس غرض سے جاتا کہ گانو
والوں کو خبر ہوجائے۔ اسکو لوگوں نے مار ڈالا۔ مگر مواہب لدنیہ میں
اُسکے قتل ہونیکا کچھ ذکر نہیں۔ پھر زاد المعاد میں لکھا ہے کہ رات کو سوتے
میں گانوں پر حملہ کیا مگر مواہب لدنیہ میں رات کو حملہ ہونا بیان نہیں ہوا
بہرحال یہہ لوگ دن میں گانوں پر جا پڑے۔ گانوں والے خوب لڑے اور
طرفین سے کے آدمی مارے گئے اور زخمی ہوئے۔ نتیجہ یہہ ہوا کہ بکریاں اور کچھ عورتیں
جو گرفتار ہوئی تھیں آنحضرت کی خدمت میں لے آئے۔ کسی نے نہیں لکھا کہ اُن
عورتوں کی نسبت کیا ہوا اور اسکا ذکر نہ ہونا ظاہراً اس بات کی دلیل ہے کہ وہ
چھوڑ دی گئیں کیونکہ اگر وہ بطور لونڈیوں کے تقسیم کیجاتیں تو اُسکا ذکر ضرور ہوتا۔

سریہ ضحاک بن سفیان الکلابی۔ ربیع الاول ۹ سنہ ہجری

یہہ سریہ بنو کلاب پر بھیجا گیا تھا۔ اول اُنکو مسلمان ہوجانے کیلیے
سمجھایا گیا۔ مگر انہوں نے نہ مانا لڑے اور شکست کھاکر بھاگ گئے۔

سریہ عبد اللہ بن حذافہ۔ یا علقمہ بن المجزز المدلجی ربیع الاول (۹) سنہ ہجری

اس بات میں اختلاف ہے کہ اس سریہ کے سردار عبد اللہ تھے
یا علقمہ۔ تین سو آدمی تھے۔ یہہ قوم حبشہ کی طرف بھیجا گیا تھا جنکے
بغرض فساد جمع ہونے کی خبر پہنچی تھی۔ یہہ لوگ سمندر کی طرف حوالی جدہ
میں جمع تھے۔ جب مسلمان ایک جزیرہ میں جاکر اترے تو وہ لوگ بھاگ گئے
اور یہہ بغیر کسی سے لڑنیکے واپس چلے آئے۔

سریہ بنی طے سنہ ۹ ہجری

قبیلہ بنی طے کا سردار مشہور و معروف حاتم کا بیٹا عدی تھا
اور وہ اس قبیلہ میں بطور بادشاہ کے سمجھا جاتا تھا اور سب سے زیادہ آنحضرت
کو ناپسند کرتا تھا اور کسی قسم کی اطاعت بھی نہیں کی تھی - پس آپ نے جناب
علی مرتضیٰ کو متعین کیا کہ اس قبیلہ میں جائیں اور انکے پوجنے کا بت جسکا
نام فلس تھا توڑ دیں - یہ بت حاتم کے محلہ میں تھا - مسلمان یکایک
وہاں پہنچے - عدی بھاگ گیا - اور مسلمانوں نے اس محلہ کو گھیر کر لوٹ لیا
اور فلس کو توڑ ڈالا - اور کچھ قیدی پکڑ لیئے اور واپس چلے آئے - قیدیوں
میں حاتم کی بیٹی بھی تھی - جب آنحضرت اس طرف سے گذرے تو
اسنے اپنا حال عرض کیا - آپنے کہا عدی میرا بھائی ہے جو بھاگ گیا ہے
اور کچھ جواب نہیں دیا - دوسرے دن پھر اسنے عرض کیا - آپنے فرمایا کہ
میں اسبات کا منتظر ہوں کہ کوئی شخص تیری قوم کا ملے تو اسکے ساتھ تجھ
سے تجکو تیرے گھر بھیجدوں - عدی عیسائی تھا اور شام کی طرف بھاگ
گیا تھا - انہیں دنوں میں ایک قافلہ شام کو جاتا تھا - حاتم کی بیٹی نے
درخواست کی کہ اسکو اس قافلہ کے ساتھ شام میں اسکے بھائی کے
پاس بھیجدیا جاوے - پس آنحضرت نے اسکو زادِ راہ اور کپڑے عطا فرما کے
اور روانہ کردیا - اسکے چند روز بعد عدی حاضر ہوا اور مسلمان ہوگیا -
اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ قبیلہ طے کے جسقدر قیدی تھے وہ
بھی سب چھوڑ دیئے گئے

غزوہ تبوک۔ رجب سنہ ۹ ہجری

یہہ ایک قصبہ ہے شام اور وادی القرٰے کے درمیان۔ آنحضرتؐ کو یہہ خبر ملی تھی کہ رومیوں نے شام میں بہت کثرت سے لوگ جمع کیے ہیں۔ اور ہرقل نے ایک سال کے خرچ کے لائق رسد انکو دیدی ہے اور بنی لخم اور بنی جذام اور بنی عاملہ اور بنی غسّان کے لوگ جو عیسائی تھے سب اُن کے ساتھ شریک ہوگئے ہیں۔ رومیوں سے مُراد ہرقل کا لشکر ہے جو قسطنطنیہ کا شہنشاہ تھا۔ اور شام اُسی کے تحت حکومت میں تھا اور اسی زمانہ کے قریب اُسنے ایرانیوں پر بھی فتح پائی تھی۔ سخت گرمی کا موسم تھا اور قحط سے لوگ نہایت مفلس اور تنگ تھے۔ اسلیے مسلمانوں کا لشکر تیار کرنے میں نہایت دقّت پیش آئی۔ مگر جس طرح سے ہوسکا لڑائی کا سامان کیا گیا اور مدینہ سے روانہ ہوے۔ مگر جب تبوک میں پہنچے تو جسقدر مجمع کے ہونے کی خبر سُنی تھی وہ صحیح نہ تھی۔ بہرحال آپ نے تبوک میں قیام فرمایا۔

یُوحنّا بن روبہ رئیس شہر ایلتہ جو عیسائی تھا اور اذرج اور جرپا اور مقنا کے لوگ وقتاً فوقتاً آئے اور جزیہ دینے پر راضی ہوئے اور انکو عہدنامہ لکھدیا گیا۔ جسکا مضمون یہہ تھا کہ " ایلتہ والوں کو خدا اور رسولِ خدا نے پناہ دی ہے۔ اُنکی کشتیوں کو۔ اُنکے مسافروں کو خشکی اور تری میں اُنکے لیئے اللہ اور رسول کی ذمہ داری ہے اور جو لوگ اہل شام و اہل یمن اور اہل بحرین اُنکے ساتھ ہوں وہ بھی امن میں ہیں

اور اگر ان سے کوئی نئی بات پیدا ہوگی [یعنی دشمنی و عداوت کی] تو انکا مال [یعنی جزیہ دینا] انکو بچا نہیں سکنے کا - اور ہر ایک شخص کو انکا پکڑ لینا جائز ہوگا اور [اس حالت کے سوا] کسی کو جائز نہیں ہے کہ جہاں وہ جانا چاہیں اور جس رستہ سے جانا چاہیں تری کے یا خشکی کے انکو منع کرے" غالباً اسی قسم کے پاس کی مانند باقی لوگوں کو بھی جنھوں نے جزیہ دینا قبول کیا تھا پاس لکھ دیئے ہونگے۔

اُکیدر بن عبد الملک کندی رئیس دومۃ الجندل جو اس نواح کا بادشاہ سمجھا جاتا تھا اور عیسائی تھا حاضر نہیں ہوا - اُسکے پاس خالد بن ولید کو بھیجا گیا وہ اور اسکا بھائی حسان گھوڑوں پر سوار ہو کر اپنے محل سے نکلے اور اُنکے ساتھ ایک سوار بھی تھے - مقابلہ ہوا - حسان مارا گیا اور اکیدر گرفتار ہو گیا - جب اسکو آنحضرت پاس لائے تو اُسنے بھی جزیہ دینے پر صلح کر لی - اور اُسکو چھوڑ دیا گیا - اور آنحضرت مدینہ کو واپس تشریف لائے

تبوک میں قیام کے دنوں میں آنحضرت نے خط دیکر ایک ایلچی ہرقل کے پاس بھیجا جسکی نسبت گبن نے یہہ فقرہ لکھا ہے کہ جب ہرقل جنگ فارس سے تزک اور شان کے ساتھ لوٹا تو اُسنے تمام حمص میں محمد کے ایلچیوں میں سے ایک کی ضیافت کی جو دنیا کے بادشاہوں اور قوموں کو دین اسلام کی طرف بلاتے پھرتے تھے جسکی بنا پر عربوں نے تعصب سے یہہ خیال کیا کہ اس عیسائی بادشاہ نے خفیہ اسلام قبول کر لیا - اُدھر یونانی یہہ شیخی بگھارتے ہیں کہ ہرقل سے خود بادشاہ مدینہ نے

آکر ملاقات کی اور روم کے بادشاہ ہرقل نے فیاضی سے صوبہ شام
میں ایک عمدہ مقام اسکو عطا کیا" گبن نے یہ مضمون رومیوں کی نسبت
بطور طعن کے لکھا ہے۔ اور یہ مورخ سمجھ سکتا ہے کہ آنحضرت کا ہرقل کے
پاس تشریف لیجانا اور اسکا کسی زمین کا دینا محض غلط ہے۔ کیونکہ سب صحیح
اور رومی مورخوں کے بیان سے آنحضرت کی نسبت ہرقل سے صرف
اور اسکا ایلچی کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آنا ثابت ہے

اب موقع ہے کہ جزیہ کی حقیقت دراصل ذرا مفصل طور پر بیان
کیے جاویں کیونکہ جزیہ بیان کیجاوے تاکہ اسکے مقصد کے سمجھنے میں لوگوں نے
غلطی کی ہے۔ اور مخالفین اسلام نے اسکی بنا پر بہت سی طعن و تشنیع کی
ہے۔ اسکی کیفیت تحریر ہو تاکہ ناظرین کو معلوم ہو جاوے

سر سید احمد خان بہادر لکھتے ہیں کہ "جو لوگ مسلمان نہ
ہوتے تھے اور اپنے قدیم مذہب پر قائم رہتے تھے انپر جو جزیہ
مقرر ہوتا تھا اسکا مقصد سمجھنے میں لوگوں نے بڑی غلطی کی ہے اور جو لوگ
مخالف اسلام ہیں انہوں نے جزیہ مقرر کرنے پر بہت سا طعن کیا ہے
مسٹر لین نے اپنی کتاب مد القاموس میں لکھا ہے کہ جزیہ
قتل سے محفوظ رہنے کا معاوضہ تھا" اور یہ انکی نہایت غلطی ہے
کیونکہ امن کا ہوجانا یعنی لڑائی کا موقوف ہونا یا صلح کا ہوجانا یا کسی قسم کا
معاہدہ ہونا گو کہ اسمیں جزیہ دینا قرار پایا ہو قتل سے محفوظی کا سبب
ہوتا تھا نہ کہ جزیہ دینا۔

جزیہ اُن لوگوں سے لیا جاتا تھا جو مسلمانوں کے زیر حکومت بطور رعیت کے رہنا قبول کر لیتے تھے۔ جو لوگ رعیت ہو کر رہتے تھے وہ ذمی کہلاتے تھے یعنی مسلمانوں کی حکومت میں اُنکے امن سے رہنے کے مسلمان ذمہ دار ہیں جیسے کہ اہل ایلہ کے نام کے فرمان میں آنحضرت نے لکھا تھا کہ "لھم ذمۃ اللہ و محمد النبی" پس جزیہ **قتل سے محفوظ رہنے کا معاوضہ نہیں ہے**۔ جزیہ دینے والے مسلمانوں کے ساتھ ہو کر لڑائی کو جانے سے بالکل بری تھے لڑائی کی ضرورت سے جو خاص چندہ یعنی نقد و جنس مسلمانوں سے مانگا جاتا تھا اور دیا جاتا تھا اُس سے وہ بری تھے۔ مسلمانوں سے نہایت سخت سالانہ ٹیکس (زکات) یعنی چالیسواں حصہ مال کا لیا جاتا تھا اُس سے وہ لوگ بری تھے۔ ان سب امور کی عوض ایک نہایت خفیف سالانہ ٹیکس جو فی کس تین ۳ روپیے کئی آنے سال ہوتا ہے اُنسے لیا جاتا تھا پس اُس تخفیف و رعایت کی جو ذمیوں کے ساتھ کی گئی تھی حد نہیں۔ فرض کرو کہ ایک ذمی کے پاس چالیس ۴۰ ہزار روپیہ نقد موجود ہے اور اُسکو اَور قسم کی آمدنیاں تجارت وغیرہ سے بھی ہیں۔ اور ایک مسلمان پاس بھی چالیس ۴۰ ہزار روپیہ نقد موجود ہے۔ اور اُسکے پاس اور کوئی آمدنی تجارت وغیرہ سے نہیں ہے سال بھر کے بعد اُس ذمی کو تو صرف تین ۳ روپے کئی آنے اور اگر اُسکی جورو یا اَور کنبہ ہے جسکی پرورش اُسکے ذمہ ہے تو ہر ایک کی طرف سے بھی اُسیقدر دینا ہوگا جسکی مقدار ایک عام طریقہ پر تینتالیس روپیہ سے

زیادہ نہیں ہوسکتی - مگر مسلمان کو بالعموم اپنے صندوق خزانہ میں سے ایکہزار روپیہ نقد نکالکر دینا ہوگا - جزیہ مسلمان ہونے پر کسی طرح رغبت نہیں دلا سکتا بلکہ جس شخص کو ایمان سے مال کی محبت زیادہ ہو تو اسکو مسلمان ہونیسے باز رہنے پر رغبت دلا سکتا ہے - باایں ہمہ جو ذمی غریب و مسکین تھے وہ جزیہ سے بھی معاف کردیئے جاتے تھے جو خیال کہ مخالفین اسلام نے جزیہ کی نسبت کیا ہے اُسکے غلط ہونیکی بابت ایک اور حال کے زمانہ کے بڑے عیسائی عالم کی کتاب سے ثابت ہوتی ہے - وہ عیسائی عالم معلم بطرس البستانی ہے اور اسکی کتاب کا نام "محیط المحیط" ہے جو عربی زبان کے لغت میں اُسنے لکھی ہے وہ لکھتا ہے کہ "الجزیۃ خراج الارض وما یوخذ من اہل الذمۃ فعلۃ لانہا تجزی عنہم ای تکفیہم معاملۃ الکتابین - وقیل لانہا مؤنۃ الجہاد کالمسلمین" یعنی جزیہ زمین کے خراج اور اُس مال کو کہتے ہیں جو ذمیوں سے لیا جاتا ہے اور اُسکا نام جزیہ رکھنے کی وجہ بعض نے یہہ بیان کی ہے کہ وہ اُس برتاؤ سے اُنکو بچاتا ہے جو مخالف مذہب دشمنوں کے ساتھ کیا جاتا ہے - اور بعضوں نے یہہ بیان کی ہے کہ لڑائی میں مسلمانوں کو جو جان و مال کی تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے اُس سے اُنکو بچاتا ہے " [انتہٰے قولہ سلمہ]

یہانتک لکھا جاچکا تھا کہ اسی بحث کے متعلق ہمارے فاضل دوست مولوی محمد شبلی نعمانی پروفیسر مدرسۃ العلوم علیگڈہ کا لکھا ہوا ایک

نہایت عمدہ اور محققانہ آرٹیکل نظر سے گزرا۔ جسکو ہم انکی اجازت سے بلفظہ یہاں نقل کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ "غیر مذہب والوں نے ہمیشہ اس لفظ کو نہایت نگواری سے سُنا ہے۔ انکا خیال ہے کہ اسلام اس لفظ کا موجد ہے۔ اسلام ہی نے یہہ اصول پیدا کیا جس سے اسکا مقصد مسلمانوں اور غیر مذہب والوں میں ایک نہایت متعصبانہ اور نامناسب تفرقہ قائم کرنا تھا۔ انکا یہہ بھی خیال ہے کہ جزیہ ایک ایسا جبر تھا جس بچنے کے سبب اسلام کا قبول کرلینا بھی گوارا کیا جاتا تھا اور اسوجہ سے وہ جبراً مسلمان کرنیکا ایک مخفی ذریعہ تھا۔ لیکن یہہ تمام غلط خیالات انہیں غلط فہمیوں سے پیدا ہوئے ہیں جو غیر قوموں کو اسلام کی نسبت ہیں۔ ہم اس موقع پر تین حیثیتوں سے جزیہ پر بحث کرنی چاہتے ہیں۔

(۱) **جزیہ** اصل میں کس زبان کا لفظ ہے۔ اور کن معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔

(۲) ایران اور عرب میں **جزیہ** کی بنیاد کب سے قائم ہوئی۔

(۳) اسلام نے اسکو کس مقصد سے اختیار کیا۔ لیکن ہم جو کچھ لکھینگے تاریخی حیثیت سے لکھینگے۔

پہلی بحث

جزیہ۔ گو اب اصطلاحی معنی میں خاص ہوگیا ہے۔ لیکن لغت کی رو سے وہ خراج اور جزیہ کے لئے یکساں موضوع ہے۔ قاموس میں لکھا ہے "اَلْجِزْیَۃُ خَرَاجُ الْاَرْضِ وَمَا یُؤْخَذُ مِنَ الذِّمِّیِّ" خود جوہری و صاحب قاموس نے اس لفظ کے اصل و اشتقاق سے کچھ تعرض نہیں کیا۔ البتہ

نے اپنی کتاب مد القاموس میں جو نہایت جامعیت اور تحقیق سے لکھی گئی ہے اسکی نسبت دو احتمال قرار دیے ہیں (۱) جزاء سے مشتق ہے (۲) گزیہ کا معرب۔ بطرس بستانی نے بھی کتاب "محیط المحیط" میں یہ دونوں احتمال نقل کیا ہے۔ لیکن ہم مستند نہیں سمجھتے۔ فارسی لغت نویسوں نے گزیت کے لغت میں تصریح کی ہے کہ جزیہ اسی کا معرب ہے۔ برہان قاطع میں ہے "گزیت بفتح اول و کسر ثانی زر ـــ باشد کہ حکام ہر سال از رعایا بگیرند و آنرا خراج ہم گویند و بعضے گویند کہ از کفار ذمی ستانند چنانکہ نظامی گفتہ است ع گہش خاقان خراج چین فرستد * گہش قیصر گزیت روم فرستد -- وانچہ شہرت دارد بکسر اول و فتح ثالث است و معرب آن جزیہ؛

فرہنگ جہانگیری کے مصنف نے دوسرے معنی کی سند میں حکیم سوزنی کا یہہ شعر نقل کیا ہے۔ ع کتاب خویش بخواہم درو عمل نکنم * کہ تا گزیت ستانند ناخوانِ کتاب -- اور یہہ بھی لکھا ہے کہ جزیہ اسیکا معرب ہے۔ ہکو یہیں ذرا بھی شبہ نہیں کہ جزیہ اصل میں فارسی کا لفظ ہے۔ تصریحات لغت کے علاوہ تاریخی قرینہ نہایت قوی موجود ہے۔ یہہ مسلم ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں جزیہ کا لفظ مستعمل ہو چکا تھا۔ یہہ بھی مسلم ہے کہ فارسی میں گزیت کا لغت اسی معنی میں قدیم سے شایع ہے۔ تاریخی شہادتوں سے [جیسا کہ ہم آیندہ بیان کرینگے] یہہ بھی ثابت ہے کہ نوشیروان نے جزیہ کے قواعد

مقرّر کیے تھے اور اُس زمانہ میں نوشیرواں کے عمال یمن اور مضافات یمن پر منصوب تھے۔ اِس طرح گزیت کا لفظ قانونی طور پر عرب میں پھیلا اور معرّب ہو کر جزیہ ہو گیا۔ یہہ عام قاعدہ ہے کہ محکوم ملک میں جب فرماں روا زبان کے الفاظ دخل پانے لگتے ہیں تو سب سے پہلے وہ الفاظ آتے ہیں جو سلطنت کے قانونی الفاظ ہوتے ہیں۔ زبانِ عرب میں جسقدر فارسی الفاظ معرّب ہو کر شایع ہو گئے ہیں کسی اور زبان کے نہیں ہوئے۔ اِسیطرح یہہ کہ گزیہ کا لفظ معرّب ہونیکے لیئے گویا پہلے ہی آمادہ تھا۔ صرف ایک حرف کے اور دو ایک حرکت کے تغیر سے وہ عربی قالب میں پورا اُتر گیا۔

دوسری بحث

جہانتک ہمکو معلوم ہے ایران و عرب میں خراج و جزیہ کے وہ قواعد جو بانیِ تعمیرِ اِسلام میں رائج ہیں۔ نوشیرواں کے عہد میں مرتب ہوئے علّامہ ابن الاثیر جزری نے تاریخ الکامل کے پہلے حصّہ میں ایک مضمون اس عنوان سے لکھا ہے "ذِکرُ مَا فَعَلَہُ کِسرٰی فِی اَمرِ الخَرَاجِ وَالجُندِ" جسکا خلاصہ یہہ ہے کہ "نوشیرواں نے زمین کی پیمایش کرائی اور مختلف شرحوں کی جمع مقرّر کی۔ اور تمام لوگوں پر باستثنائے اہل فوج و رؤسا و ارکانِ دولت جزیہ* مقرّر کیا۔

---

* علّامہ ابن الاثیر نے اس موقع پر جزیہ ہی کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے یہہ ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ کوئی ایسی اصطلاح نہیں جو مسلمانوں اور ذمّیوں کے ساتھ مخصوص ہو۔ نوشیرواں اور اُسکی ایرانی رعایا کا ایک مذہب تھا۔ تاہم جو ٹیکس اُنپر لگایا گیا مسلمان اُسکو جزیہ ہی کہتے تھے۔

جسکی تعداد بارہ درہم - آٹھ درہم - چھ درہم - چار درہم تک تھی " خراج کے ذکر کے بعد مؤرخ مذکور لکھتا ہے کہ " وَهِيَ الْوَضَائِعُ الَّتِي اقْتَدَى بِهَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ " یعنی " حضرت عمرؓ نے انہیں قاعدوں کی تقلید کی " اور جزیہ کے ذکر کے بعد لکھا ہے کہ " حضرت عمرؓ نے بیس برس سے کم اور پچاس برس سے زیادہ عمر والے کو جزیہ سے معاف کیا " جس غرض سے نوشیرواں نے جزیہ کا قاعدہ جاری کیا - اسکی وجہ علامہ موصوف نے نوشیرواں کے اقوال سے یہ نقل کی ہے کہ

" اہل فوج ملک کے محافظ ہیں اور ملک کے سبب اپنی جانیں خطرہ میں ڈالتے ہیں - اسلیئے لوگوں کی آمدنی سے انکے لیئے ایک رقم خاص مقرر کی گئی کہ انکی محنتوں کا معاوضہ ہو "

خراج و جزیہ کے متعلق جو کچھ ابن الاثیر نے لکھا اسکی تائید فردوسی کے اشعار سے بھی ہوتی ہے - اگرچہ بعض امور میں دونوں کا بیان مختلف ہے ہم ان اشعار کو اس موقع پر نقل کرتے ہیں -

" ہمہ پادشاہاں شدند انجمن | زمین را بہ بخشید و برزد رسن
گزیتے نہادند بر یک درم | گرا ید ول کہ دہقان نبودے دژم
گزیت رزبار و رشش درم | بخرما ستاں بر ہمی زد رقم
کسے کش درم بود و دہقان نبود | نبودے غم و رنج کشت و درود
گزارندہ از دہ درم تا چہار | بسالے از و بستدے کاردار
دبیر و پرستندہ شہریار | نبودے بدیوان کسے راشمار* "

* چھاپہ کی غلطی سے بعض اشعار فارسی مندرجہ اس آرٹیکل کے غلط چھپ گئے ہیں اسلیئے ہمنے انکی تصحیح کتاب شاہنامہ ... [illegible]

"هذا كتاب من خالد بن الوليد لصلوبا ابن نسطونا وقومه إني عاهدتكم على الجزية والمنعة فلك الذمة والمنعة ما منعناكم فلنا الجزية وإلا فلا كتب سنة اثنتي عشرة في صفر*"

"یہہ خالد بن الولید کی تحریر ہے صلوبا بن نسطونا اور اُسکی قوم کے لیے۔ مینے تمسے معاہدہ کیا جزیہ اور محافظت پر پس تمہاری ذمہ داری اور محافظت ہمپر ہے جبتک ہم تمہاری محافظت کریں ہمکو جزیہ کا حق ہے ورنہ نہیں سنہ ۱۲ھ صفر میں لکھا گیا"

عمّالان اسلام نے عراق عرب کے اضلاع میں وہاں کے باشندوں کو جو عہد نامے لکھے اور جنپر بہت سے صحابہ کے دستخط تھے اُنکے ملتقط الفاظ یہہ ہیں

"براءة لمن كان من كذا وكذا من الجزية التي صالحهم عليها الأمير خالد بن الوليد وقد قبضت الذي صالحهم عليه خالد والمسلمون لكم يد على من بدل صلح خالد ما أقررتم بالجزية وكففتم أمانكم أمان وصلحكم صلح ونحن لكم على الوفاء"

[تاریخ طبری صفحہ ۲۰۵۰]

"اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے اِس اِس تعداد کا جزیہ دینا قبول کیا ہے اور جنپر خالد بن ولید نے اُنسے مصالحت کی ہے یہہ براءت نامہ ہے۔ خالد اور مسلمانوں نے جس تعداد پر صلح کی وہ ہمکو وصول ہوئی جو شخص خالد کی صلح کو بدلنا چاہے اُسکو ہم لوگ مجبور کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ جزیہ ادا کرتے رہو تمہاری امان۔ امان ہے اور تمہاری صلح۔ صلح [یعنی جس تم صلح کرو ہم بھی صلح کرینگے اور جسکو تم امان دوگے ہم بھی امان دینگے]"

* دیکھو تاریخ کبیر ابو جعفر جریر طبری مطبوعہ یورپ جزء خامس صفحہ ۲۰۴۸

اسکے مقابلہ میں عراق کی رعایا نے یہہ تحریر لکھی -

"اِنَّا قَدْ اَدَّيْنَا الْجِزْيَةَ الَّتِي عَاهَدْنَا عَلَيْهَا خَالِدَ عَلَى اَنْ يَمْنَعُونَا وَاَمِيْرُهُمُ الْبَغْيَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَغَيْرِهِمْ -" [طبری صفحہ مذکور]	"ہمنے وہ جزیہ ادا کردیا جو خالد سے معاہدہ کیا تھا اس شرط پر کہ مسلمان اور نیز اور تمام قومیں اگر ہمکو گزند پہنچانا چاہیں تو جماعت اسلام اور اُنکے افسر ہماری حفاظت کے ذمہ دار ہوں"

اِن تحریروں سے جو ہمنے اس موقع پر نقل کیں اور نیز اور تمام معاہدوں سے جو تاریخوں میں مذکور ہیں بداہتاً یہہ امر ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ اُسی اُصول کی بنا پر تھا جو نوشیروان عادل نے قائم کیا تھا - لیکن اسپر بھی اگر کسی کو شبہ رہے تو ذیل کے واقعہ سے رہا سہا شک بھی رفع ہوجائیگا -

ابو عبیدۂ جرّاح نے شام میں جب متواتر فتوحات حاصل کیں تو ھرقل نے ایک عظیم الشان فوج مسلمانوں پر حملہ کرنیکے لیے تیار کی - مسلمانوں کو اُسکے مقابلہ میں بڑی تعدی سے بڑھنا پڑا اور اُنکی تمام قوت و توجہ فوجوں کی ترتیب میں مصروف ہوئی اُسوقت حضرت ابو عُبیدۂ امین افسر فوج نے اپنے تمام عمّالوں کو جو شام کے مفتوحہ شہروں پر مامور تھے لکھ بھیجا کہ "جسقدر جزیہ و خراج جہاں جہاں وصول کیا گیا ہے سب اُن لوگوں کو واپس دیدو جنسے وصول ہوا تھا - اور اُن سے کہدو کہ ہمنے تُمسے جو کچھ لیا تھا اس شرط پر لیا تھا کہ تمہارے دشمنوں سے تمہاری حفاظت کرسکیں لیکن اَب اِس واقعہ کے پیش آجانیکی وجہ سے ہم تمہاری

حفاظت کا ذمہ نہیں اُٹھا سکتے" ابُو عُبیدہ کے خاص الفاظ جنیں
عیسائیوں سے خطاب ہے یہہ ہیں۔ "اِنَّمَا رَدَدْنَا عَلَیْکُمْ اَمْوَالَکُمْ
لِاَنَّہٗ قَدْ بَلَغَنَا مَا جُمِعَ لَنَا مِنَ الْجُمُوْعِ وَاِنَّکُمْ قَدِ اشْتَرَطْتُمْ عَلَیْنَا اَنْ نَمْنَعَکُمْ
وَاِنَّا لَا نَقْدِرُ عَلٰی ذٰلِکَ وَقَدْ رَدَدْنَا عَلَیْکُمْ مَا اَخَذْنَا مِنْکُمْ" اس حکم
کی پوری تعمیل ہوئی اور لاکھوں روپئے بیت المال سے لیکر ان لوگونکو
پھیر دیئے گئے۔ جو رقم وصول ہوئی تھی اُسکی کثرت کا اندازہ اس سے
ہو سکتا ہے کہ صرف حمص سے قریباً آٹھ لاکھ روپیہ جزیہ و خراج
میں ملے تھے۔ عیسائیوں نے مسلمانوں کو دل سے دعائیں دیں اور کہا
کہ خدا پھر تمکو ہمارے شہر کی حکومت دے۔ رُومی ہوتے تو اس موقع پر واپس
دینا تو درکنار جو کچھ ہمارے پاس تھا وہ بھی لے لیتے[۵۱] اِن سب باتوں سے
زیادہ یہہ امر اس دعوے کے لیئے دلیل بیّن ہے کہ اگر کسی غیر قوم نے
فوجی خدمت پر رضامندی ظاہر کی تو وہ بھیطرح جزیہ سے بری ہے
جس طرح خود مسلمان۔ حضرت عُثمان کے زمانہ میں جب حبیب بن مسلمہ
نے قوم جراجمہ[۵۲] پر فتح پائی تو اُن لوگوں نے فوجی خدمتوں میں بوقت
ضرورت شریک ہونا خود پسند کیا اور اسوجہ سے وہ تمام قوم جزیہ سے
بری رہی۔ نہ صرف جراجمہ بلکہ بہت سے انباط وغیرہ اور اُسکے

۵۱ یہہ پوری تفصیل کتاب الخراج امام ابو یوسف مطبوعہ مصر کے صفحہ ۸۰
و ۸۲ و ۸۳ میں مذکور ہے۔

۵۲ ایک عیسائی قوم تھی اور شہر جراجمہ اور اُسکے مضافات میں آباد تھے
معجم البلدان میں اِس مقام کا ذکر تفصیلاً لکھا ہے۔

متصل کی آبادیوں سے یہہ امر اختیار کیا اور جزیہ سے بری رہے خلیفہ واثق باللہ عباسی کے زمانہ میں وہاں کے عامل نے غلطی سے اِن لوگوں پر جزیہ لگایا تو اُنہوں نے خلیفہ کو اطلاع کی اور دربارِ خلافت سے اُنکی براءت کا حکم صادر ہوا* معاہدات میں یہہ تصریح کہ جزیہ کے عوض ہم تمہاری اندرونی و بیرونی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔ جب (۲) حفاظت پر قدرت نہو تو جزیہ کا واپس کر دینا۔ جو قومیں (۳) فوجی خدمت پر آمادہ ہوں اُنکو جزیہ سے بری رکھنا۔ کیا اِن واقعات کے ثابت ہو جانیکے بعد بھی شبہ رہ سکتا ہے کہ جزیہ کا مقصد وہی تھا جو ہمنے تیسری بحث کے آغاز میں بتایا ہے۔ جزیہ کے مصارف یہہ تھے۔ لشکر کی آراستگی۔ سرحد کی حفاظت قلعوں کی تعمیر۔ اِن سے بچا تو سڑکوں اور پلوں کی تیاری۔ سررشتہ تعلیم۔ بے شبہ اس طرح اس خاص رقم سے مسلمانوں کو بھی فائدہ پہنچتا تھا۔ اور پہنچنا چاہئیے تھا۔ مسلمان لڑائیوں میں شریک ہوتے۔ جانیں لڑاتے مُلک کو تمام خطروں سے بچاتے۔ پس جسطرح اُنکے جسم و جان سے ذمّی رعایا مستفید ہوتی تھی۔ اگر ذمیوں کے مال سے مسلمانوں کو بھی فائدہ پہنچتا تھا تو کیا بیجا تھا۔ اسکے علاوہ صدقہ کی رقم جو خاص مسلمانوں سے وصول کیجاتی تھی اُسمیں ذمّی رعایا برابر کی شریک تھی۔ حضرت عُمر فاروق نے بیت المال کے داروغہ کو کہلا بھیجا تھا کہ "خدا کے اس

---

* فتوح البلدان بلاذری۔ صفحہ ۱۵۹ و ۱۶۱۔

قول ہیں " اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ " [صدقات فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہیں] مسکینوں سے عیسائی اور یہودی مُراد ہیں۔ * جزیہ کی تعداد زیادہ سے زیادہ بیس[2] روپیے سالانہ تھی کسی کے پاس لاکھوں روپئے ہوں تو اس سے زیادہ دینا نہیں پڑتا تھا عام شرح چھ[6] روپیے اور تین[3] روپیے سالانہ تھی۔ بیس[1] برس سے کم اور پچاس[2] برس سے زیادہ عمر والے اور عورتیں[3] مفلوج[4] معطل العضو[5] نابینا[6] - مجنون[7] - مفلس[8] یعنی جسکے پاس دو سو درہم سے کم ہو - یہہ لوگ عموماً جزیہ سے معاف تھے ⧺

اب ہم پوچھتے ہیں کہ ایسا ہلکا ٹیکس جسکی تعداد اسقدر قلیل تھی جسکے ادا کرنے سے فوجی پُرخطر خدمت سے نجات ملجاتی تھی - جسکی بنیاد نوشیروان عادل نے ڈالی تھی - کیا ایسی ناگوار چیز ہوسکتی ہے ؟ جیسی کہ اہل یورپ نے خیال کی ہے - کیا دُنیا میں ایک شخص نے بھی اُس سے بچنے کے لیئے اپنا مذہب چھوڑا ہوگا ؟ کیا کسی نے اپنے مذہب کو ایسے ہلکے ٹیکس سے بھی کم قیمت سمجھا ہوگا ؟ اگر کسی نے ایسا سمجھا تو ہمکو اُسکے مذہب کے ضایع ہونیکا رنج کبھی نکرنا چاہیئے - جو لوگ جزیہ ادا کرتے

---

* کتاب الخراج اِمام ابو یُوسف

⧺ اس قسم کے لوگوں کا جزیہ سے مستثنےٰ ہونا ہی دلیل اِس بات کی ہے کہ جزیہ خدمات جنگی اور حفاظت کا معاوضہ تھا نہ اور کچھ - کیونکہ مذہب پر قایم رہنے کا معاوضہ ہوتا تو کسی کے مستثنےٰ ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی -

السید محمد حسن عفی عنہ

تھے انکو اِسلام نے جسقدر حقوق دیئے کون حکومت اُس سے زیادہ دے سکتی ہے؟ لیکن چونکہ ہمارے مضمون کے عنوان سے یہہ بحث کسی قدر دُور پڑجاتی ہے اسیلئے اس موقع پر ہم یہہ بحث چھیڑنی نہیں چاہتے۔"

ہم اوپر وعدہ کرآئے ہیں کہ اُس قسم کی لڑائیوں کی بابت جنکو مُوسیٰ کلیم اللہ نے اپنے زمانہ میں اور محمدؐ رسُول اللہ نے اپنے وقت میں جائز رکھا اور حضرت یحیےٰ و عیسےٰ کی طرح کیوں نہ اپنی جان دیدی آیندہ بحث کرینگے - چنانچہ اب اُسکو پُورا کرتے ہیں - اور ہمیں صرف جناب سیّد اور چند نامی گرامی فضلائے یُورُپ کی رایوں کے نقل کردینے پر اکتفا کرینگے جنسے ثابت ہوگا کہ اس الزام کے رد میں جو مخالفوں نے اُن مُحاربات کی بنا پر قائم کیا ہے ہم صرف اپنے ہم مذہب شخصوں ہی کی رائے پیش نہیں کرتے بلکہ غیر قوم اور غیر مذہب کے نامدار اور محقق مورخوں کی شہادتیں بھی پیش کرسکتے ہیں -

جناب سیّد فرماتے ہیں کہ " جو لڑائیاں آنحضرتؐ کے زمانہ میں ہوئیں وہ چار طرح پر ہوئی تھیں - **یا تو** دشمنوں (۱) کے حملہ کے روکنے اور اُن کے حملوں کے دفع کرنیکے لیئے تھیں **یا** دشمنوں (۲) کا ارادہ لڑنے اور حملہ کرنے اور لڑائی کے لیئے لوگوں کے جمع کرنے کی خبر پاکر اُس فساد کے مٹانے اور اُن لوگوں کے منتشر کرنیکے لیئے ہوئی تھیں - **یا** اُن (۳)

لوگوں پر حملہ کیا گیا تھا جنہوں نے عہد شکنی یا دغا بازی یا بغاوت کی تھی

یا خبر رسانی اور ملک کے اور قوموں کے حالات دریافت کرنیکو

جو لوگ بھیجے جاتے تھے اُن سے لڑائی ہوگئی تھی۔

پس یہہ تمام لڑائیاں ایسی تھیں جو معمولاً ملکی انتظام میں اور امن و امان کے

قائم کرنے میں واقع ہوتی ہیں اور دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے کہ جب

ملکی انتظام ہاتھ میں لیا ہو اور اُسکو اس قسم کی لڑائیاں نہ پیش آئی ہوں۔ ان لڑائیوں

کی نسبت یہہ کہنا کہ زبردستی سے ہتھیاروں کے زور سے مسلمان کرنیکے

لیئے تھیں ایک ایسا غلط قول ہے جسکو کوئی ذیعقل بجز اسکے جسکے دل میں

تعصب بھرا ہو سچ تسلیم نہیں کر سکتا۔ یہہ سچ ہے کہ جب قوم کی کسی ملک میں

سلطنت اور حکومت ہو جاتی ہے۔ قدرتی طور پر اُس قوم کے مذہب کو

اور نہ صرف مذہب کو بلکہ رسم و رواج و عادات و اطوار کو ترقی ہوتی ہے

اور لوگ اُس طرف مائل ہو جاتے ہیں اور یہہ مقولہ کہ "الملك والدين توامان"

ہر ایک قوم اور ہر ایک مذہب پر صادق آتا ہے۔ اسیطرح اسلامی حکومت

کے سبب اُسی قدرتی قاعدہ سے اسلام کی ترقی کو بھی مدد پہنچی۔ مگر ان

لڑائیوں کو جو ملکی ضرورت اور امن قائم کرنیکے لیئے ہوئیں یہہ کہنا کہ

"وہ اسلام پھیلانیکے لیئے اور بجبر ہتھیاروں کے زور سے اسلام

قبلوانیکے لیئے تھیں" محض غلط ہے۔ بلکہ صرف اسلام ہی کی تاریخ میں

ایک نہایت عجیب واقعہ پایا جاتا ہے جو اور کسی مذہب کی تاریخ میں نہیں

ہے کہ فاتح قوم نے فتح کامل حاصل کرنے اور استقلال کامل پانیکے بعد اپنی

مفتوح قوم کا دفعتاً مذہب اختیار کر لیا ہو۔ مذہب اسلام میں کوئی ایسی
بات نہیں ہے جو مفتوح ملک کے باشندوں کی مذہبی آزادی کی مانع ہو۔
جزیہ جو ایک قسم کا ٹیکس ہے اُسکی نسبت ہم بیان کر چکے ہیں کہ مسلمانوں سے بہ نسبت اُسکے بہت
زیادہ ٹیکس لیا جاتا تھا جو زکات کے نام سے موسوم ہے اور اسلیے
مسلمان سلطنت میں غیر مذہب والے مسلمانوں کی بہ نسبت زیادہ
آسودہ حال اور دولتمند رہتے تھے۔ اور لڑائی میں شریک ہونیکی مصیبتوں سے
بالکل محفوظ تھے۔ تسلیم کیا جائے کہ بعض مسلمان بادشاہوں نے غیر مذہب والوں
پر ظلم کیا اور اُنکی مذہبی آزادی کو برباد کر دیا۔ مگر ایسا کرنا اُنکا ذاتی فعل تھا جسکے
وہ خود ملزم ہیں نہ مَذھَبِ اِسلَام۔ بلاشبہ آنحضرتؐ نے فتح مکہ کے
بعد قوم عرب کے بتوں کو توڑ دیا مگر اس بت شکنی کی نظیر محمود غزنوی
یا عالمگیر کی یا اور کسی بادشاہ کی بت شکنی کی نہیں ہو سکتی۔

کعبہ ایک مسجد تھی حضرت اِبراہیم کی بنائی ہوئی خدائے واحد کی
عبادت کے لیئے۔ اُسکے بعد جب عرب بت پرست ہو گئے تو اُس
مسجد میں اُنہوں نے بت رکھدیئے تھے جنکا برباد کرنا اور دینِ ابراھیم
کا اُسمیں جاری کرنا ابراھیم کے پہلوٹے بیٹے کے بیٹے کو لازم تھا
قوم عرب جسکا غالب حصہ ابراھیم کی نسل سے تھا اور جس قوم و نسل
میں خود آنحضرتؐ بھی تھے۔ اُس قوم کو بتوں کی پرستش سے چھڑانا اور
ابراھیم کے خدا کی پرستش سکھانا ضرور تھا۔ پس آنحضرتؐ نے خود اپنی
قوم کے بت توڑے تھے اُس سے دیگر اقوام کے مذہب کی آزادی

ضایع کرنا لازم نہیں آتا۔

مسلمانوں کی تاریخ میں جہاں بُت شکنی اور غیر مذہب کے معبدوں کے برباد کرنے کی مثالیں ملتی ہیں اُسی طرح ہزاروں مثالیں اُسکے برخلاف بھی موجود ہیں [۵۱] مسلمانوں کی سلطنت دُنیا کے بہت بڑے وسیع حصہ میں پھیلی ہوئی تھی۔ اُنکی حکومت میں مخالف مذہب کی قومیں رہتی تھیں تمام سنگاک [مسیحیوں] اور تمام گرجے جو زیادہ تر دُوسرے لیتھلث مذہب کے تھے برابر قربانی در گھنٹے بجاتے تھے۔ تمام مُلک میں ناقوس کی آواز گونجتی تھی [۵۲] معبدوں میں بُت موجود تھے۔ ہر ایک قوم اپنے مذہب میں آزاد تھی لیکن تمام حالات کو جو نہایت کثرت سے تھے بھول جانا اور چند واقعات مذہب کے برخلاف شخصی طبیعت سے واقع ہوئے ہیں نظیر میں پیش کرکے یہہ کہنا کہ اسلام نے مذہبی آزادی کو مٹایا تھا محض ناانصافی ہے اور اصول مذہب اسلام کے بالکل برخلاف ہے۔

---

۵۱ مخالفین اسکی اگر کوئی نظیر رکھتے ہوں تو پیش کریں کہ خلیفہ عمر ابن عبد العزیز اموی نے دمشق کے عامل کو فرمان بھیجا کہ "ولید [خلیفہ] نے گرجے کو توڑ کر مسجد میں جو شامل کر لیا تھا وہ ڈھا دیا جاوے اور عیسائیوں کو اجازت دیجاوے کہ وہاں پھر اپنا گرجا بنائیں"

دیکھو فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۱۲۵ مؤلف عفی عنہ

---

۵۲ دولت عباسیہ کے عہد میں خاص دارالخلافت بغداد میں دیر الروم دیر الشمونی دیر الثعالب - دیر درتا دیر درمالس دیر سمالو - دیر عذاری - دیر العاصیہ - دیر الزریقیہ دیر الزندورد نامی کئی بڑے بڑے اور عالیشان گرجے موجود تھے - دیکھو معجم البلدان - ذکر بغداد مؤلف عفی عنہ

رہی یہہ بات کہ "انبیا کو اس قسم کی لڑائیاں کرنی زیبا ہیں یا نہیں" اس سے انکار اور اُسکو نازیبا قرار دینا قانون قدرت کے برخلاف ہے تمام انبیا جبکہ قوم کی اصلاح اور اُنکے مذہب کی درستی کو کھڑے ہوتے ہیں تو ابتدا میں عموماً اُنکے دشمن چاروں طرف ہوتے ہیں - اگر وہ اپنی حفاظت اور مخالفوں سے محفوظ رہنے کی کوشش نکرتے تو دنیا میں نہ آج یہودی مذہب کا وجود ہوتا اور نہ کسی اور مذہب کا اور نہ عیسائی مذہب کا اگر بعد حضرت مسیح کے اُسکے لیے ایسا زمانہ نہ آتا جس میں اُسکے پیرؤں کی مخالفوں سے حفاظت کی گئی اور بزور حکومت اُسکو ترقی دیگئی ہے[۱] قرآن مجید میں نہایت عمدہ اور بالکل سچ بات خدا نے فرمائی ہے - " وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوٰتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيرًا " یعنی "اگر نہوتا دفع کرنا اللہ کا آدمیوں کو ایک کو دوسرے سے تو ضرور ڈھائی جاتیں عیسائی درویشوں کی خانقاہیں اور گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جنمیں کثرت سے خدا کا ذکر کیا جاتا ہے"

پس یہہ کہنا کہ انبیا کو ایسی لڑائیاں نازیبا ہیں ایک ایسا قول ہے جسکو قانون قدرت مردود کرتا ہے - لوگ حضرت موسیٰ کے کاموں کو تو بھول جاتے ہیں اور غریبی اور مسکینی اور مظلومی کی مثال میں حضرت مسیح

---

[۱] جیساکہ قسطنطین اعظم اور شارلمین وغیرہ شہنشاہوں نے اپنے اپنے زمانہ کے پوپوں کے فتوؤں کے موافق کیا - مؤلف عفی عنہ

کو پیش کرتے ہیں - گر حضرت مسیح نے جب اپنے تئیں خلقت کے سامنے پیش کیا - اُسوقت سے حضرت مسیح کی وفات تک نہایت قلیل زمانہ قریب تین برس کے گزرا تھا - اور صرف ستر آدمی کے قریب اُن پر ایمان لائے تھے - اُنکو مطلق ایسی قوت جس سے وہ اپنے دشمنوں کو دفع کرسکیں حاصل نہیں ہوئی تھی اور اسی سبب سے کالوری کی پہاڑی پر وہ افسوسناک واقعہ وقوع ہوا اُسکے بعد اگر اُسکے ایسے حامی نہ پیدا ہوجاتے جو دشمنوں کو دفع کرسکتے تو آج دُنیا میں ایک بھی گرجا اور ایک بھی خانقاہ نہ دکھائی دیتی - علاوہ اسکے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روحانی بادشاہی کے ساتھ دُنیاوی سلطنت کے انتظام میں داخل ہوجانے میں ایک بہت بڑی مجبوری تھی عرب میں بادشاہت کا وجود نہ تھا - ہر ایک قبیلہ کا سردار اُنکا حاکم ہوتا تھا اور جسکو سب لوگ بڑا سمجھتے تھے اُسکو مجبوری افسر بنانا اور تمام ملکی انتظام کرنا لازم تھا - جبکہ تمام قبائل رفتہ رفتہ مسلمان ہوگئے تو امکان سے خارج تھا کہ وہ لوگ سوائے آنحضرت کے اور کسی کو اپنا سردار تسلیم کرتے اور تمام معاملات ملکی بجز آنحضرت کے حکم کے تعمیل پاتے پس ہر بات پر انصاف سے غور کرنا چاہیئے نہ تعصب سے کیا یہ انسانیت اور رحم کی بات نہیں ہے؟ کہ لاچار بے بس مسلمان مرد اور عورتوں اور بچوں کو کافروں کے ظلم سے بچایا جائے - اور اُنکی فریادرسی کے لیئے ہتھیار اُٹھایا جائے - کون شخص ہے جو اس لڑائی کو ناواجب کہہ سکتا ہے " انتہے قولہٗ

مسٹر اڈورڈ گبن اپنی مشہور و معروف تاریخ میں لکھتے ہیں کہ " فطرت الٰہیہ

کی رُو سے ہر ایک شخص کا حق ہے کہ ہتھیاروں کے ذریعہ سے اپنی جان و مال کی حفاظت کرے۔ اپنے دشمنوں کے ظلم و تشدّد کو بزور دفع کرے یا روکے اور اُنکے ساتھ عداوت کو انتقام کی ایک حد مناسب تک وسعت دے۔ عربوں کی آزاد سوسائٹی میں کیا بلحاظ رعایا ہونیکے اور کیا بلحاظ ایک شہر کے باشندوں کے باہمی برتاؤ کے لوگوں کے فرایض میں ایک ضعیف سی روک تھی۔ اور محمدؐ اپنے ہموطنوں کی ناانصافی سے اپنی رسالت کی بجاآوری سے جو بالکل صلح آمیز اور خلایق کی خیر اندیشی پر مبنی تھی محروم کیا گیا اور جلا وطن کیا گیا تھا ایک خودمختار قوم کی قبولیت نے مکّہ کے اِس پناہ گیر کو بادشاہ کے درجہ پر پہنچا دیا اور اُسکو واجب طور پر لوگوں کے ساتھ معاہدت کرنے اور مخالفوں کے حملوں کو دفع کرنے یا اُنپر حملہ آور ہونیکا حق حاصل ہوگیا "

پھر ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ " عقلِ خیر اندیش یقین کر سکتی ہے کہ محمدؐ کی اصلی غرضیں خالص اور خلایق کی سچّی بہی خواہی کی تھیں۔ مگر ایک انسانی پیغمبر سے یہہ نہیں ہوسکتا کہ وہ ایسے ہٹیلے کافروں کی برداشت کرے جو اُسکے دعوؤں کا انکار اور اُسکی دلیلوں کی تحقیر کریں اور اُسکی جان کو ایذا دیں۔ وہ اپنے ذاتی دشمنوں کو تو معاف کر سکتا ہے مگر خدا کے دشمنوں سے واجب طور پر عداوت رکھ سکتا ہے* پس اپنی عظمت و علو مرتبت [بوجہ رسول خدا ہونیکے] اور

* بخاری اور مسلم نے بالاتفاق اُمّ المومنین عائشہ کی سند پر یہہ روایت کی ہے " مَا انْتَقَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهٖ فِيْ شَيْءٍ قَطُّ اِلَّا اَنْ يُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهَ بِهَا [مشکوٰۃ] یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

انتقام کے نہایت پُرزور جذبات محمد کے سینہ میں مشتعل ہوئے اور اُسنے نینوا کے نبی [یونس علیہ السلام] کی طرح آہ سرد بھر کر اپنے مخالفوں کی بربادی اور تباہی کے لیئے جنکو وہ تقصیر وار ٹھہرا چکا تھا دعا مانگی۔ اگرچہ اہل مکہ کی بے انصافی اور مدینہ والوں کی پذیرائی نے اس ایک شہر کے رہنے والے کو بادشاہ اور مسکین واعظ کو امیر افواج بنا دیا مگر انبیا و اولیاے سابقین کے جدال و قتال کی مثال نے اُسکی تلوار کو مقدس یعنی بے الزام بنا دیا تھا۔ اور ممکن ہے کہ وہی خدا جو گنہگاروں کو وبا اور زلزلہ کے ساتھ سزا دیتا ہے اُنکے مسلمان بنانے یا عذاب دینے کے لیئے اپنے بندوں کے دل میں دلیری اور دلاوری القا فرمائے"

یہہ نامور مورخ یہہ بھی لکھتا ہے کہ "[فریقہ اور ایشیا کے لکھوکھا] نومسلموں جنھوں نے عرب کے مسلمانوں کی تعداد بڑھا دی ایک خدا اور اُسکے رسول پر ایمان لانے میں فریفتہ ہو گئے تھے۔ یہہ نہیں کہ زیر کچھ دباؤ تھا۔ کلمہ پڑھنے یا ختنہ ہو جانیسے رعیت یا غلام۔ قیدی یا مجرم ایک لمحہ میں اپنے فتحیاب مسلمان کا ہمسر اور آزاد رفیق بنگیا۔ ہر ایک گناہ دور ہوا۔ نکاح نہ کرنیکا عہد فطری عنایت سے جاتا رہا۔ قواے شہوانی جو صومعوں میں پڑی سوتی تھیں [یعنی بوجہ تجرد و رہبانیت] اہل حجاز کے ڈھول سے چونک پڑیں۔ اور معاملات دُنیا میں نئے مجمع کا ہر ایک

حاشیہ: اپنے کسی ذاتی گناہ کا کبھی بدلہ نہیں لیا۔ مگر حرمت الٰہیہ کا ہتک ہوتا تھا تو ضرور خدا کے لیئے اُسکا بدلہ لیتے تھے۔ مؤلف عفی عنہ

شخص اپنی لیاقت اور حوصلے کے موافق اعلیٰ شرف پر پہنچگیا"۔

یہی مورخ یہہ بھی لکھتا ہے کہ "مسلمانوں کی لڑائیوں کو اُنکے پیغمبر
نے مقدس قرار دیا تھا مگر اُسنے جو اپنی حیات میں مختلف نصیحتیں کیں اور نظیریں
قائم کیں اُنکے خلیفوں نے دوسرے مذہب کو آزادی دینے کی
نصیحت پائی جس سے اِسلام کے غیر معتقدوں کی مخالفت رفع ہوجا
ئے ملکِ عرب محمّد کے خدا کی عبادتگاہ اور اُسکا مملوک تھا مگر وہ
دنیا کی قوموں کو محبّت سے اور بہت کم رشک سے دیکھتا تھا۔ بہت سے
دیوتاؤں کے ماننے والے اور بت پرست جو اُسکو نہ مانتے تھے شرعاً
نیست و نابود کیئے جا سکتے تھے [یعنی ممکن تھا کہ انکا نیست و نابود کیا جا
شرعاً جائز قرار دیا جاتا] مگر انصاف کے فرایض سے نہایت عاقلانہ
تدبیر اختیار کی گئی۔ ہِندوستان کے مُسلمان فتحمندوں نے بعض
کام دوسرے مذہب کی آزادی کے برخلاف کرنیکے بعد اُس مرتاض
اور آباد ملک کے مندروں کو چھوڑ دیا ہے۔ اِبْرَاہِیم اور مُوسیٰ اور
عیسٰی کے معتقدوں سے سنجیدگی کے ساتھ استدعا کی گئی کہ وہ محمّد
کے الہام کو جو زیادہ تر کامل ہے قبول کریں۔ لیکن اگر اُنھوں نے نہ مانا
اور ایک معتدل خراج یعنی جزیہ دینا قبول کرلیا تو وہ اپنے عقیدہ میں
اور مذہبی پرستش میں آزادی کے مستحق تھے "۱ انتہےٰ قولہ۔

مسٹر طامس کارلایل لکھتے ہیں کہ " اب تک محمّد نے اپنے
مذہب کی اشاعت کے لیئے صرف وعظ و تلقین کا طریقہ اختیار کیا ہوا

لیکن اب جو بُرے طور پر اُسکو وطن سے نکالا گیا اور نا منصف لوگوں نے نہ صرف اُسکے سچے پیغام آسمانی کے سُننے میں جو اُسکے دل کی ایک نہایت گہری چیخ تھا بے پروائی ظاہر کی بلکہ خاموشی اختیار کرنے کی حالت میں اُسکی جان کے خواہاں ہو گئے - تو اُس جنگل کے رہنے والے نے ایک عرب اور جوانمرد شخص کی طرح اپنے کو بچانا چاہا - اُسنے خیال کیا کہ اگر قریش کی یہی مرضی ہے تو اچھا یُوں ہی سہی - جو پیغام قوم قریش اور تمام انسانوں کے لیئے نہایت اہم تھے اُنہوں نے اُنکے سُننے سے انکار کیا اور ظلم و ستم اور آہن و قتل کے ذریعہ سے اُنکو ملیامیٹ کر دینا چاہا تو لوہے کا مقابلہ لوہے سے کرنا پڑا - چنانچہ محمدؐ کو دس برس جنگ و جدال اور سخت محنت اور انتہائی کشمکش میں گزرے - اور اسکا نتیجہ جو کچھ ہوا اُس سے ہم سب آگاہ ہیں -

اِس امر کی نسبت کہ محمدؐ نے اپنا مذہب "تلوار کے ذریعہ سے پھیلایا بہت کچھ کہا گیا ہے - اور بیشک جس بات کا ہمکو عیسائیت کی نسبت فخر ہے وہ بہت کچھ واجب الاحترام ہے - یعنی یہہ کہ اُسنے چُپ چاپ طور پر وعظ اور سامعین کے دل میں یقین پیدا کرنیکے ذریعہ سے اپنے تئیں پھیلایا - لیکن باینہمہ اگر ہم اِسکو کسی مذہب کی حقیقت یا بطلان کی دلیل قرار دیں تو بڑی سخت غلطی ہے ! تلوار سہی - مگر وہ تلوار کہاں سے جائیگی - ہر ایک نئی رائے شروع میں صرف ایک ہی رائے کا حکم رکھتی ہے اور ابھی ایک ہی شخص کے دل میں اُسکی جگہہ

ہوتی ہے - اور تمام دنیا میں ایک ہی آدمی اسکا معتقد ہوتا ہے - اور
اِس طرح پر گویا ایک شخص کل بنی آدم کے خلاف میں ہوتا ہے - پس اگر
وہ تن تنہا تلوار پکڑے اور اُسکے ذریعہ سے اپنا مذہب پھیلانا چاہے
تو وہ کیا کر سکتا ہے - اسیلئے ضرور ہے کہ تم پہلے تلوار حاصل کرو [یعنی
تلوار پکڑنے والے معتقد بہم پہنچاؤ] الغرض ایک شخص جس طرح اُس سے
ممکن ہو اپنے تئیں پھیلائیگی - حتیٰ کہ عیسائیت نے بھی جب کبھی وہ
اُسکے ہاتھ لگ گئی تلوار سے ہمیشہ نفرت ظاہر نہیں کی - مثلاً شارلمین
نے سکسن قوم کو صرف وعظ ہی کے ذریعہ سے عیسائی نہیں بنایا تھا
- میں تلوار وغیرہ کی کچھ پروا نہیں کرتا اور اجازت دیتا ہوں کہ ایک شئے
جس طرح ممکن ہو اپنے تئیں اس جہان میں پھیلائے - زبان سے خواہ
تلوار سے - خواہ کسی اَور اوزار سے جو اُسکے پاس ہو - یا وہ اُس کو
کہیں سے بہم پہنچا سکے "

مسٹر گاڈفرے ہیگنس اپنی کتاب کے ایکسو پانچویں فقرہ میں
یہہ لکھکر کہ " یہہ خیال کرنا ایک بہت بڑی غلطی ہے کہ " دین محمدی
صرف بزور شمشیر پھیلا ہے " پھر ایکسو ساتویں اور ایکسو آٹھویں فقرہ میں
یہہ لکھتے ہیں کہ " اہلِ حجاز پر تاتاریوں کا پہلا حملہ آٹھویں صدی کے اخیر
پر ہوا - وہ لوگ مُلک شمال سے جو مابین بحیرہ کاسپیان اور بحیرۂ اسود
کے واقع ہے آئے - یہہ لوگ اُسوقت " دین محمدی " نہ رکھتے تھے - مگر
انہوں نے تھوڑے ہی عرصہ بعد اِن مغلوب اہلِ حجاز کا مذہب اختیار

کرلیا۔ اِن قصیابوں کے اِس تبدیل مذہب سے وہ الزام جو خیال کیا ہوا کہ "دینِ اسلام کی کامیابی بزورِ شمشیر ہوئی ہے" نہایت عجیب و غریب طرح پر باطل ہوتا ہے۔ کیونکہ یہاں سے خوب ثابت ہوتا ہے کہ دینِ اسلام میں صرف وہی لوگ داخل نہیں ہوئے جو اُسنے زیر کیے۔ بلکہ وہ لوگ بھی داخل ہوئے جنہوں نے مسلمانوں کو مغلوب و مطیع کیا" پھر فقرہ ایکسو اٹھاون[152] میں لکھتے ہیں کہ "جب عیسائی پادری بیان کرتے ہیں کہ "محمدؐ کے مسائل کی کامیابی صرف بوجہ شمشیر ہوئی ہے تو ظاہرا وہ علت کو بجائے معلول کے بولتے ہیں۔ کیونکہ تلوار چلانیکی علت ہاتھ کی حرکت ہے۔ اور ہاتھ کی حرکت کا باعث حرارت دینی ہے جس سے انکی فتح ہوئی اور حرارت دینی کا موجب وہ پختہ اعتقاد ہے جو محمدؐ کے مسائل کی صداقت پر انکو تھا۔ اُن ایمان والوں کے لیئے جو حضرت خدائے یکتا کی رضاجوئی اور اپنے پیغمبر کی حفاظت میں جان دیتے تھے بہشت اور زمانہ حال و استقبال کی خوشی اور وہ بھی ایسی جو ہمیشہ کے لیئے تصور کیجاتی تھی تو اس صورت میں یہہ کیسا نامعقول اور غیر مفید امر ہے کہ تمام خطروں سے خوف نہ کھا کر اس جلیل القدر انعام کو حاصل نکریں اور اس ثواب کی قدر کو اپنی کوششوں سے نہ بڑھائیں خاصکر اُس صورت میں جبکہ معلوم ہے کہ اجل ہر شخص کی معین کردی گئی ہے۔ اور دنیا کی پیدایش سے پیشتر انکی تحریر ہو چکی ہے جسکو کوئی شئے نہ روک سکے نہ ٹال سکے۔ بستر پر خواہ معرکہ میں ضرور ایک آدمی اُسی طرح پر مریگا جیسا کہ لکھدیا گیا ہے نہ احتیاط

ماہے خوف کی وجہ سے - حرارت دینی

کی وجہ سے وہ حکم تبدیل ہونے

معروف ہے اور محمدؐ کے معاملہ میں معلوم ہوتا

کی عالمگیر خاصیت بخوبی

ای - دیکھو شہر مدینہ قبل اس کے کہ محمدؐ

کہ وہ عجیب طور پر ظاہر ہوگی

اسلئے یہہ فتح تلوار کے زور سے نہیں کہی جا سکتی

تلوار کھینچے فتح ہوگیا تھا

تین آدمی تھے - دنیا کی فتح آغاز کرنیکے لئے یہہ

اسکی پہلی مہم میں صرف

فوج تھی - اسکی دوسری مہم میں تین سو تھے اور اس

ایک نہایت تھوڑے

سے خواہ فتح ہوئی یا شکست . معلوم ہوتا ہے کہ اسکے

طرح ہر ایک لڑائی

بڑھتی گئی - شاید لوگ یوں کہینگے کہ یہہ ایک معمولی بات ہے

سپاہیوں کی تعداد

لڑنے کے سپاہیوں کی تعداد بڑھجایا کرتی ہے - یہہ بہت صحیح

کہ فتح سے سپہ

نے ان لوگوں کو اپنی فوجوں میں بھرتی نہیں کیا جو اسکے مذہب

ہے - مگر محمدؐ

پر بھی اعتقاد نہ لائے - یعنی زبان سے کلمہ " لا الٰہ الا اللہ

پر ادنی درجہ کا

محمد رسول اللہ " نہ کہا اور یہہ کلمہ ایسا سادہ اور صاف ہے کہ جسکا سمجھنا

مشکل نہ تھا - مگر معلوم ہوتا ہے کہ محمدؐ کے پیرووں کی

یا یاد رکھنا تھا

کی تعداد کے ساتھہ ہی بڑھی اور یہہ کہ اسکے خلیفوں کی بڑی

حرارت

صف [جو کہ ہر فتحیاب کے لئے مرغوب ہے] انہیں کمالات

فوجوں میں

تھا جیسا کہ خود محمدؐ کی چھوٹی چھوٹی فوجوں میں تھا ظاہر بات

کے ساتھہ

ہے ہر ایک فتح سے مذہب پاک کے واعظوں کو [جنمیں سے ہر ایک

یہہ بھی

سپاہی تھا] اپنی لیاقت آزمائی کا نیا موقع اور نہایت عمدہ میدان مشق

سپاہی

کے لئے ملگیا تھا "

یہہ محقق مورخ یہہ بھی لکھتا ہے کہ " کو

ت ایسی عام نہیں ہے

جیساکہ عیسائی پادریوں کی زبانی مذہب اسلام

کی مذمت اسوجہ سے

سننے میں آتی ہے کہ " اُسمیں تعصب زیادہ

ہے اور اُسمیں دوسرے

مذہب کو آزادی نہیں ہے" یہہ عجیب زعم اور محض

ں ریاکاری ہے -

وہ کون تھا؟ [عیسائی] جسنے میکسیکو او

پیرو کے لاکھوں

باشندوں کو قتل کیا تھا! اور اُن سکو بطور غلام

کے دیدیا تھا - اسوجہ

کہ وہ عیسائی نہ تھے - مسلمانوں نے بمقابلہ اُسکے

یونان میں کیا کیا؟

یہہ - کہ کئی صدیوں سے عیسائی امن وامان کے سا

تھ اپنی ملکیت پر

قابض چلے آتے ہیں اور اُنکے مذہب - اُنکے پادریوں

اُنکے بشپ

اُنکے بزرگوں اُنکے گرجاؤں کی نسبت دست اندازی ہ

نہیں کی گئی -

جو لڑائی بالفعل [یعنی جولائی ۱۸۲۹ء زمانہ تحریر کتاب]

یونانیوں اور

ترکوں میں ہو رہی ہے وہ بہ نسبت اُس لڑائی کے جو جا

وال میں ڈیمرارا

کے حبشیوں اور انگریزوں میں ہوتی تھی کچھ زیادہ مذہب کی

جہت سے نہیں

ہے - یونانی اور حبشی اپنے فتحمندوں کی اطاعت -

ادا ہوا چاہتے

ہیں - اور اُن کا ایسا کرنا واجب ہے - جب خلیفہ فتح

ہوتے تھے

اور وہاں کے باشندے مسلمان ہوجاتے تھے تو فو

سابہ فتحمندوں کے

برابر ہوجاتا تھا - ایک نہایت دانشمند مگر غیر معتقد عالم نے سا

بیین یعنی

اہل حجاز مسلمانوں کے ذکر میں بیان کیا ہے کہ " وہ کسی شخص کو ا

انہیں

دیتے تھے اور یہودی اور عیسائی سب اُن میں خوش وخرم

تھے "

لیکن اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ مؤرخ [ملک بربر کے ۔ ہنے والے مسلمان
جانڈلس مُجر ہیں تھے] اس وجہ سے جلا وطن کیئے گئے تھے کہ وہ عیسائی
مذہب قبول نہیں کرتے تھے ۔ مگر مجھکو گمان ہے کہ اسکا سبب اور ہی
تھا یعنی میں خیال کرتا ہوں کہ وہ اپنی لیاقوں سے عیسائیوں پر اسقدر زبردست
آگئے تھے کہ جاہل راہب سمجھتے تھے کہ انکی دلیلوں کا جواب حضرت
مذہبی عدالت " سے سزا دینے اور جلا وطن کرنے کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا ہے
اور مجھکو کچھ شبہ نہیں ہے کہ جہانتک انکی بالفعل قوت جواب دینے
کے باب میں تھی وہانتک انکا یہ خیال صحیح تھا ۔ جن ملکوں کو خلیفہ فتح
کرتے رہے وہاں کے غریب باشندے خواہ یونانی خواہ ایرانی
خواہ اسپین کے رہنے والے خواہ ھندو قتل نہیں کیئے جاتے
تھے جیسا کہ عیسائیوں نے بیان کیا ہے بلکہ فتح ہوتے ہی وہ سب
با من وامان اپنی ملکیت اور اپنے مذہب پر قابض چھوڑ دیئے جاتے تھے اور
اس تحفظ کے حق کی بابت ایک محصول دیتے تھے جو اسقدر خفیف ہوتا تھا جو
کسی کو گراں نہیں معلوم ہوتا تھا * خلفا کی تمام تاریخ میں کوئی بات ایسی نہیں
مل سکتی جو ایسی رسوائی کا باعث ہو جیسے کہ [عیسائیوں میں] مذہبی
عدالت " سے سزا دینا تھا اور نہ ایک مثال بھی اس بات کی پائی جاتی
ہے کہ کوئی شخص اپنا مذہب نہ چھوڑنیکے سبب جلا وطن کیا گیا ہو نہ مجھکو یہ یقین
ہے کہ زمانہ امن میں صرف اس وجہ سے قتل کیا گیا ہو کہ اُسنے مذہب اسلام

* اسمیں کسیقدر غلطی ہے جیسا کہ ہم جزیہ کی بحث میں تفصیل بیان کر آئے ہیں مؤلف عفی عنہ

قبول نہیں کیا - اسمیں کچھ شک نہیں ہے کہ پچھلے مسلمان فتحمندوں نے اپنی فتوحات میں بڑی بڑی بیرحمیاں کی ہیں جنکا الزام عیسائی مصنفوں نے بڑی جد و جہد سے مذہب اسلام پر لگایا ہے مگر یہہ واجب نہیں ہے درحقیقت مذہبی تعصب کے باعث لڑائی کی خرابیاں زیادہ ہوگئیں مگر اس بات میں مسلمان فتحمند کچھ عیسائیوں سے زیادہ برے نہ تھے - تلوار کے میان میں ہوتے ہی مصیبت کی انتہا ہوجاتی تھی قرآن میں ہے

" [۱] وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۝ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۝ [۲] لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ " [۳] " وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ " [۴] فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ۝ " کیا یہہ ایسا مذہب ہے جو تعصب کا مولد ہو - موسٰے نے اہل کنعان کے ساتھ اور سموئیل نے اگاگ [قوم عمالیق کا ایک بادشاہ تھا جو حضرت سموئیل نبی سے لڑا تھا] اور اہل جبیرل [یروشلیم کے قریب اہل کیطرف ایک بت پرست شہر تھا] کے ساتھ جو سلوک کیا اسکو پڑھو اور دونوں میں نسبت کرو " انتہے قولہ

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے محقق مولفین لکھتے ہیں کہ " بعض لوگ

بلا تامل یہہ کہہ دیتے ہیں کہ " محمد کی کامیابی کا سبب تلوار اور ایسی باتوں کا جائز کر دینا تھا جو شہوت پرستی کہلاتی ہیں " مگر لڑکر مذہب قبول کروانیکا تو ہم وہی جواب دیتے ہیں جو کارلائل نے دیا ہے یعنی " تلوار کے زور سے مذہب قبول کروانیسے پہلے ضرور ہے کہ تلوار حاصل کیجاے " محمد کی وفات کے بعد گو کتنا ہی جبر کے ساتھ اسلام غیر مذہب کی قوموں میں پھیلایا گیا ہو " کچھ شک نہیں کہ ظلم و ستم کا استعمال اسکی زندگی میں بالکل نہیں ہوا بلکہ ابتدا میں تلوار اُسکے خلاف میں تھی "

ایک آرٹیکل کے لکھنے والے نے اپنے آرٹیکل میں جو " عیسائیت اور اسلام " کے عنوان سے ایشیاٹک کوارٹرلی ریویو اکتوبر سنہ رواں [۱۸۸۹ع] میں چھپا ہے اس مسئلہ کی نسبت جسمیں ہم بحث کر رہے ہیں یہہ لکھا ہے **قولہ** " کہا جاتا ہے کہ اسلام میں عیسائیت کی سی فروتنی اور عجز و انکسار نہیں ہے - لیکن یہہ خیال کرنا ایک بہت بڑی غلطی ہے کہ وہ لوگوں کو مسلمان بنانے والے مذہب کے اعتبار سے ایک جابر اور ایذا رساں مذہب ہے بلکہ برخلاف اسکے عیسائیوں کی بنسبت مسلمانوں نے ہمیشہ بہت زیادہ تحمل کیا اور بردباری سے کام لیا ہے - کیونکہ اُنہوں نے نہ تو لوگوں کو ستا ستا کر اُنسے اپنا مذہب منوایا ہے - اور نہ اُن لوگوں کو جو مذہب کے اعتبار سے اُنسے مختلف ہوں زندہ آگ سے جلایا ہے - اور باوجودیکہ عیسائی سلطنتوں نے اپنی کُل رعایا کو انکا مذہب قبول کرنے پر مجبور کیا - اور اس طرح پر

متحد مذہب والی قومیں بنالیں۔ مگر مسلمان ہمیشہ اپنی رعایا کو آزادانہ اپنے مذہب پر قائم رہنے کی اجازت دیتے رہے۔ بلکہ حالیہ زمانہ میں بھی ترکوں اور مغلوں نے اپنے درمیان غیر مسلم آبادی کو قائم رکھا ہے"

مسٹر جان ڈیون پورٹ لکھتے ہیں کہ "اس بات کا خیال کرنا جیسا کہ بعضوں نے کیا ہے اور اب بھی کرتے ہیں نہایت ہی سخت غلطی ہے کہ قرآن میں جس عقیدہ کی تلقین کی گئی ہے اسکی اشاعت صرف بزور شمشیر ہوئی تھی۔ کیونکہ جن لوگوں کی طبیعتیں تعصب سے مبرا ہیں وہ بلا تامل اس بات کو تسلیم کرینگے کہ محمد کا دین [جسکے ذریعہ سے انسانو کے خون یعنی قربانی کے بدلے نماز اور خیرات جاری ہوئی اور جسنے عداوت اور دائمی جھگڑوں کی جگہہ فیاضی اور حسن معاشرت کی ایک روح لوگوں میں پھونک دی اور جسکا اس وجہ سے بالضرور ایک بہت بڑا اثر شایستگی پر ہوا ہوگا] مشرقی دنیا کے لیئے ایک حقیقی برکت تھا اور اسوجہ سے خاصکر اسکو ان خوں ریز تدبیروں کی حاجت نہ پڑی ہوگی جسکا استعمال بلا استثنا اور بلا امتیاز کے موسٰی نے بت پرستی کے نیست و نابود کرنے کو کیا تھا"

یہی مورخ یہہ بھی لکھتا ہے کہ "نائیسا کی کونسل میں یہہ امر واقع ہوا تھا کہ شہنشاہ قسطنطین اول نے پادریوں کی جماعت کو وہ اختیار دیا تھا کہ جس سے نہایت ہیبت ناک نتیجے پیدا ہوئے تھے جنکا خلاصہ

اُن چند سطروں میں موجود ہے -

"خوں ریزی اور بربادی اُن احمقانہ نو صلیبی جہادوں کی جو عیسائیوں نے قریب دو سو برس کے عرصہ تک ترکوں پر کیے تھے اور جنمیں کئی لاکھ آدمی ہلاک ہوئے - قتل کرنا اُن شخصوں کا جو اس عقیدہ کو نہیں مانتے تھے کہ انسان کا دوبارہ اِصطباغ ہونا چاہیے - لوتھر کے پیرووں اور رُومن کیتھلک مذہب والوں کا دریائے رائن سے لیکر انتہائے شمال تک قتل ہونا - وہ قتل جسکا حکم ہنری ہشتم اور اُسکی بیٹی [ملکہ] میری نے دیا تھا - فرانس میں سینٹ بارتھولومیو کا قتل ہونا! چالیس برس تک اور بہت سی خوں ریزیوں کا ہونا !!! فرانسس اوّل کے عہد سے ہنری چہارم کے پیرس میں داخل ہونے تک "عدالتِ مذہبی" کے حکم سے قتل کا ہونا! جو ابتک قابلِ نفرین ہے کیونکہ وہ عدالت کی رائے سے ہوا تھا! علاوہ اسکے اور بے انتہا بدعتوں کا اور اُن بیس برس کی خرابیوں کا تو کچھ ذکر ہی نہیں ہے جبکہ پوپ - پوپ کے مقابلہ اور بشپ - بشپ کے مقابلہ میں تھا! زہر خورانی اور قتل کی وارداتوں کا ہونا اور تیرہ چودہ پوپوں کی جرم لوٹ اور گستاخانہ دعوے جو ہر قسم کے گناہ اور عیب اور بدکاری میں جو ایک نیرو یا ایک گیلیگولا* سے نہایت فوق لیگئے تھے - آخرکار اس خوفناک فہرست کا خاتمہ ہونیکے لیئے ایک کروڑ بیس لاکھ [illegible] دُنیا کے

* دو شقی ترین قیاصرہ روم کا نام ہے - مؤلف عفی عنہ

باشندوں کا صلیب ہاتھ میں لیئے قتل ہونا!!! یقیناً یہہ بات تسلیم کرنی چاہیئے کہ ایک ایسا گروہ اور قریباً ایک غیر منقطع سلسلہ مذہبی لڑائیوں کا چودہ سو برس تک سوائے عیسائیوں کے اَور کہیں ہرگز جاری نہیں رہا - اور جن قوموں کی نسبت بُت پرست ہونیکا طعن کیا جاتا ہے اُنمیں سے کسی قوم نے ایک قطرہ خون کا بھی مذہبی دلائل کی بنا پر نہیں بہایا "

ایک مصنّف نے اپنے ایک آرٹیکل میں جو ایسٹ اور ویسٹ اخبار میں چھپا تھا † اور اُسکا عنوان یہہ تھا کہ " اسلام بطور ایک مُلکی نظام کے ہے " اسلام میں آزادی مذہب کی نسبت یہہ لکھا ہے کہ " حضرت محمدؐ ہی ایسا بانی مذہب تھا جو ایک دُنیوی بادشاہ بھی تھا اور سپاہی بھی تھا - اور یہہ دونوں قوتیں خاصکر اس لیئے تھیں کہ تشدد اور اولوالعزمی کو روکا جائے اور اولوالعزمی کی جانب وہ مائل تھا اور تلوار اُسکے اختیار میں تھی - اسیلئے خیال ہوتا ہے کہ جبکہ اُسنے مذہب کو دُنیوی حکومت کا وسیلہ قرار دیا اور اپنے معتقدوں کی طبیعتوں پر وہ غلبہ حاصل کیا جسکے سبب وہ لوگ شرع اور حق اُسی بات کو سمجھتے تھے جو وہ جاری کرنا چاہتا تھا تو چاہیئے کہ اُسکا مجموعۂ احکام شرعی اَور تمام مجموعوں سے مختلف ہو - بلکہ یہہ خیال ہوتا ہے کہ اُن احکامِ انصاف سے بھی مختلف ہو جو ہر ایک انسان کی طبیعت میں پڑے ہوئے ہیں - اب ہم اگر یہہ بات دیکھیں کہ اُسکے احکام کا مجموعہ ایسا نہیں ہے بلکہ اُسکے برخلاف یہہ دیکھیں کہ محمدؐ نے

† دیکھو خطبات احمدیہ صفحہ ۳۷۷ و ۳۷۸ خطبہ چہارم - مؤلف عفی عنہ

قومی معاملات میں حق رسانی اور فتح کرنے میں رحم اور حکمرانی کرنے میں

اعتدال اور سب سے مقدم دوسرے مذہب کی عدم مزاحمت کے

احکام قرار دیتے ہیں تو ہمکو یہہ بات تسلیم کرنی چاہیئے کہ محمد اپنے

ہمجنسوں میں ایسی ہی تعظیم کا استحقاق رکھتا تھا"۔

پھر اسی مصنف نے اسی آرٹیکل میں دوسرے مقام پر لکھا ہے

"اسلام نے کسی مذہب کے مسائل میں دست اندازی نہیں کی

۔کسی کو ایذا نہیں پہنچائی ۔ کوئی مذہبی عدالت" خلاف مذہب والوں کو

سزا دینے کے لیئے قائم نہیں کی ۔ اور کبھی اسلام نے لوگوں کے

مذہب کو بجبر تبدیل کرنیکا قصد نہیں کیا ۔ اسلام قبول کرنیسے لوگوں کو

فتحمندوں کے برابر حقوق حاصل ہوتے تھے ۔ اور مفتوحہ سلطنتیں ان

شرایط سے بھی آزاد ہو جاتی تھیں جو ہر ایک فتحمند نے ابتداے دنیا سے

محمد کے زمانہ تک ہمیشہ قرار دی تھیں"

اسی مصنف نے یہہ بھی لکھا ہے کہ" اسلام کی تاریخ میں

ایک ایسی خاصیت پائی جاتی ہے جو دوسرے مذہب کے غیر آزاد

رکھنے کے بالکل برخلاف ہے"

اسلام کی تاریخ کے ہر ایک صفحہ میں اور ہر ایک ملک میں

جہاں اسکو وسعت ہوئی دوسرے مذہب سے مزاحمت نکرنا پایا جاتا

ہے ۔ یہانتک کہ فلسطین میں ایک عیسائی شاعر لامارٹین نے

ان واقعات کی نسبت جنکا ہم ذکر کر رہے ہیں بارہ سو برس بعد علانیہ

یہہ کہا تھا کہ "صرف مسلمان ہی تمام روئے زمین پر ایک قوم ہیں جو دوسرے مذہب کو آزادی سے رکھتے ہیں"

اور ایک انگریز سیاح سلیڈن نے مسلمانوں پر یہہ طعن کیا ہے کہ "وہ حد سے زیادہ دوسرے مذہب کو آزادی دیتے ہیں"

لایق فایق مورخ مسٹر ہالم* اپنی تاریخ آئین سلطنت انگلستان کی جلد اول باب (۱۲) میں لکھتے ہیں کہ "دین اسلام بندگان خدا پر عرض کیا گیا مگر کبھی اُنسے جبراً نہیں قبول کرایا گیا - اور جس شخص نے اس دین کو بطیب خاطر قبول کرایا اسکو وہی حقوق بخشے گئے جو قوم فاتح کے تھے اور اس دین نے مغلوب قوموں کو اُن شرائط سے بری کر دیا جو ابتدائے خلقت عالم سے پیغمبر اسلام کے زمانہ تک ہر ایک فاتح نے مفتوحین پر قائم کئے تھے قوانین اسلام کے موافق ہر قسم کی مذہبی آزادی اور مذہب والوں کو بخشی گئی جو سلطنت اسلام کے مطیع و محکوم تھے لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ" دلیل بیّن اور برہان قاطع اس دعوے کی ہے - اسلام میں اور اہل مذاہب کو مذہبی آزادی بخشنے اور اُنکے ساتھ نیکی کرنیکا حکم ہے یہہ آیت کسی بے قابو مجذوب کی بڑ نہیں ہے نہ کسی حکیم فلسفی کا خیال خام ہے بلکہ یہہ اُس شخص کا قول ہے جو ایسی سلطنت کا بادشاہ تھا جو اپنی قدرت رکھتی تھی اور جسکا انتظام ایسا عمدہ تھا کہ جیسے اصول کو چاہتی نافذ کر سکتی تھی - دین میں بھی اور سیاست مدن میں بھی کسی ایک شخصوں اور

* دیکھو تنقید الکلام صفحہ ۱۸۷ مولف عفی عنہ

فرقوں نے مذہبی آزادی بخشنے کی ترغیب دی ہے - مگر اسکے عملدرآمد
کی تاکید صرف اسوقت تک ہے جبتک وہ خود بے قابو اور کمزور رہے
ہیں - لیکن شارع اسلام نے مذہبی آزادی کی صرف ترغیب ہی نہیں دی
بلکہ اُسکو احکام شریعت میں داخل کر دیا ہے - بندگان خدا پر لطف و شفقت
کرنیکا اصول ہر ایک قوم کے ساتھ برتا گیا جو صلح و محکوم اسلام ہوئی
اور ہر قوم سے اپنے رسوم و اعمال مذہبی کو بالاستحقاق بجالانیکا معاوضہ
کچھ برائے نام خراج لیا جاتا تھا - اور جب ایک خراج یا جزیہ طے ہو جاتا
تھا تو پھر اُس قوم کے عقائد دینی اور امور مذہبی میں مداخلت بیجا کرنا سراسر
خلاف شرع اور حرام مطلق سمجھا جاتا تھا "

میرے محترم دوست علامۂ عصر ڈاکٹر جی ڈبلیو لائٹنر صاحب
نے جنکے نام سے ہمارے اس ملک پنجاب کا بچہ بچہ واقف ہے
اپنے ایک آرٹیکل میں جسکا عنوان "جہاد" تھا - اور اکتوبر ۱۸۸۶ء کے
رسالہ "ایشیاٹک کوارٹرلی ریویو" میں چھپا تھا لکھا ہے کہ "اصل یہہ ہے
کہ قرآن کی جو سورتیں مکہ میں نازل ہوئی تھیں اور جو مدینہ میں نازل
ہوئیں اُنمیں باہم ایک حقیقی امتیاز ہے - چنانچہ پہلی سورتیں تو ایک ایسے
شخص کا کلام ہے جو بطور ایک سچے نبی کے بلا لحاظ دنیاوی خیالات
کے لوگوں کو اپنے گناہوں سے پشیمان ہونے اور با خدا زندگی بسر کرنے
کی تلقین کرتا ہے - لیکن جو سورتیں مدینہ میں نازل ہوئیں اُن میں ہم
لامحالہ دنیاوی خیالات کو غالب پاتے ہیں اور یہہ دیکھتے ہیں کہ

اِسلام خاص اپنے وجود کے قائم رکھنے کے لیئے ایک کشمکش میں پڑا ہوا ہے - اور اُسکو نہ صرف اپنے پیرووں کے لیئے قوانین (احکام مذہبی) بنانے کی ضرورت ہے بلکہ ایک نظام جنگی کا کام بھی مع اُن امور کے درپیش ہے جو اُسکے محرک یا اُسکے قائم ہونیکے بعد اُسکا نتیجہ ہوتے ہیں - پس ظاہر ہے کہ جو ہدایتیں لڑنے والوں کو دیجائیں یا ایک مجموعہ قوانین میں درج ہوں وہ بالضرور ایک ایسے کلام سے مختلف ہونی ہی چاہئیں جسمیں خدا سے بخشش اور نجات کی طلبگاری کی گئی ہو - جہاد با لکفار کو اُسکے متعارف معنوں کے لحاظ سے ٹھیک جائز یا ناجائز سمجھنا اُن حالات وقت کے مدنظر رکھنے پر موقوف ہے جنمیں وہ احکام خاص دیئے گئے تھے - چنانچہ ہمکو اس بات کے کہنے میں کچھ تامل نہیں ہے کہ اسلامی کتب مقدسہ کے ایک بے تعصبانہ مطالعہ سے ہر ایک شخص یہی نتیجہ نکال سکتا ہے کہ وہ تمام لوگ جو ایک خدا کو مانتے اور اعمال صالحہ بجالاتے ہیں نجات پائینگے - اور فی الواقع اُن لوگوں کی تمام دلیلیں ڈھئی جاتی ہیں جو اس بات پر قائم ہیں کہ جہاد کا مقصد تلوار کے ذریعہ سے اِسلام کا پھیلانا تھا - کیونکہ بخلاف اِسکے سورہ حج میں صاف لکھا ہے کہ جہاد کا مدعا مسجدوں اور گرجاؤں اور یہودیوں کی عبادتگاہوں اور زاہدوں اور عابدوں کی خانقاہوں کو بربادی سے محفوظ رکھنا ہے" اور ہمکو ابتک اُس عیسائی مجاہد کا نام معلوم نہیں ہوا جسکا مقصد مسلمانوں کی مساجد و معابد یہود کی حفاظت کرنا تھا - البتہ جب بادشاہ فردینند اور ملکہ اسابیلا

نے عربوں کو ہسپانیہ سے جہاں وہ اپنا علم و ہنر لیکر آئے تھے نکالدیا
تو بالطبع اسپر زور دیا گیا کہ جہاد کو اُسکے متعارف معنوں یعنی عیسائیوں سے
دشمنی رکھنے میں استعمال کیا جائے۔ بیشبہ جہاد کے صرف یہہ معنے سمجھے
جانے پر کہ "غیر اقوام کے حملوں سے مسلمانوں کو بچایا جاتے" اسقدر
زور دیا گیا ہے کہ تمام مسلمان جنرلوں [سرداران لشکر] کو یہہ قطعی حکم تھا کہ
جس مقام میں اذان دینے سے کوئی مانع نہو۔ یا جسمیں ایک مسلمان بھی
اس امر کے ثبوت کے طور پر رہ سکتا ہو کہ وہاں اُسے کوئی اذیت نہیں پہنچیگی
اُسپر ہرگز حملہ آور نہوں"

جہادِ مذہبی کی ترغیب فی الحقیقت قرآن کے دوسرے
سورہ [بقرہ] میں دیگئی ہے۔ جو سخت اشتعالک دلائے جانیکی
حالت میں نازل ہوا تھا۔ مگر باوجود اسکے اُسمیں بھی یہہ صاف لکھا ہے
کہ "لڑو خدا کے دین کے لیئے اُن لوگوں سے جو تمسے لڑتے ہیں"
وغیرہ وغیرہ الی آخرہ ۔ یا دوسرے لفظوں میں یہہ کہو کہ لڑو گناہ سے
لیکن بیگناہ کرنے والوں سے صلح و امن کے زمانہ میں اور اسکے بعد
پھر تیسرے سورہ [آل عمران] میں جہاں لارڈ آف* ھوسٹس سے
یہہ کہکر مدد کے لیئے دُعا کی گئی ہے کہ " وہ دشمنوں کی کُل مخالف فوجوں
سے زیادہ طاقت رکھنے والا ہے" اور جبکہ قریش لوگوں نے یہہ کوشش
کی تھی کہ وہ مسلمانوں کو جو جنگِ اُحُد میں بھاگ نکلے تھے پھر اپنی

* رَبُّ الْعَالَمِیْن یا رَبُّ الْاَفْوَاج ۔ مؤلف عفی عنہ

قدیم بت پرستی کیطرف مائل کریں - اُس سورہ میں جو تر غیب لڑائی کی دیگئی ہے وہ ایک خاص حالت رکھتی ہے - چنانچہ لکھا ہے کہ کسقدر نبیوں کو ایسے مخالفوں کا مقابلہ کرنا پڑا ہے جو ہزاروں فوجیں رکھتے تھے مگر باوجود اسکے خدا کے دین کے لیئے لڑائی لڑنے میں جو کچھ اُنپر گزرا وہ اُس سے اپنے دل میں مایوس نہیں ہوئے اور نہ ان کے استقلال میں فرق آیا اور نہ انہوں نے ایسا طریقہ اختیار کیا جو انکو ذلیل کرنیوالا ہو - اور خدا نے انکو اس دُنیا اور عاقبت میں اسکا اجر عظیم عطا فرمایا۔"

اور پھر آگے چلکر یہہ کہا ہے کہ "ہم ضرور کفار کے دلوں میں اندیشہ پیدا کردینگے" [یہہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قریش لوگوں نے یہہ افسوس کیا تھا کہ کیوں ہمنے مسلمانوں کو بالکل نیست و نابود نہ کردیا اور یہہ خیال کرنا شروع کیا تھا کہ ایسا کرنیکے لیئے پھر مدینہ جائیں مگر ایک ناگہانی آفت کی وجہ سے جو خدا نے اُن پر ڈالدی تھی وہ اپنا ارادہ پورا نکر سکے]

پھر چوتھے سورہ [نسار] میں لکھا ہے کہ "پس لڑ خدا کے دین کے لیئے اور اپنے سوا اور کسی کو اُس کام کے کرنے پر مجبور نکر جو مشکل ہے" یہہ اُن مسلمانوں کیطرف اشارہ ہے جنہوں نے نبی عربی کے ساتھ بدر کی خفیف لڑائی میں جانیسے انکار کیا تھا اور اسوجہہ سے وہ صرف ستر آدمیونکو ساتھ لیکر روانہ ہونے پر مجبور ہوا تھا جسکے معنے دوسرے لفظوں میں یہہ ہیں کہ صرف محمدؐ ہی کا یہہ فرض تھا کہ خدا کے احکام کی خواہ وہ کیسے ہی مشکل کیوں نہوں اطاعت کریں" پھر یوں لکھا ہے کہ "پھر جان

مسلمانوں کو لڑائی کی رغبت دلا - شاید کہ خداوند عالم کافروں کی دلیری کو
روک دے - کیونکہ خدا اُن سے زیادہ صاحب طاقت اور سزا دینے
کی قدرت رکھنے والا ہے" پھر یہہ لکھا ہے کہ " جو شخص بھلائی کی غرض
سے لوگوں میں بیچ بچاؤ کرلے اُسکو اُس بھلائی کا حصہ عطا ہوگا" اور پھر
لکھا ہے کہ " جب کوئی تمکو سلام کرے تو اسکا جواب اس سے بہتر الفاظ
میں دو" یعنی جب کوئی مسلمان تمکو سَلَامٌ عَلَیْکُمْ کہے (جو خاص
اسلامی سلام ہے) سلام کرے تو اُسکے جواب میں یہہ کہنا چاہیئے
عَلَیْکُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهُ اور پھر آٹھویں سورہ میں
یہہ لکھا ہے کہ " اے گروہ مسلمانان جب تمہارا ایسے گروہ کفار سے
مقابلہ ہو جو تعداد میں بہت زیادہ ہوں تو پیٹھ پھیر کر مت بھاگو کیونکہ جو شخص
اُس روز اُن کے سامنے سے پشت پھیر کر بھاگے گا بشرطیکہ وہ لڑائی
کی غرض سے یا کسی دوسرے گروہ مسلمانان میں شامل ہونیکے لیے نہ پھرا
ہو اُسپر قہر الٰہی نازل ہوگا" مگر بات فی الحقیقت یہہ تھی کہ جسوقت یہہ حکم دیا گیا
تھا اُسوقت مسلمانوں کو لڑائی لڑنا ایک امر ناگزیر ہو رہا تھا - اور اسوجہ سے
اِس امر کی ضرورت تھی کہ خصوصیت کے ساتھ ایک سخت حکم دیا جاوے -
مگر تاہم جس مقام پر کہ جہاد کے معنی یہہ بتائے گئے ہیں کہ وہ ایک
واجب کوشش لڑائی لڑکر اُس حالت میں اپنا بچاؤ کرنے کی ہے جبکہ
کسی نے معاملات مذہبی میں نہایت ظالمانہ مداخلت کی ہو وہاں بھی جیسا
کہ ہم پہلے حوالہ دے چکے ہیں اُسکے الفاظ نہایت محدود ہیں - چنانچہ

وہ فقرہ بتمامہ یہہ ہے - قرآن سورۃ الحج " جو لوگ کفار کے مقابلہ میں ہتھیار اُٹھائیں اُنکو اس وجہ سے لڑنے کی اجازت دیجاتی ہے کہ اُنکو ناواجب طور سے تکلیف پہنچائی گئی ہے اور اُنکو گھروں سے ستا ستا کر صرف اِس وجہ سے نکال دیا گیا ہے کہ وہ " لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ " کہتے ہیں - پس اگر خداوند عالم اُنکے ظلم و تشدد کو دوسرے انسانوں کے ہاتھ سے دفع نکرائے تو بیشک زُہّاد و عُبّاد کی خانقاہیں اور گرجا گھر اور مسجدیں اور معابد یہود جہاں کہ ہمیشہ خدا کا نام لیا جاتا ہے بالکل ڈھاد ہیے جائینگے "

چونکہ مندرجہ بالا شہادتوں میں ایک مَذْھَبِی عَدَالَت کا ذکر آیا ہے جسکے حکم سے عقیدہ مسلّمہ فرقہ رومن کیتھلک کے مخالفوں کو نہایت سخت سزائیں دیجاتی تھیں اسلیئے اُسکا مفصّل حال لکھنا مناسب معلوم ہوا - چنانچہ ہم اُسکو اِنسائیکلوپیڈیا برٹانیکا سے نقل کرتے ہیں اور وہ یہہ ہے

" اِس عدالت کا نام " انکوئیزیشن " تھا اور اسکا یہہ کام تھا کہ جو لوگ مَذْھَبِ عِیْسَوِی کی نسبت ملحدانہ اعتقاد رکھتے ہوں یا اُس سے بالکل منحرف ہو گئے ہوں اُنکو تلاش کر کے پکڑے اور سزا دے - یہہ ہولناک محکمہ جو اس غرض سے قائم کیا گیا تھا کہ معاملات مذہبی میں آزادانہ تحقیقات ہونے پائے اور مذہب بالکل یکساں طور کا رہے - پہلے پہل تیرہویں صدی میں قائم ہوا تھا جبکہ پوپ انوسنٹ سویم نے ایک کمیشن

اِس غرض سے مقرر کیا تھا کہ نادیون کے ملحدوں کو مجرم قرار دیکر اُنکو سزائیں دے۔

سنہ ۱۲۰۳ [بارہ سو تین] میں پوپ نے دو راہبونکو جو صوبہ نادیون کی ایک خانقاہ سے متعلق تھے اِس غرض سے مقرر کیا تھا کہ وہ "البجنس" لوگوں کے کفر و الحاد کے برخلاف وعظ کریں۔ اور چونکہ اُنکو اپنے کام میں خصوصاً صوبہ ٹولوس میں بہت کامیابی ہوئی اسلیے پوپ کو یہہ جُرأت ہوئی کہ وہ کاتھلک چرچ میں اِنکوئیزیٹر [یعنی حکام محکمہ اِنکوئیزیشن] مقرر کرے جنکو بشپ لوگوں سے کچھ تعلق نہو اور جو بطور وکلائے محکمہ مقدسہ پوپ کے کام کریں۔ اور اُنکو ملحدوں کے سزا دینے کا حق حاصل ہو۔ پوپ نے اپنا یہہ مقصد پورا کرنے کی غرض سے فلیپ دوئم بادشاہ فرانس اور امرا و روسائے فرانس کو بھی اس کام میں مدد دینے کے لیئے لکھا اور بطور انعام اُنکی کوشش اور سرگرمی کے اُنکو ہر قسم کے مستلذات نفسانی کے پورا کرنے کی اجازت دی۔ ملک فرانس میں اِنکوئیزیشن سنہ ۱۲۰۸ [بارہ سو آٹھ] سے برخلاف قوم البجنس اور اُنکے محافظ ریمنڈ ششم کونٹ آف ٹولوس کے شروع ہوا۔ اور ہر طرح کی مخالفت جلد مغلوب کی جاکر چرچ کو بہت جلد ایسی مقدرت حاصل ہوگئی کہ وہ اپنے مخالفوں سے جو اُسکے قابو میں آجائیں جسطرح چاہے سلوک کرے۔ چنانچہ اُن بدنصیب البجنسوں کی تعداد قرار دینا جو سنہ ۱۲۰۸ [بارہ سو آٹھ] کے بعد آگ میں جلا جلا کر مارے گئے کچھ آسان

کام نہیں تھا۔ اور ممکن نہیں ہے کہ جو شخص اُس زمانہ کی تاریخ کو پڑھے اُسکے دل میں نہایت سخت طور کا ہول اور رحمدلی کا خیال پیدا نہ ہو کیونکہ اُن حالات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس طور پر ہزارہا آدمی قسم قسم کی [illegible] بیرحمانہ تکلیفوں کے ساتھ ایک ایسے مذہبی فضول تنگدلی کے لیے قتل کیے گئے جنہیں اُسکے اصلی بانی نے فیاضی اور رحمدلی کی تعلیم دی تھی۔

سنہ ۱۲۱۵ [بارہ سو پندرہ] میں پوپ انوسینٹ سوئم نے [illegible] دفعہ ایک جنرل کونسل قائم کرکے انواع واقسام کی نئی نئی سزائیں محدود کیے ایجاد کیں جنکی تفصیل نہایت طوالانی ہے پوپ انوسینٹ کے بعد پوپ ہونوریس سوئم نے بھی جو اُسکا جانشین تھا اس طریق کو جاری رکھا اور رفتہ رفتہ ایک ایسی باعث داغدلوں اور سزا دینے والوں کی قائم ہوگئی جنہوں نے اپنا نام ”حاوئین وہ دگا ان عدالت مقدس تفتیشات مذہبی“ رکھا۔

سنہ ۱۲۲۴ [بارہ سو چوبیس] میں انکوئزیشن اٹلی میں بھی قائم ہوگیا اور جب باوجود ان تشددات کے الجنسی لوگوں نے اپنے عقائد کو نہ چھوڑا بلکہ انکو خاص شہر روم میں بھی پھیلا دیا تو پوپ نے برہم ہوکر پہلے سے بھی زیادہ سخت سزائیں دیئے جانیکا حکم دیا مثلاً زندہ جلادیا جانا یا اگر بشپ لوگ ملحدین پر رحم کا اظہار کرنا چاہیں تو بجائے اُسکے صرف زبان کا کاٹ ڈالنا تاکہ وہ آیندہ خدا کی نسبت کوئی کلمہ کفر نہ کہہ سکیں۔ فرانس اور اٹلی کے بعد انکوزیشن اسپین میں قائم ہوا۔ اور اُس سرزمین میں یہہ

پودا خوب ہی پھولا پھلا - اور بادشاہ فردینند اور ملکہ اسابیلا کے زمانہ میں تو انکوئزیشن نہایت ہی عام ہوگیا - اور بڑے زور کے سا تھ مدت دراز تک جاری رہکر آخر کار سنہ ۱۸۲۰ (اٹھارہ سو بیس) میں موقوف ہوا - اس ملک میں ایک عہدہ گرانڈ انکوئزیٹر جنرل کا اور اُسکے بعد ایک کونسل آف سپریم قائم کی گئی - جسکی شاخیں تمام اضلاع اسپین میں پھیلی ہوئی تھیں - جنکا کام قوانین بنانا اور اس محکمہ کے استحکام اور اُسکی کاروائی کے یکساں جاری رہنے کی نگرانی کرنا تھا - یہانتک کہ رفتہ رفتہ یہہ محکمہ ایذا رسانی اور تکلیف دہی کی ایک ایسی مکمل کل بنگیا کہ جسکا نمونہ تاریخ عالم میں اُس سے پہلے کہیں نظر نہیں آتا - ایک مجموعہ ہدایات بمقام سیویل چھاپا جاکر مشتہر ہوا جسکی اٹھائیس ۲۸ دفعات تھیں جنکی تفصیل نہایت جہالت آمیز ہے - مثلاً چھٹی دفعہ میں یہہ درج تھا کہ "جو شخص بدعت گناہ سے توبہ کرے اور بخشدیا جائے پھر بھی اُسکو بطور بقیہ اُس سزا کے جو اُسکے لئے تجویز کی تھی یہہ سزا دیجائے کہ وہ کسی قسم کے باعزت پیشہ کے اختیار کرنے اور سونا چاندی - موتی - ریشم اور عمدہ ململ کے استعمال سے محروم کیا جائے" پھر بیسویں ۲۰ دفعہ میں لکھا تھا کہ "اگر کسی شخص کے مرنیکے بعد اُسکی کتابوں یا زندگی کے اطوار سے یہہ ثابت ہو کہ وہ ملحد تھا تو اُسپر کفر و الحاد کا فتویٰ لگایا جاکر اُسکی لاش قبر ہی سے نکلوا کر پھینکدیجائے اور اُسکا کل مال و اسباب ضبط کیا جاکر اُسکے وارثوں کو کچھ نہ دیا جائے" پھر بائیسویں ۲۲ دفعہ میں یہہ حکم تھا کہ "جو شخص کفر کا فتویٰ پاکر سزایاب ہوا ہو

اور اسکی اولاد کم عمر ہو تو اُسکے ضبط شدہ مال کا ایک تھوڑا سا حصہ خیرات کے نام سے انکو دیا جاے اور وہ تعلیم مذہب عیسوی کے لیے کسی نائب شخص کے سپرد کیے جائیں۔

جو الزامات محکمۂ مقدسہ انکوئزیشن کے نزدیک قابل مواخذہ تھے وہ یہ ہیں (۱) ہر قسم کا فساد والحاد مذہب عیسوی میں (۲) یہودیت (۳) اسلام (۴) جرائم خلاف فطرت اور تعدد ازدواج۔

المختصر یہہ عدالت مقدسہ ایسی غالب اور ایسی ہولناک بنگئی کہ ماں باپ اپنے بچوں اور خاوند اپنی جوروؤں اور مالک اپنے نوکروں کو بغیر زبان ہلانیکے چپ چاپ اسکے حوالہ کر دیتے تھے۔ بلکہ اسکی قوت زیادہ تر وہ خوف ہی تھا جو اسنے لوگوں کے دلوںمیں پیدا کر دیا تھا۔ اور خلایق کے دلوں میں اسکی ہیبت ایسی عام ہوگئی تھی کہ رئیسوں اور بادشاہوں تک اسکے نام سے کانپتے تھے۔ جسقدر انسانوں کی جانیں اس بیرحمانہ عدالت مذہبی نے تلف کرائیں اُنکی تعداد ٹھیک بیان کرنی آسان نہیں ہے۔ چنانچہ صرف اسپین ہی میں بقول سیر لارنٹی تین لاکھ چالیس ہزار آدمی اس محکمہ سے متوجب سزا قرار دیئے جاکر کسی نہ کسی طرح کی تکلیف سے برباد کیے گئے۔ جنمیں سے تقریباً بتیس ہزار آدمی تو زندہ آگ میں جلاکر مارے گئے۔ اور اگر اس تعداد میں وہ تمام بدنصیب لوگ شامل کر دیئے جائیں جو عدالتہا ے مقامات میکسیکو۔ لیما۔ کارتھیجنیا۔ سسلی۔ سارڈینیا۔ اوڈن۔ مالٹا نیپلس میلان اور فلینڈرز میں

سے جبکہ اِن ملکوں میں اسپین کی حکومت تھی سزیاب ہوئے تھے تو غالباً یہہ ثابت ہوگا کہ نصف ملین سے زیادہ بدنصیب آدمی اس سنگدل مقدس محکمہ سے طرح طرح کی سزائیں پاکر دُنیا سے گئے "

"مسلمانوں کی سلطنت اسپین میں تقریباً آٹھ سو برس تک رہی اور فردیننڈ کے زمانہ حکومت سے لیکر فلیپ سویم تک تین لاکھ سے زیادہ مسلمان لوگوں نے ظلم وستم سے تنگ آکر اسپین سے ہجرت کی" *

یہہ کیفیت اور حالت تو رومن کاتھلک فرقہ کے عیسائیوں کے ظلم وجبر اور تعدی وتعصب اور سنگدلی کی تھی جو مذہب کے معاملہ میں صدیوں تک اُنہوں نے ظاہر کی لیکن پراٹسٹنٹ فرقہ نے جب فروغ پایا تب بھی علمائے مسیحی کی مذہبی تعدی میں کچھ فرق نہ آیا چنانچہ ھالم صاحب اپنی تاریخ آئین سلطنت انگلستان کی جلد اوّل کے باب دویم میں لکھتے ہیں کہ " اِس دینِ مہذب کے مختلف شعبوں اور فرقوں سے سب سے بڑا گناہ جو سرزد ہوا ہے وہ یہہ ہے کہ بندگان خدا پر دین میں زور وزبردستی کرتے ہیں اور یہہ گناہ ایسا ہے کہ ہر ایک ایماندار آدمی جتنی زیادہ کتابوں کی سیر کرتا جاتا ہے اُتنی ہی اُسکو اُن سے کدورت اور نفرت ہوتی جاتی ہے "

* یہہ فقرہ انسائکلوپیڈیا کی بیسویں جلد صفحہ ۴۶۵ سے لیا گیا ہے اور اوپر کے کل مضمون سے جو بارھویں جلد سے نقل کیا گیا ہے جدا ہے ۔ مؤلف عفی عنہ

میرے محترم دوست مولوی سید امیر علی صاحب

سلمہ اللہ تعالیٰ لیکی صاحب کی تاریخ مذہب معقول پسند کی جلد دوم صفحہ ۴۹ کی سند سے لکھتے ہیں کہ جب کالون نے سرویس کو صرف اس وجہ سے زندہ جلا دیا کہ اُسکے اعتقادات تثلیث کے باب میں جمہور علما کے برخلاف تھے تو سب پراٹسٹنٹ فرقوں نے کالون کے اس فعل کی بڑی تعریف کی اور ملانکٹن اور بلنجر اور فارل نے اس گناہ کی تعریف میں نامے لکھے اور بیزا نے جو ایک بڑا عالم تھا اس فعل کی تعریف میں ایک جدا رسالہ تصنیف کیا" وہ یہہ بھی لکھتے ہیں کہ " ہر ایک صاف دل آدمی کو ان قوانین انگلستان کے دیکھنے سے کیسا صدمہ روحانی ہوتا ہے جنمیں رومن کاتھلک اور ڈسنٹر اور نن کن فارمسٹ اور اور فرقوں کے لیئے صرف اختلاف مذہب کی وجہ سے کیسی کیسی شدید سزائیں لکھی ہیں کہ العظمۃ للہ۔

اب امید ہے کہ مندرجہ بالا شہادتوں اور ان تاریخی واقعات کو پڑھکر انصاف دوست ناظرین خود فیصلہ کرلینگے کہ سر ولیم میور اور اُنکے ہمخیال لوگوں کے اس قول میں کتنی سچائی ہے کہ " اسلام کا وجود اور بقا اسپر موقوف تھا کہ اور ملکوں پر ہمیشہ تعدّی اور دست درازی کیجائے۔ اور اس دین کا تمام عالم میں شایع ہونا اور اس سلطنت کا ساری دنیا میں قائم ہونا اسپر منحصر تھا کہ یہہ دین بزور شمشیر قبول کرایا جائے" اور یہہ کہ " اسلام نے مذہبی آزادی یعنی یہہ بات کہ لوگ جونسا مذہب چاہیں اختیار کریں یا اور اُسکے لوازم مذہبی آزادی سے ادا کریں بالکل روک دی ہے بلکہ معدوم

کر دی گئی ہے۔ تحمل کا تو نام و نشان بھی نہیں دکھائی دیتا" سبحان اللہ

مومن خاں دہلوی گویا اسی موقع کے لیے کہہ گیا تھا ؎

"یہہ عذر امتحان جذب دل کیسا نکل آیا + میں الزام اسکو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا"

اب ہم چند پیشین گوئیاں نقل کرتے ہیں جو قرآن مجید میں بڑی صراحت کے ساتھ فرمائی گئی ہیں جن سے ثابت ہوگا کہ وہ انسان کا نہیں بلکہ بے شبہ اسی کا کلام ہے جسکے نزدیک عالم غیب و شہادۃ دونوں یکساں ہیں۔ کیونکہ کسی شخص کو خواہ وہ پیغمبر اور نبی ہی کیوں نہو یہہ قدرت حاصل نہیں ہے کہ خدا کے بتائے بغیر امور غیب سے واقف ہوجائے۔ اور کوئی ایسی بات بیان کرے جسکا اُسوقت وجود نہو۔ اور پھر وہ بات اُسی طرح پر واقع ہو جس طرح پر کہ اُسنے اُسکے واقع ہونے کی خبر دی ہو جو اُسکی سچائی اور منجانب اللہ ہونے کی معیار ہے۔ چنانچہ توریت اور اور صُحف مقدسہ میں جو بعض پیشین گوئیاں بیان ہوئی ہیں وہ اسیواسطے وحی والہام کے روسے سمجھی جاتی ہیں کہ اپنے اپنے وقت پر ٹھیک ٹھیک وقوع میں آئیں۔ مثلاً وہ پیشین گوئی جو خدا تعالی نے حضرت ابراہیم کو جبکہ وہ کنعان میں پہنچے بطور وعدہ کے فرمایا کہ "یہہ زمین تیری اولاد کو دونگا" [توریت کتاب اوّل باب ۱۲- آیت ۷] اور جبکہ حضرت لوطؑ اُن سے جُدا ہوگئے تو پھر خدا نے اُسنے کہا کہ "آنکھیں کھول اور چاروں طرف دیکھ کہ یہہ تمام زمین جو تو دیکھتا ہے تیری اولاد کو دونگا۔ اور تیری اولاد کو زمین کی

ریت کے مانند کرونگا۔ جو کوئی ریت کے ذرّونکو گن سکے تو تیری اولاد بھی گنی جائیگی"

[کتاب ایضا باب ۱۳ آیت ۱۴-۱۵-۱۶] پھر ایک دفعہ خدا نے اُنسے وعدہ کیا کہ "تیری اولاد اتنی ہوگی جتنے آسمان کے ستارے جنکو کوئی گن نہیں سکتا"

[کتاب ایضا باب ۱۵ آیت ۵] پھر خدا نے اُنسے ایک اور بیجا وعدہ کیا کہ "یہہ زمین مصر کے دریا سے فرات کے دریا تک تیری اولاد کو دونگا"

[کتاب ایضا باب ۱۵ آیت ۱۸] اور جبکہ وہ بوڑھے ننانویں برس کے ہوگئے تو پھر خدا نے اُنسے وعدہ کیا کہ "تجھ میں اور مجھ میں یہہ وعدہ ہوتا ہے کہ تجھکو زیادہ سے زیادہ کرونگا۔ تو بہت سی قوموں کا باپ ہوگا۔ تجھسے قومیں پیدا ہونگی۔ تجھسے بادشاہ نکلینگے۔ اور تیری اولاد سے بھی یہہ ہمیشہ کا عہد ہوگا اور کنعان کی زمین بوراثت دائمی تجھکو دونگا" [کتاب ایضا باب ۱۷ آیت ۲-۴-۵-۷-۸] علیٰ ہذا القیاس وہ وعدے جو خدا نے حضرت اسحاق و یعقوب سے کیے۔ چنانچہ جب یعقوب بیرشبع سے حاران کی جانب روانہ ہوئے اور ایک مقام پر پتھر سرہانے رکھکر سورہے تو خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک سیڑھی زمین سے آسمان تک لگی ہوئی ہے۔ اور خدا کے فرشتے اُسپر اُترتے چڑھتے ہیں۔ اُسپر خدا نے کھڑے ہوکر کہا کہ میں تیرے باپ ابراہیم اور اسحاق کا خدا ہوں۔ یہہ زمین جسپر تو سوتا ہے تجھکو اور تیری اولاد کو دیتا ہوں۔ تیری اولاد زمین کی ریت کے برابر ہوگی۔ اور چاروں طرف پھیل جائیگی" [کتاب ایضا باب ۲۸ آیت ۱۲-۱۳-۱۴] زبور سے ثابت ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیم

سے جو عہد کیا تھا وہی ابعد کو بھی قایم رہا اور وہ صرف کنعان کی زمین دینے کا عہد تھا - چنانچہ لکھا ہے کہ " وہ عہد جو مینے ابراہیم سے کیا اور اسحاق سے اُسکی قسم کھائی اور یعقوب سے بمنزلہ قانون کے مقرر کیا اور اسرائیل سے عہد دائمی کیا اور کہا کہ زمین کنعان تجھکو دیتا ہوں تاکہ تیری میراث کا حصہ ہو" [زبور باب ۱۰۵ آیت ۹ - ۱۰ - ۱۱] اور اس وعدہ کا پورا کرنا خدا نے یوں بتلایا کہ جب حضرت موسیٰ موآب کے جنگل میں نبو پہاڑ پر چڑھے جو یریحو کے سامنے ہے تو خدا نے اُنسے فرمایا کہ " یہہ وہ زمین ہے جسکی نسبت مینے ابراہیم و اسحاق و یعقوب سے قسمیہ وعدہ کیا تھا کہ تمہاری اولاد کو دونگا - پس یہہ زمین مَیں تجھکو آنکھوں سے دکھلا دیتا ہوں مگر تو وہاں نہیں جائیگا " [توریت کتاب ۵ باب ۳۴ آیت ۴]

خدا نے جو وعدہ حضرت ابراہیم سے کیا - اگرچہ حضرت اسحاق و اسماعیل دونوں اُسمیں داخل تھے - مگر خدا نے حضرت اسماعیل کے حق میں کمال فضل و مہربانی سے ایک علحدہ وعدہ بھی فرمایا کہ " مینے تیری دُعا اسماعیل کے حق میں قبول کی - ہاں مینے اُسے برکت دی اور اُسے بارآور کیا - اور اُسے بہت کچھ فضیلت دی - اُس سے بارہ امام پیدا ہونگے اور اُسکو بڑی قوم کرونگا " [توریت کتاب اول باب ۱۷ آیت ۲۰]

اب دیکھو کہ یہہ وعدے جنکا انکشاف ان انبیا علیہم السلام پر وحی کے ذریعہ سے ہوا تھا اپنے اپنے وقت پر سب پورے ہوئے اور جس طرح حضرت اسحاق کے حق میں اس وعدہ کا ایفا جسمانی اور روحانی

دونوں طرح پر ہوا یعنی انکی نسل میں بادشاہ بھی ہوئے اور انبیا و اولیا اور شہدا و علما بھی جنکی حد و شمار نہیں ہے - اور زمین موعود پر انکا قبضہ ہوا اسی طرح بلکہ اس سے بڑھکر وہ وعدہ بھی پورا ہوا جو حضرت اسمٰعیل کے باب میں ہوا تھا - چنانچہ جسمانی طور پر تو اسطرح کہ حضرت یعقوب بن اسحاق کی مانند انکو بھی خدا نے بارہ بیٹے دیے جنسے بارہ قومیں پیدا ہوئیں اور رفتہ رفتہ تمام ملک عرب اِس سرے سے اُس سرے تک اُنسے بھر گیا اور روحانی طور پر اسطرح کہ انکے دوسرے بیٹے قیدار کی نسل میں وہ فخر الاولین و آخرین پیدا ہوا - جسکا نام مبارک "محمد" اور لقب شریف "احمد" ہے جو نام اور لقب دونوں کے اعتبار سے محمود و ممدوح ہے ؎ دل و جانم فدایت یا محمد - سر من خاک پایت یا محمد - اور جو سر خیل انبیا بھی ہوا اور موسیٰ اور سلیمانؑ کی طرح بادشاہ بھی - اور اس طرح پر وہ پیشین گوئیاں پوری ہوئیں جو حضرت موسیٰ اور حضرت حبقوق نبی نے فرمائی تھیں - چنانچہ حضرت موسیٰ فرماتے ہیں کہ "اور کہا خدا سینا سے نکلا - اور سعیر سے چمکا - اور فاران* کے پہاڑ سے ظاہر ہوا - اُسکے داہنے ہاتھ میں شریعت روشن - ساتھ لشکر ملائکہ کے آیا" [توریت کتاب ۵ باب ۳۳ آیت ۲] اور حضرت حبقوق فرماتے ہیں کہ "آئیگا اللہ جنوب سے اور قدوس فاران کے پہاڑ سے - آسمان

* اس امر کی تحقیق کہ فاران مکہ معظمہ کے پہاڑوں کا قدیم نام ہے کتاب خطبات احمدیہ کے پہلے اور دسویں خطبہ میں دیکھو - مؤلف عفی عنہ

کو جلال سے چھپا دیا۔ اُسکی ستایش سے زمین بھر گئی [کتاب حبقوق نبی باب ۳ آیت ۳] اور عادت اللہ کے موافق اس رسول اکرم۔ فخر بنی آدم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے بھی پختہ وعدہ ہر طرح کی خیر و برکت کا ہوا۔ چنانچہ خدا نے فرمایا " اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ۔ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ۔ اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ [قرآن مجید سورہ کوثر] یعنی بیشک عطا کی ہے تجکو " کوثر " یعنی دنیا و آخرت میں تمام کی خیر برکت اور کثرت و مدت۔ پس شکر بجالا اپنے پروردگار کا اور مشرکوں کے برخلاف اُسکے نام پر [قربانی کر۔ بیشک تیرا دشمن ہی " ابتر " [یعنی مقطوع النسل اور ہر ایک طرح کی خیر و برکت سے محروم] ہے "

یہہ وعدہ خدا تعالی نے اُس زمانہ میں آنحضرت سے فرمایا تھا جبکہ آپ مکہ میں تھے۔ اور تمام قوم آپکی سخت دشمن اور جان کی لاگو ہو رہی تھی اور آپ بے یار و مددگار اور ہر طرح سے مجبور و ناچار تھے۔ اور آپ کے چھوٹے چھوٹے صاحبزادے یکے بعد دیگرے قضا کر چکے تھے اور دشمنوں نے حقارتاً آپکا نام " ابتر " رکھ چھوڑا تھا اور بظاہر کسی طرح کی امید اس عظیم الشان اور خلاف توقع وعدہ کے پورا ہونے اور ظہور میں آنیکی نہ تھی۔ اب دیکھو یہہ وعدہ بھی اُسی طرح پورا ہوا جسطرح مذکورہ بالا وعدے پورے ہوئے تھے۔ چنانچہ روحانی طور پر تو اس طرح کہ خاص آپکے خاندان میں اور آپکی نسل میں ائمہ اثنا عشر علیہم السّلام پیدا ہوئے جو سچے اوصیا و نائب برحق اور مظہر اتم آپکے کمالات روحانی و باطنی کے ہیں۔

اور جنکے حق میں وحی کے رد سے آپ نے فرمایا " اَلَا اِنَّ مَثَلَ اَھْلِ بَیْتِی فِیْکُمْ کَسَفِیْنَۃِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَھَا نَجٰی وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا ھَلَکَ [رواہ احمد] یعنی آگاہ ہو کہ بیشک مثال میرے اہل بیت کی تم میں نوح کی کشتی کی سی ہے جو اسمیں چڑھگیا بچگیا اور جو اُس سے ہٹ رہا ڈوب گیا۔ اور جنکی اطاعت و اتباع کی ہدایت یہ کہکر فرمائی " اَلَا اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ یُوْشِکُ اَنْ یَّاْتِیَنِیْ رَسُوْلُ رَبِّیْ فَاُجِیْبُ۔ وَاَنَا تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ اَوَّلُھُمَا کِتَابُ اللّٰہِ فِیْہِ الْھُدٰی وَالنُّوْرُ فَخُذُوْا بِکِتَابِ اللّٰہِ وَاسْتَمْسِکُوْا بِہٖ۔ وَاَھْلُ بَیْتِیْ۔ اُذَکِّرُکُمُ اللّٰہَ فِیْ اَھْلِ بَیْتِیْ اُذَکِّرُکُمُ اللّٰہَ فِیْ اَھْلِ بَیْتِیْ [رواہ مسلم] یعنی حجۃ الوداع کے بعد مدینہ کو واپس جاتے ہوئے بمقام غدیر خم آنحضرت نے لوگوں کو مخاطب کرکے فرمایا کہ " آگاہ ہو کہ میں صرف ایک آدمی ہوں قریب ہے کہ میرا پروردگار مجھکو بلائے اور میں جاؤں۔ اور میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑنے والا ہوں جنمیں سے پہلی چیز خدا کی کتاب ہے جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ پس جو اسمیں ہے اُسکو لو اور مضبوطی سے اُسپر عمل کرتے رہو اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں جنکے لئے میں تمسے خدا کو ضامن لیتا ہوں " اور مکرر فرمایا کہ " اپنے اہل بیت کے باب میں تمسے خدا کی ضمانت چاہتا ہوں " اور ترمذی نے جابر رضہ کی سند پر روایت کی ہے کہ " اُنہوں نے کہا کہ مینے ایام حج میں عرفہ کے روز آنحضرت کو دیکھا کہ قصوی نامے اُونٹنی پر سوار ہیں اور خطبہ

پڑھتے میں پس میں نے آپکو یہہ فرماتے سنا " یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنِّی تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَا اِنْ اَخَذْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا ـ کِتَابُ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ اَهْلُ بَیْتِیْ یعنی اے لوگو میں تم میں چھوڑی ایسی چیز کہ اگر تم اسکو پکڑے رہوگے (یعنی اسکا اتباع کروگے) کبھی گمراہ نہوگے - کتاب اللہ اور میرے اہل بیت " اور اسی جلیل الشان محدث نے زید بن ارقم کی سند سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ " فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے " اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمْ مَا اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِیْ اَحَدُهُمَا اَعْظَمُ مِنَ الْاٰخَرِ کِتَابُ اللّٰهِ حَبْلٌ مَمْدُوْدٌ مِنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ - وَعِتْرَتِیْ اَهْلُ بَیْتِیْ وَلَنْ یَفْتَرِقَا حَتّٰی یَرِدَا عَلَیَّ الْحَوْضَ فَانْظُرُوْا کَیْفَ تَخْلُفُوْنِیْ فِیْهِمَا " یعنی میں چھوڑنیکو ہوں تم میں ایک ایسی چیز کہ اگر تم اسکو مضبوط پکڑے رہوگے تو میرے بعد کبھی گمراہ نہوگے جو ایک دوسری سے بزرگ تر ہے - یعنی کتاب اللہ جو گویا ایک رسی ہے آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی - اور میرے اہل بیت - اور یہہ دونوں ہرگز جدا نہیں ہونگے یہانتک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں - پس سوچو کہ میرے بعد ان دونوں سے کس طرح پیش آؤگے جن بزرگواروں کے وجود ذیجود سے اُس بشارت کی تکمیل ہوئی جو خدا تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کے حق میں فرمائی تھی کہ " اسکی نسل میں بارہ[۱۲] امام پیدا کرونگا " اور ان کے سوا آپ کی امت میں بے انتہا اولیا وشہدا اور علما پیدا ہوئے جنکے نام ستاروں کیطرح روشن ہیں - اور وہ

شریعتِ روشن جسکی خبر موسیٰ نے دی تھی شرق سے غرب تک
اور جنوب سے شمال تک تھوڑے ہی عرصہ میں پھیل گئی - اور ابتک
بھی پھیلتی جاتی اور ظلمت کو نور سے بدلتی جاتی ہے جیسا کہ ہم اپنی اس کتاب میں
ایک مقام پر شرح و بسط سے بیان کر آئے ہیں - اور جیسا کہ حضرت حیقوق نے فرمایا تھا
تمام زمین آپکی ستائش سے بھر گئی اور تمام جہان آپ کے نام نامی سے
واقف ہو گیا - فَصَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ -

اور جسمانی طور پر اس طرح کہ آپکی لختِ جگر صدیقۂ کبریٰ فاطمۃ
الزّہرا سلام اللہِ علیہا کے بطنِ شریف سے حسنین علیہما السلام
پیدا ہوئے اور اُسی طرح آپکے فرزند کہلائے جسطرح کہ حضرتِ ابنِ مریم
ماں کی وجہ سے حضرتِ داؤدؑ کے فرزند کہلائے - اور اُنکی نسل پاک
سے لاکھوں سادات دُنیا میں موجود ہو گئے - جنکا " لَحْمُكَ لَحْمِي وَدَمُكَ
دَمِي " موروثی خطاب ہے - اور باوجود اُس کاٹ چھانٹ کے
جو بنی اُمیّہ اور بنی عبّاس نے اپنے اپنے زمانہ میں برابر جاری
رکھی وہ شجرۂ طیبہ بڑھتا ہی گیا - اور آخر کار اسکا مصداق بنگیا کہ " اَصْلُهَا
ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ " یعنی ایک ایسا درخت کہ جسنے مضبوط جڑ پکڑی
ہو اور اُسکی شاخیں ایسی اونچی ہوں کہ گویا آسمان سے باتیں کرتی ہیں "
اور جن لوگوں نے اُسکو اُکھاڑنا چاہا اُنہیں کی جڑیں اُکھڑ گئیں وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ

اِسکے علاوہ مسلمانوں میں ایسے بڑے بڑے خلیفے اور بادشاہ
خدا نے پیدا کیے کہ جنکی سلطنت و شوکت سُلیمان کی سلطنت و شوکت

سے کچھ کم نہ تھی اور انہوں نے کنعان اور زمین موعود پر بھی قبضہ کیا جو
غیر خدا پرستوں کے ہاتھ میں چلی گئی تھی۔ اور اُس ورثہ کو ابراھیم کی نسل
میں پھر لے آئے۔ اور جبتک خدا کی مرضی ہے وہ ابراھیم کا
ورثہ اُنکے حصہ میں رہیگا۔ اگرچہ حقیقی قیام و بقا صرف خدا کی ذات کو ہے
اور اِس سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید بیشک اُسکا کلام ہے جو
عالم الغیب اور اپنے ہر قسم کے وعدوں کے پورا کرنے پر قادر ہے
دوسری پیشین گوئی اُس امام مظلوم کی شہادت کی خبر ہے
جسکو خود اُسکے نانا رسولِ خدا صلّی اللّٰہُ علیہِ وآلہٖ وسلّم کی امت
کے بعض بدبخت لوگوں نے تین دن کا بھوکا پیاسا مع دوستوں اور
عزیزوں اور بھائیوں اور بھتیجوں کے حق بات کے کہنے اور کرنے
اور ناحق بات کے نہ ماننے پر شہید کیا۔ یہانتک کہ چھ مہینے کے
شیر خوار بچّہ تک کو زندہ نچھوڑا اور عین سجدہ کی حالت میں اُسکا سرِ مبارک
کاٹ لیا اور اُسکے اور تمام شہیدوں کے سروں کو نیزوں پر چڑھایا۔ اور
لاشوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندا۔ مال و اسباب لوٹ لیا! اور
خیموں کو جلا دیا۔ اور اُسکے حرم محترم کو قید کرکے بے مقنع و چادر
ننگی پیٹھ کے اونٹوں پر بٹھا کر جنکی مہار اُسکا بیمار و ناتوان فرزند [جو صرف
ایک وہی زندہ باقی رہگیا تھا] گلے میں طوق اور پانو میں بیڑیاں پہنے
ہوئے کھینچتا تھا! کربلا سے کوفہ و دمشق کو لیگئے۔ اور اُسکی
اور اُسکے دوستوں اور عزیزوں کی لاشیں خاک و خون میں غلطاں کربلا کی

علتی ہلتی زمین پر کئی دن تک گور و کفن پڑی رہیں - جنکا دن کی دھوپ اور رات کی شبنم کے کوئی بھی خبرگیراں نہوا - جو ایک ایسا درد انگیز حیرت خیز عظیم واقعہ ہے کہ جسکی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ہے قرآن مجید میں خدا نے فرمایا ہے کہ ابراہیم نے اپنے بیٹے کو جو اس عمر کو پہنچ گیا تھا کہ اُنکے ساتھ دوڑ کر چل پھر سکے کہا کہ

"یَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ ۚ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۖ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ۝ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ۝ وَنَادَيْنَاهُ أَن يَا إِبْرَاهِيمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ۚ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ۝ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ [سورہ صافات]

یعنی اے فرزند میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجکو [قربانی کے لیے] ذبح کرتا ہوں - پس تو سوچ کہ تیرا دل کیا کہتا ہے؟ بولا ابّا جان جو کچھ آپکو حکم دیا جاتا ہے وہ کیجئے - آپ دیکھ لینگے کہ انشاءاللہ میں اسکو برداشت کرونگا - پس جب دونوں راضی بقضا ہو گئے - اور ابراہیم نے اسکو ذبح کرنے کو ماتھے کے بل لٹا لیا - تو ہمنے یہہ کہکر اُسکو پکارا کہ [بس] اے ابراہیم تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا - بیشک ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں سچّے دل سے نیکی کرنے والوں کو بے شبہ یہہ تو بہت ہی سخت امتحان ہے اور ہمنے اُس لڑکے کو ایک بڑی قربانی کے بدلے بچا لیا اور اُسکا ذکر خیر پیچھے آنے والوں میں چھوڑا"

اس آیۂ کریمہ میں جو "عظیم" کا لفظ "ذبح" یعنی ذبیح کی صفت
میں وارد ہوا ہے ۔ مفسرین نے اسکی نسبت طرح طرح کی توجیہیں کی
ہیں کسی نے کہا ہے کہ ابراہیم نے اس لڑکے کے عوض جو
مینڈھا قربانی کیا تھا بڑا اور موٹا تازہ ہونے کی وجہ سے اسکو عظیم کہا گیا
کسی کا قول ہے کہ اس سبب سے عظیم کہا گیا کہ اسنے خریف کی چالیس
فصلیں بہشت میں چری تھیں کسی نے یہہ وجہ بیان کی ہے کہ وہ وہی
مینڈھا تھا جسکو ھابیل بن آدم علیہ السلام نے پہلے پہل
قربانی کیا تھا ۔ اور جبریل اسکو بہشت سے لائے تھے کسی نے
لکھا ہے کہ ابراہیم کے بیٹے کا فدیہ ہونے کی وجہ سے "عظیم"
کا اطلاق اسپر ہوا ۔ مگر ظاہر ہے کہ یہہ سب توجیہیں نہایت رکیک
ہیں ۔ کیونکہ ایک جانور خواہ وہ بہشت ہی کی گھانس سے کیوں نہ پلا ہو
ایک انسان [پھر انسان بھی کیسا کہ نبی اور نبی زادہ] کا ہرگز بدلہ نہیں
ہو سکتا ۔ کیونکہ ناقص چیز کامل شے کا عوض نہیں ہو سکتی ۔ اور نہ قرآن مجید
کی معجزانہ بلاغت کا یہہ مقتضا ہے کہ ایک ناچیز جانور پر "عظیم" کا
اطلاق اسمیں ہو اور اسلئے ضرور ہے کہ ابراہیم کے بیٹے
کا فدیہ کوئی ویسا ہی مقبول خدا اور عظیم المرتبہ ہو جیسا کہ وہ خود تھا ۔
پس حق یہہ ہے کہ وہ بڑی قربانی جسکے بدلے خدا نے ابراہیم کے
بیٹے کو بچا لیا وہ تھی جو سنہ (۶۱) ہجری کے ماہ محرم کی دسویں تاریخ کو
جمعہ کے روز دوپہر ڈھلنے کے بعد کربلا کے قیامت خیز میدان

میں اُسی طرح وقوع میں آئی جس طرح پر کہ ابراھیم کے بیٹے کی قربانی وقوع میں آنے والی تھی - یعنی سجدہ کی حالت میں ٹھیک اُسی طرح پر اُسکو ذبح کیا گیا جس طرح پر کہ ابراھیم نے پیٹھ کی طرف سے بیٹے کو ذبح کرنا چاہا تھا - ہاں اتنا فرق بیشک ہوا کہ ابراھیم کا بیٹا کم سن لڑکا تھا اور باپ نے ہاتھ پانو باندھکر اُسکو ماتھے کے بل ذبح کرنے کو لٹایا تھا - مگر علی کے بیٹے کی عمر چھپن سال سے تجاوز کر چکی تھی اور اُسنے اپنی مرضی اور اختیار سے سجدہ کے لیے اپنا ماتھا زمین پر رکھا تھا - ابراھیم کا بیٹا تین دن کا بھوکا پیاسا نہ تھا - مگر علی کے بیٹے کو تین دن سے پانی کا ایک قطرہ بھی نصیب نہوا تھا - ابراھیم نے ایک مینڈھے کو قربان کیا اور بیٹے کو بچا لیا - مگر علی کے بیٹے کے دوستوں اور عزیزوں اور بھائیوں اور بھتیجوں اور بیٹوں اور بھانجوں غرض بہتر سے زیادہ لوگوں نے اپنی جانیں قربان کر ڈالیں - مگر پھر بھی اُسکو نہ بچا سکے! ابراھیم ہنستا اور خوش ہوتا ہوا بیٹے کو زندہ و سلامت اُسکی غمگین اور اداس ماں کے پاس لیگیا مگر علی کے بیٹے کے سر کو دشمن اُسکی روتی پیٹتی سر برہنہ بہنوں اور بیٹیوں کے ساتھ ایک شقی ترین خلایق کے خوش کرنیکو اُسکے تخت کے سامنے لیگئے!!! ابراھیم کے بیٹے کی قربانی کا دن اُسکے جان سے بچ جانے کی خوشی منانے کے لیئے عید قرار پایا - مگر علی کے بیٹے کی قربانی کا دن رونے پیٹنے اور سوگ منانے کا دن مقرر ہوا -

ہمارے اس بیان کو پڑھکر ناظرین غالباً یہہ خیال کرینگے کہ پہلے ایک

ایسے اعلیٰ درجہ کی ہے کہ جن لوگوں نے اُسکو مورّخانہ نظر سے دیکھا ہے
اور اس واقعہ کے جزئیات پر غور کی ہے انہوں نے تسلیم کیا ہے
کہ جناب ممدوح سے بڑھکر کوئی شجاع دنیا میں نہیں گزرا اور کسی
کسی ایک امرِ حق کی تائید میں بہت صاف گواہی دشمن کی ہے چنانچہ
جیمس کاکن صاحب آنجہانی اپنی بے نظیر تاریخ جین کی
جلد دوئم میں [illegible] کی [illegible] بیان میں کہی
ہے ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ [illegible] میں رستم کا نام [illegible]
میں مشہور ہے آئین کی شخص ایسے گزرے ہیں کہ انکے سامنے
رُستم کا نام قابل لینے کے نہیں ہے چنانچہ اول درجہ حسین
ابن علیؑ کا درجہ بہادری میں ہے کیونکہ میدان کربلا میں گرمی
تشنگی اور گرسنگی میں جس شخص نے ایسا ایسا کام کیا ہو اُسکے سامنے
رُستم کا نام وہی شخص لیتا ہے جو تاریخ سے واقف نہیں ہے
کس کے قلم کو قدرت ہے کہ امام حسینؑ کا حال لکھے۔ کس کی زبان
میں یہہ لطافت و بلاغت ہے کہ اُن بہتّر بزرگواروں کی ثابت قدمی
اور تہوّر و شجاعت اور تیس ہزار سوار خونخوار شامی کے جواب دینے
اور ایک ایک کے ہلاک ہو جانیکے باب میں مدح جیساکہ چاہیے
کر سکے۔ کس کی نازک خیالی کی یہہ رسائی ہے کہ اُن لوگوں کے
دلوں کے حال کو تصوّر کرے کہ کیا کیا اُنپر گزرا۔ اُسوقت سے جبکہ
عمر سعد نے دس ہزار سوار سے اُنکو گھیر لیا اُسوقت تک کہ جب

شمر ملعون نے سر کاٹ لیا۔ کیونکہ ایک کی دوا دو مشہور ہے اور
مبالغہ کی یہہ ہی حد ہے کہ جب کسی کے حال میں یہہ کہا جاتا ہے کہ
دشمن نے چار طرف سے گھیر لیا۔ لیکن حسینؑ اور بہتر تن کو آٹھ
قسم کے دشمنوں نے تنگ کیا تھا۔ اور اسپر بھی قدم نہ ہٹا۔ چنانچہ
چار ہزار سے تیس ہزار فوج یزید کی تھی جنکے نیزوں اور تیروں
کی بوچھار مثل آندھی کے آتی تھی۔ اور پانچواں دشمن عرب کی دھوپ
تھی جسکی مثال کسی سے نہیں ہو سکتی اور یہی کہنا ہوتا ہے کہ عرب
کی دھوپ کی مانند کسی کی دھوپ ہے اور چھٹا دشمن وہ
پیاس کا تھا جو اُس حرارت میں شعلہ زن اور تنور کے خاکستر
سے زیادہ پرسوز تھا بلکہ اسکو قہار کہنا چاہیئے جسکے بلبلے
بچی فاقہ کے پاؤں کے آبلے تھے اور دو دشمن سب سے
ظالم بھوک اور پیاس مثل ذبح باز ہمراہی کے جسکے برابر عدو نہیں ساتھ
تھے۔ اور تشنگی سے زبان پھول کر کے جب پھٹ جاتی تھی تب ہی اُن
دو کی خواہش اندر کے گھٹتی تھی۔ پس جنہوں نے ایسے معرکہ میں ہزار ہا کافروں کا
مقابلہ کیا ہو اُن پر خاتمہ بہادری کا ہو چکا" [انتہےٰ بلفظہ]

تیسری پیشین گوئی خود قرآن مجید کے کمی بیشی اور تحریف و
تصحیف سے محفوظ و مصئون رہنے کے باب میں ہے جیساکہ فرمایا۔
"إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ" [سورہ حجر] یعنی تحقیق
ہمنے اتارا ہے قرآن کو اور بیشک ہم اسکی حفاظت کے ذمہ دار ہیں"

کوئی کتاب کیوں نہو اور کیسی ہی احتیاط کیوں نہ کیجائے مگر نقل ہونے میں کسی طرح کی غلطی کا نہونا ایک غیر ممکن امر ہے۔ یہانتک کہ مذہبی مقدس کتابیں بھی اس سے محفوظ نہیں رہیں اور نہ رہ سکتی ہیں چنانچہ عہد عتیق و جدید کی کتابوں کی نسبت [illegible] صاحب [illegible] اشر ویں ایڈیشن مطبوعہ لندن ۱۸۲۵ء کی جلد دوم کے صفحہ ۲۱۲ [illegible] لکھتے ہیں کہ " عہد عتیق اور جدید کی کتابیں اور [illegible] تحریریں عموماً بذریعہ نقل کے ہر ایک کے پاس [illegible] پہونچیں [illegible] ممکن تھا کہ انمیں غلطیاں داخل نہ ہوتیں [illegible] بقدرت [illegible] نتیجہ غلطیاں اُن میں پڑیں اور اختلافات عبارت اُن میں پیدا ہوئے " پھر صفحہ ۲۱۷ میں لکھتے ہیں کہ " ناسخوں کو نقل [illegible] ایک قدیم [illegible] خود ہی نقل کیا تھا۔ اور چونکہ ناقل غلطی سے [illegible] خدا کی طرف سے حفاظت نہیں کیے گئے تھے اسلیے جو غلطیاں واقع ہوتیں انکے چار سبب ہیں۔

(۱) **اوّل** ناقلوں کی غفلت یا غلطیوں سے اختلاف کا ہونا اور یہہ کئی طرح پر ہوتا ہے۔

(۱) جبکہ ایک شخص منقول عنہ کو پڑھتا جاوے اور ایک یا بہت سے نقل کرنے والے اُسکو لکھتے جائیں۔ اور جو شخص پڑھکر لکھواتا ہے وہ اچھی طرح نہ بتائے۔ بلکہ بے پروائی سے پڑھے اور ایسے الفاظ زبان سے نکالے جو اُس نسخہ میں نہوں جسکی وہ نقل لکھواتا ہے۔ اور اسیطرح

مختلف الفاظ زبان سے نکالتا ہے۔ تو اس سبب سے اصل سے جو اُسکے بتانے بموجب لکھتا ہے بالضرور نقل میں اختلاف واقع ہونگے۔

(۲) عبری اور یونانی حرف آواز اور صورت میں مشابہ ہیں اس سبب سے غافل اور بے علم نقل کرنے والا ایک لفظ یا حرف کو بجائے دوسرے لفظ یا حرف کے لکھکر عبارت میں اختلاف ڈالدیتا ہے

(۳) منقول عنہ جو لکیر کھینچی لکھے گئے تھے نقل کرنے والا اُسکو کسی حرف کا جزو سمجھ گیا۔ یا حرف کے کسی نوشتہ کو غلطی سے لکیر سمجھ گیا۔ یا اُسنے اصلی لفظ کے صحیح معنی کو غلط سمجھکر اُس طرح پر لفظ بدل دیا۔ یا جب وہ غلط لفظ لکھ گیا اور اُسنے جان بھی لیا کہ مینے غلط لکھا۔ مگر اس خیال سے کہ نقل میں کٹ کٹ ہوکر بدصورت ہو جائیگی اُسکو صحیح نہ کیا۔ اور اپنی نقل کی خوبصورتی پر اُسکی صحت کو قربان کردیا۔ اور اس سبب سے نسخوں کی عبارتوں میں اختلاف پڑ گیا۔

(۴) نقل کرنے والا لکھتا کہیں تھا اور لکھ گیا اور کہیں سے اور پھر اُسکو خبر نہوئی۔ یا خبر ہوئی مگر اپنے لکھے کو مٹانا یا کاٹنا پسند نہ کیا اور جہاں سے چھوٹا تھا وہیں سے پھر شروع کیا اور اس طرح سے ایک لفظ یا جملہ نامناسب طور سے داخل ہوگیا۔

(۵) نقل کرنے والے نے کوئی لفظ چھوڑ دیا اور جب اُسکو معلوم ہوا تو اُسنے اُس چھوٹے ہوئے لفظ کو اُس جگہ پر لکھدیا جہاں اُسکو خبر ہوئی اور اس طرح پر لفظ اُلٹ پُلٹ ہو گئے یعنی کہیں کا کہیں لکھا گیا۔

(۶) عبری نسخوں میں اختلاف عبارت کا بڑا سبب یہ ہے کہ سطروں کا انداز برابر رکھنے کے لیئے سطروں کے اخیر میں زیادہ لفظ بڑھا دیئے جاتے تھے۔ اور یونانی قلمی نسخوں میں اکثر الفاظ اور جملے اسلیئے لکھنے سے رہگئے کہ ایک لفظ جو آچکا تھا تھوڑی دور بعد پھر وہی لفظ آیا۔ اور نقل کرنے والے کی نگاہ پہلے لفظ پر سے چوک کر دوسرے لفظ پر جا پڑی اور وہاں سے لکھنے لگا اور اُن دونوں لفظوں کے درمیان میں جو کچھ آیا لکھنے سے رہگیا۔

(۷) تمام قلمی نسخے بڑے حرفوں میں لکھے جاتے تھے اور لفظوں بلکہ فقروں کے درمیان میں جگہ نہ چھوڑتے تھے اس سبب سے کہیں لفظوں کے جزو لکھنے سے رہگئے۔ اور کہیں مکرّر لکھے گئے۔ یا بے پروا اور جاہل نقل کرنے والے نے اختصار کے نشانوں کو جو قدیم قلمی نسخوں میں اکثر واقع ہوتے ہیں غلط سمجھا۔

(۸) بہت بڑا سبب اختلاف عبارت کا نقل کرنے والوں کی جہالت یا غفلت ہے کہ اُنہوں نے حاشیہ پر جو شرح لکھی ہوئی تھی اُسکو متن کا جزو سمجھا۔ قدیم قلمی نسخوں کے حاشیہ میں مشکل مقامات

دانست میں اس طرح پر صحیح کرتا ہے کہ مصنف نے اُسکو یوں لکھا ہوگا۔
لیکن اگر وہ اپنے نکتہ چین قیاس کو بہت وسعت دیتا ہے تب وہ
خود اُس غلطی میں پڑتا ہے جسکے رفع کرنے کا اُسنے ارادہ کیا تھا۔ اور
اُسکا غلطی میں پڑنا کئی طرح پر ہوسکتا ہے۔

(۱) مثلاً نقل کرنے والا ایک لفظ کو جو حقیقت میں صحیح ہے
غلط سمجھے۔ یا جو مصنف کی مُراد ہے اُسکو غلط سمجھے اور یہہ جانے کہ
اُسنے صرف نحو کی غلطی پکڑی۔ حالانکہ وہ خود غلطی پر ہے۔ یا یہہ بات
ہو کہ وہ صرف نحو کی غلطی جسکے صحیح کرنے کا اُسنے ارادہ کیا ہے حقیقت
میں خود مصنف ہی سے نے کی ہو۔

(۲) لعض نکتہ چین ناقلوں نے نادرست کلاموں کو صرف صحیح
ہی نہیں کیا بلکہ عمدہ طرز کلاموں کو بجائے غیر عمدہ طرز کلاموں کے
بدل دیا اور اسی طرح اُنہوں نے اُن الفاظ کو جو اُنکو فضول معلوم ہوئے
یا جنکے فرق کو وہ نہ سمجھے لکھنے سے چھوڑ دیا۔

(۳) اختلاف عبارت کے سببوں میں سے بموجب قول
میکلس صاحب کے بہت بڑا سبب جس سے عہد جدید میں
دروغ آمیز مقامات نہایت کثرت سے پیدا ہوئے ہیں۔ یہہ ہے
کہ یکساں مقامات کو اس طرح تبدیل کیا گیا ہے جس سے اُنمیں ایک
دوسرے سے زیادہ کامل مطابقت کیجائے۔ اور خاصکر انجیلوں
کو اس طریقہ سے نقصان پہنچا۔ اور سینٹ پال کے ناموں کو اکثر مقامات

میں سے اسلئے اُلٹ پلٹ کیا گیا ہے کہ اُسکے عہد جدید کے حوالوں کو اُن مقامات میں جہاں وہ سپٹوایجنٹ + ترجمہ کے بعینہ الفاظ سے تفاوت رکھتے ہیں سپٹوایجنٹ ترجمہ سے مطابق کریں (۴) بعض نکتہ چینوں نے عہد جدید کے نسخوں میں اس طرح اختلاف عبارت ڈالدیئے کہ اُنکو ترجمہ ولگٹ کے مطابق تبدیل کردیا۔

(۴) **چہارم** - ایک سبب اختلاف عبارت کا ایسی خرابیاں یا تبدیلیاں ہیں جو کسی فریق کی مطلب برائی کے لیئے دانستہ کی گئی ہوں خواہ وہ فریق درست مذہب رکھتا ہو یا بدعتی ہو۔

یہہ بات تحقیق ہے کہ اُن لوگوں نے جو دینداز کہلاتے ہیں ارادتاً بعض خرابیاں کیں۔ جو خرابیاں یا تبدیلیاں اس دوراندیشی سے کی گئی تھیں کہ جو مسئلہ تسلیم کیا گیا ہے اُسکو تقویت ہو یا جو اعتراض اُس مسئلہ پر ہوتا ہو وہ نہو سکے" [انتہےٰ قولہ]

ہمکو یہہ بات تسلیم کرنی چاہیئے کہ قرآن مجید بھی اس سے مستثنے نہیں کہ اُسکی نقل میں بھی غلطیوں کا ہونا ممکن ہے۔ مگر اُسمیں اور اور کتابوں

+ بطلیموس فلاڈلفس ثانی بادشاہ اسکندریہ نے جو یونانی تھا بہتر یہودی عالموں سے کتب عہد عتیق کا ترجمہ اپنے مشہور کتب خانے کے لیئے یونانی زبان میں کرایا تھا اسلیئے اُسکو سپٹوایجنٹ یا الگزنڈرین یعنی منسوب بہ الگزنڈریا کہتے تھے یا یہودیوں کی بڑی عدالت نے جو سین ھڈرن کہلاتی تھی اور جسمیں بہتر ۷۲ ممبر ہوتے تھے اس ترجمہ کو منظور کیا تھا اور اسواسطے سپٹوایجنٹ کہلاتا تھا۔ یہہ ترجمہ دوسو پچاسی ۲۸۵ یا دوسو چھیاسی ۲۸۶ برس قبل سنہ مسیحی کے کیا گیا تھا۔ مولف عفی عنہ

میں جو فرق ہے وہ یہہ ہے کہ کاتبوں کی غلطی سے عہد عتیق و
عہد جدید کی کتابوں کی طرح اُسکو کچھ نقصان نہیں پہنچا اور نہ پہنچ سکتا ہے
کیونکہ خدا تعالی نے اپنے اِس کلام کے [جو اُسکا آخری کلام ہے]
غلطیوں اور کمی بیشی سے محفوظ و مصئون رہنے کا شروع ہی سے ایسا سامان
کر دیا ہے کہ اُسکو کسی طرح نقصان پہنچنا ممکن نہیں - یعنی مسلمانوں کے دلوں
میں اُسکے حفظ یاد رکھنے کا ایک پرجوش شوق پیدا کر دینا - اور اُسکی وجہ سے
ہر ملک اور ہر زمانہ میں ایسے ہزارہا شخصوں کا موجود ہونا کہ جنکو قرآن مجید
بہ ترتیب من اوّلہ الی آخرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک سند
متصل کے ساتھ یاد تھا اور کسی کی قرأت میں ایک حرف یا ایک لفظ کا
بھی فرق نہ تھا - اور آج کے دن بھی جو ششم رجب سنہ ۱۳۱۹ نبوی مطابق
سنہ ۱۳۰۶ ہجری موافق نہم مارچ سنہ ۱۸۸۹ عیسوی ہے جہاں جہاں مسلمان ہیں
ہیں وہاں سیکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں ایسے لوگ موجود ہیں
کہ جنکو وہ ویسا ہی بزبان یاد ہے جیسا کہ حضرت نبی اُمّی صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کے پاک اور مبارک ہونٹوں سے نکلا تھا - اور جسکو
خلافت اولی میں زید بن ثابت نے سورتوں کی موجودہ ترتیب کے
موافق مصحف میں لکھا تھا - اور خلافت ثالثہ میں جبکہ اِسلام دور و دراز
ملکوں میں پھیل گیا تھا اُسکی نقلیں تمام ممالک اسلامیہ میں بھیجدی گئی تھیں -
پس یہہ شرف و فضیلت صرف قرآن مجید ہی کو حاصل ہے کہ اگر
بالفرض اُسکے تمام قلمی اور چھاپے کے نسخے دُنیا سے معدوم کر دیئے

جاویں تو ہمکو اُسکے موجود کرنے میں کچھ بھی دقّت نہو گی۔ اور حافظونکے
سینہ سے [جسکو گویا لوح محفوظ کہنا چاہیئے] ویساہی نقل ہوسکیگا جیساکہ
ہے۔ اور ایک لفظ اور ایک شوشہ اور ایک اعراب کا بھی فرق نہوگا
اور یہہ اُس کلام پاک کا اعجاز اور اُس وعدہ کی صداقت کا نتیجہ ہے جو
خدانے اُسکی نسبت فرمایا کہ " اِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ "

سر ولیم میور صاحب اپنی کتاب لائف آف محمد میں
لکھتے ہیں کہ " نہایت قوی قیاس سے ہم کہتے ہیں کہ ہر ایک آیت
قرآن کی محمد کے غیر محرّف اور صحیح الفاظ میں ہے۔ اور ہم کم سے کم
اسلئے نتیجہ میں وان ھیمر کے اس قول سے بہت ہی قریب پہنچتے ہیں
کہ " ہم قرآن کو محمد کا کلام ایسا ہی یقینی جانتے ہیں جیساکہ مسلمان اُسکو
کلام آلہی سمجھتے ہیں " اور اپنی اسی کتاب کے ایک اَور مقام پر لکھتے ہیں
کہ " دنیا میں غالبًا کوئی اور کتاب ایسی نہیں ہے جسکی عبارت بارہ سو برس
تک ایسی خالص رہی ہو "

یہودی اور عیسائی اپنی اپنی کتابوں کو کمی بیشی اور تحریف و تصحیف
سے محفوظ نہ رکھ سکے تھے جیساکہ ہمنے ھارن صاحب کی شہادت سے
ابھی ثابت کیا ہے۔ اور اَور شہادتوں سے بھی ثابت ہے اسیلئے
قرآن مجید کی نسبت جو انسان کے لیئے آخری پیغام خدا کا ہے اسکی
ضرورت تھی کہ دنیا کے اخیر دن تک ویسا ہی محفوظ و مصئون رکھا جاوے
جیساکہ خدا نے اُسکو اپنے آخری پیغمبر صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلّم پر نازل

فرمایا تھا تاکہ کسی اُور کلام کے نازل کرنے کی حاجت نہو۔ پس خدا نے اُسکی حفاظت کا ذمّہ اُٹھایا اور ایسے اسباب مہیا کردیئے جو کبھی زائل ہو والے نہیں۔ یعنی ہر ملک اور ہر زمانہ میں حافظوں کا کثرت کے ساتھ موجود ہونا۔ جنکے ہوتے ممکن نہین کہ اُسمیں کسی طرح کی غلطی یا کمی بیشی واقع ہوسکے۔ جیساکہ تیرہ سو ۱۳۰۰ برس کے تجربہ سے ثابت ہوچکا ہے۔

ان پیشین گوئیوں سے جو صرف نمونہ کے طور پر نقل کی گئی ہیں اور جو بطور لُغز اور چیتاں کے نہیں بلکہ ایسی صاف اور روشن باتیں ہیں کہ جنکی سچّائی پر تاریخ اور تجربہ دونوں گواہ ہیں۔ بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ قرآن مجید کن اعلیٰ درجہ کی صداقتوں پر مشتمل ہے۔ اور یہہ کہ اُسکا ایسے واضح اور صریح طور پر اُمور غیب کی خبریں دینا اور اُن کا اپنے اپنے وقت اور موقع پر ویساہی وقوع میں آنا بغیر اسکے نہیں ہوسکتا۔ کہ اُسکو کلام خدا اور معجزہ مستمرّہ مانا جانا جائے و ہذا ہو المقصود۔

اَب ہم قرآن مجید کے معنی کی نسبت بحث کو ختم کرتے ہیں اور اپنے وعدہ کے موافق جو کتاب کے شروع میں کرآئے ہیں دکھاتے ہیں کہ جیساوہ اپنے معنی اور مدعا کے لحاظ سے معجز ہے ویساہی الفاظ اور عبارت کے اعتبار سے بھی معجز اور ناقابل معارضہ ہے۔

سارے قرآن کی فصاحت و بلاغت کی نسبت بحث کرنا اور اُسکے نکات اور لطائف کو دکھانا ایک ایسا مشکل اور قریب بہ محال کام ہے کہ جسکو بڑے سے بڑے علماء و فضلاء بھی انجام نہیں دیسکتے ہیں

مجھ جیسے شخص کو جسکی بضاعت علمی بہت ہی کم اور محدود ہے کب یہہ
جرأت ہو سکتی ہے کہ ایسے سخت اور مشکل کام میں ہاتھ ڈال سکے۔ اور اُسکے
پورا کرنیکا حوصلہ کر سکے۔ اسلیئے میں صرف ایک آیت کے لکھنے پر اکتفا کرونگا
ناظرین اُسپر تمام قرآن کو قیاس کرلیں۔ اور وہ یہہ ہے۔ خداتعالی سورہ
بقرہ میں فرماتا ہے " اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ
اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ
النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○
یعنی۔ جو لوگ ایمان لائے اُنکا مالک اور کارساز تو اللہ ہے جو اُنکو تاریکیوں
[گمراہیوں] سے نکالکر [ایمان و معرفت کی] روشنی میں لاتا ہے۔ اور
جو لوگ انکار پر قائم رہے اُنکے مالک اور کارساز شیطان ہیں جو اُنکو اجالے
سے نکالکر اندھیروں کیطرف دھکیلتے ہیں۔ دوزخ انہیں لوگوں کے لیئ
ہے۔ یہی اسمیں ہمیشہ رہنے والے ہیں"
علامہ شیخ جلال الدین سیوطی نے جو مشہور ترین فضلاے
اسلام سے ہیں اس آیہ شریفہ میں ایکسو بیس [۱۲۰] نکات بدیعی معلوم کیئے ہیں
جنکو اُنہوں نے اپنے رسالہ مسمے بہ فتح الجلیل میں تفصیل بیان کیا ہے
مگر کلام الہی کے کمال کو دیکھنا چاہیئے کہ ایک بہت ہی لطیف نکتہ ایسے
محقق اور باکمال شخص جن سے بھی رہگیا اور وہ اسکو معلوم نہ کرسکا۔
یعنی اس آیت کے حروف کا نکات بدیعی سے شمار میں چار کم ہونا جس سے
گمان ہوتا ہے کہ شاید کچھ اور نکات و لطائف بھی ہوں جو ابتک کسی کے

ذہن میں نہیں آئے۔ پس ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ انسان خواہ کیسا ہی فصیح بلیغ کیوں نہ ہو ایسا کلام نہیں کر سکتا کہ جسکے وجوہ بلاغت حروف سے زیادہ ہوں۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ لبید سا فرید وحید شاعر [جیسا ہم اوپر بھی لکھ آئے ہیں] بے اختیار بول اٹھا کہ یہ انسان کا کلام نہیں ہے اور فوراً مسلمان ہو گیا۔ کیونکہ بسبب اس کامل واقفیت اور مہارت کے جو فنِ فصاحت و بلاغت میں اسکو حاصل تھی وہ اس بات کے جانچنے کی قابلیت رکھتا تھا کہ انسان ایسا کلام کر سکتا ہے یا نہیں۔ ہماری آرزو تھی کہ جن نکات کو شیخ نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے انکا بیان کریں مگر افسوس ہے کہ ایسا کرنا بے فائدہ معلوم ہوا۔ کیونکہ جن لوگوں کے لیئے ہمنے یہہ کتاب لکھی ہے وہ قریب کُل کے زبان عربی سے ناواقف ہیں اور کسی کلام کی فصاحت و بلاغت کو سمجھنا اور اُسکے نکات و لطائف کا اندازہ کرنا ہمیشہ اسپر موقوف ہوتا ہے کہ اس زبان میں کامل مہارت حاصل کیجائے۔ پس جو لوگ زبان عربی سے ناواقف ہیں یا اسمیں انکو کامل مہارت حاصل نہیں ہے۔ اور اُسکے فنِ معانی اور بیان و بدیع کو کامل طور پر نہیں جانتے وہ قرآن جیسے بلیغ ترین کلام کی فصاحت و بلاغت کو کسی طرح نہیں سمجھ سکتے اور نہ اُسکے محاسن و لطائف کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ پس بافسوس تمام ہم انکو قلم انداز کرتے ہیں اور جو شخص معلوم کرنا چاہے اُسکو جناب شیخ کے رسالہ کے پڑھنے کی صلاح دیتے ہیں۔

تمت بالخیر

خاتمۃ الکتاب بعون الملک الوہاب

للہ الحمد ٹھکانے لگی محنت میری
طے ہوئی آج کی منزل بہ سلامت میری

یعنی قریب تین سال کی محنت میں یہہ زادِ آخرت و وسیلۂ مغفرت انجام کو پہنچا۔ پس ہم جسقدر خوشی منائیں اور خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کے گیت گائیں کم ہیں۔ کیونکہ یہہ اُسی کی مہربانی تھی کہ اُسنے اپنے نہایت فضل و کرم سے مجھ نامہ سیاہ سرتاپا گناہ کو اس کتاب ہدایت انتساب کے لکھنے پر آمادہ اور اُسکے انجام کو پہنچانے کی بھی توفیق بخشی۔ سب جانتے ہیں کہ میں انگریزی نہیں جانتا۔ پس یہہ اُسی کے فضل کا نتیجہ تھا کہ ایسا عمدہ اور معتدبہ ذخیرہ اہل یورپ فضلا و حکما کی شہادتوں کا میسّر و موجود ہوگیا جسکو تا موقع بموقع حسب دلخواہ صرف کیا اور جو دعوی کیا اُسکو کم سے کم ایک نامی گرامی یورپین مصنّف کی شہادت سے ثبوت کو پہنچایا۔ پس اس لحاظ سے یہہ پہلی کتاب ہے کہ جو ایک جدید وضع اور طرز پر لکھی گئی ہے اور طریق استدلال بالکل نیا اور اچھوتا اختیار کیا گیا ہے۔ مینے اپنے مقدور بھر کوشش کی ہے کہ اسکی عبارت اور مضمون عام فہم اور خاص پسند ہو۔ لیکن چونکہ میری لیاقت علمی نہایت محدود ہے اور اُردو میری مادری زبان نہیں ہے اور نہ میرے اہل شہر کی زبان ہے اسلیئے اگر کسی مضمون میں لغزش اور مسامحت یا محاورہ اور روزمرّہ میں

غلطی اور خطا واقع ہوئی ہو تو اہل کرم ناظرین سے اُمید معافی ہے کہ اَلعُذرُ عِندَ کِرَامِ النَّاسِ مَقبُولُ

مجھپر اپنے فاضل دوست مولوی عبدُ العزیز صاحب خلف الرشید مولانا علاءُ الدین صاحب مرحوم ساکن لوٹم ضلع لودیانہ سلمہم اللہ تعالیٰ کا شکر واجب ہے کہ جنّے اس کتاب کی تالیف میں مجکو نہایت مدد ملی ہے۔ مَیں اپنے پیارے بھتیجے سید عنایت حسین ولد ارشد منیر الدولہ عمدۃ الملک خلیفہ سید محمد حسین خان بہادر [illegible] اللہ تعالیٰ میر منشی ریاست عالیہ پٹیالہ کی ترقی عمر ولیاقت کے لیے بھی دعا کرتا ہوں کہ جسنے بعض انگریزی کتابوں سے مضامین کے نہایت [illegible] ترجمہ کر دینے میں مجکو حسب دلخواہ مدد دی۔ مجکو ایسا ہی اپنے سب سے چھوٹے بھائی خلیفہ سید محمد محسن صاحب متخلص بہ حسین القاسم اللہ تعالیٰ کی محنت کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے کہ جنہوں نے مسودات کے مکرر سہ کرر صاف کرنے وغیرہ میں میری امداد کی۔ اب میں نہایت جوش کے ساتھ خوشی کا ترانہ گاتا ہوں۔ ناظرین کو چاہیے کہ میرا ساتھ دیں۔ اور ثواب دارین حاصل کریں

لمؤلفہ غزل

مطرب مہربان بگو صلِّ علیٰ محمدٍ	رقص کنان چہار سو صلِّ علیٰ محمدٍ
ساقی مہ لقای من مطرب خوش نوای من	بادہ بیار خوش بگو صلِّ علیٰ محمدٍ
بادہ پاک کوثری جرعہ جام حیدری	صاف لطیف و مشکبو صلِّ علیٰ محمدٍ

نعت مصطفیٰ کردن مدح مرتضیٰ | نیست جز اینم آرزو صلِّ علیٰ محمدٍ
مستِ مئے محبتم نیست بباده حاجتم | وردِ منست ہاؤ ہو صلِّ علیٰ محمدٍ
مے پئے یادِ او خورم بلبلِ سدرہ گویم | خوش نشین و خوش نگو صلِّ علیٰ محمدٍ
جامِ شراب در کشم نغمۂ مدح سر کنم | مست نظر بروئے او صلِّ علیٰ محمدٍ
بادہ خورم سبو سبو باز روم بکوئے او | نعرہ زنان بہ ہاؤ ہو صلِّ علیٰ محمدٍ
صلِّ علیٰ محمدٍ سیدنا و آلہٖ | جان و دلم فدائے او صلِّ علیٰ محمدٍ

قطعۂ تاریخ اختتامِ مبارک انجامِ تصنیف شریف کتابِ مستطاب معظم و جلیل المسمیٰ بہ اعجاز التنزیل مصنفۂ عالیجناب معلی القاب حضرت برادر صاحب قبلہ و کعبہ المخاطب وزیر الدولہ مدبر الملک خلیفہ سید محمد حسن خان بہادر سی۔ آئی۔ ای۔ وزیر اعظم و دستور معظم ریاست عالیہ پٹیالہ ادام اللہ اجلالہم از بندۂ ہیچمدان کمترین سید محمد محسن متین

تجاوز اللہ عن سیئاتہٖ بمحمدٍ و آلہ الطاہرین

ہوئی جب ختم افضالِ خدا سے | کتابِ مستطاب "اعجازِ تنزیل"
مدلل جس میں ہے ہر ایک مضموں | عجب خوبی سے ہے ایجاز و تطویل
"وزیر الدولہ" ہیں جسکے مصنف | جنہیں ہر فضل میں ہے سب پہ تفضیل
"مدبر ملک" اور سی۔ آئی۔ ای بھی | لقب ہے جنکا باصد مجد و تبجیل

محمد اور حسن ملنے سے جنکے | مقدس نام کی ہوتی ہے تکمیل
نہوئے مجملاً بھی وصف جنکا | کرے وصاف گو کتنی ہی تفصیل
جو ہیں میرے برادر پیر پدر سے | نہیں کم واجب التکریم وتجلیل
کیا ارشاد اُنہوں نے کوئی تاریخ | لکھو جلدی کہ ہے چھپنے میں تعجیل
گزارش کرنے ہی پایا اس دم آمین | جو تھی فی الفور مجھ پر فرض تعمیل
تو میں نے اس دم ہاتف سے پوچھا | پکارا وہ بصد راستی جبرئیل
لکھا اسکا سال ہجری بے کم وکاست | مدلل خوب ہے اعجاز تنزیل

۱۳ . ۲

قطعہ تاریخ انطباع ایں کتاب لاجواب از نتائج طبع گہربار

دقیقہ یاب سخندان محمد صاحب [illegible]

[illegible] لزید مجدہم

چو اعجاز تست این مطبوع شد | بصد حسن از لطف رب مجیب
بتاریخ فرخنده و سال نیک | بماه همایون و روز سعید
ز تاریخ هجریش خوش مطلعی | بگوش من از غیب گویا رسید
براهین حق بطرز جدید | ازین به نیاید بسمع مستفید

(۶ . ۱۳ ه)

ایضاً قطعہ تاریخ اختتام

جناب مصنف بالقابه | که ماناد با شوکت و ابهت
نوشت این کتابی که هر حرف آن | بود بالیقین دفتر معرفت

براے نجات و پئے مغفرت

گفتا [زہے توشۂ عاقبت] ١٣٠٦

...سین مرادآبادی کاتب این کتاب لاجواب

فیع المکاں قدر دان ہنر

سپہر فراست کے روشن قمر

کہ مداح جسکے ہیں اہل نظر

تو ہاتف نے مجھسے کہا آنکر

"یہ اعجاز تنزیل ہے معتبر" ١٣٠٦

...میں اسکی تاریخ کا

یہہ لکھے ہے کاتف اکمل قلم

ایضاً

یہہ اعجاز تنزیل ہے وہ منور

کہ معدوم ہو گئی جس سے ظلمت

وہ انوار اسلام تاباں ہیں اس سے

ہوئی جلوہ گر اس سے وہ حق کی رحمت

کہ ہو نور و ظلمت کا سب فرق روشن

ملے جس سے گمرہ کو راہِ ہدایت

مکمل ہوا جب یہہ نسخہ تو راغب

ہوئی فکر تاریخ کی دلکو رغبت

وہیں ہاتف غیب آ کر یہہ بولا

چراغ سبیل اسکو کہتے ہیں حضرت ١٣٠٦

نتیجہ فکر عالی منزلت جناب مولوی محمد رفعت اللہ صاحب رفعت بدایونی

جناب معلی محمد حسن خان

نوشت ہست بیمثل رد نصاری

مدلل کتابے بہ تصدیق ایمان

ثبوت دلائل ز تحریر اعدا

ہویدا زہر جملہ تکذیب منکر

زہر لفظ معنی تردید پیدا

زہر حرف حرف آمدہ بر حریفان

زہر نقطہ قطع کلام انصاری